بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حسینؑ منی

مجالس عشرہ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ امام بارگاہ ابوظبی

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

عصمہ پبلیکیشنز

پی۔او باکس نمبر:۔ 18168 کراچی 74700 پاکستان Phone: 6625618

نام کتاب : حسینؑ منیٰ
مؤلف : علامہ سید ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ
ناشر : عصمہ پبلیکیشنز کراچی
تعداد اشاعت : 500
تاریخ اشاعت : جنوری 2003ء
طباعت : عاصم پرنٹنگ ناظم آباد نمبر ۲ کراچی
سیرڈ پبلیکیشن ایڈیشن : پہلا ایڈیشن
ھدیہ : ۱۶۵ روپیہ
مشیر قانون : پروفیسر سید سبط جعفر زیدی ایڈوکیٹ
جناب شبیر رضوی ایڈوکیٹ (ہائی کورٹ)
سرورق (ٹائیٹل ڈیزائننگ) : سید امتیاز عباس

## اسٹاکسٹ

افتخار بک ڈپو۔ اسلام پورہ کرشن نگر۔ لاہور۔
مکتبہ الرضا۔ ۸ بیسمنٹ میاں مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔
محفوظ بک ایجنسی۔ رستم نگر۔ لکھنؤ۔
خراسان بک سینٹر، بریٹو روڈ۔ کراچی۔
زیدی بک اسٹال، خراسان، کراچی۔
محمد علی بک ڈپو، جی 9/2، کراچی کمپنی، اسلام آباد۔
سودے بکس لائبریری اینڈ اسٹیشنرز، اسکردو، بلتستان۔
شاہ جی اسلامک سی ڈیز سینٹر، بریٹو روڈ، کراچی۔
رحمت اللہ بک ڈپو۔ کھارادر۔ کراچی۔
حسن علی بک ڈپو۔ کھارادر۔ کراچی۔
عباس بک ایجنسی۔ رستم نگر۔ لکھنؤ۔
احمد بک ڈپو، رضویہ سوسائٹی، کراچی۔
سید محمد ثقلین کاظمی، جی 6/2، اسلام آباد۔
محمد علی بک ڈپو، بریٹو روڈ، کراچی۔
سکندر تبرکات سینٹر، بریٹو روڈ، کراچی۔
احمد بک ڈپو، انچولی، کراچی۔
مکتبہ علویہ مرکز تبرکات وتحائف، رضویہ سوسائٹی، کراچی۔

# فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# مجلس ۱

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا اَبِی الۡقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاہِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اَذۡہَبَ اللّٰہُ عَنۡہُمُ الرِّجۡسَ وَطَہَّرَہُمۡ تَطۡہِیۡرًا اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ حُسَیۡنٌ مِّنِّیۡ وَاَنَا مِنۡ حُسَیۡنٍ

یہ سلسلۂ مجالس جس کا آج آغاز ہو رہا ہے اور انشاءاللہ عاشورۂ محرم تک یہ سلسلہ برقرار رہے گا ان مجالس کیلئے عنوان طے پایا ہے "عرفانِ حسینؑ"

ایک زمانہ تھا جب حسینؑ کسی معرفت کے محتاج نہیں تھے اور جسنے چند لمحوں کیلئے بزمِ پیغمبرؐ میں باریابی حاصل کر لی تھی وہ بھی حسینؑ کو پہچانتا تھا لیکن انقلابات زمانہ کیساتھ دولت کی فراوانی، ایمان کی تجارت اور اقتدار کی خواہش نے عالم اسلام کو آلِ محمدؐ سے



رفتہ رفتہ یوں الگ کر دیا کہ اب اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو پھر اپنا سبق یاد دلایا جائے اور جو بزمِ پیغمبرؐ میں حاضری کو واقعاً کوئی شرف سمجھتے ہیں انھیں پھر یاد دلایا جائے کہ جس محفل میں حاضر ہو جانا ابدی شرافت و کرامت کی علامت کہا جاتا ہے اس محفل میں حسینؑ کا شمار شرکا میں نہیں تھا بلکہ حسینؑ کا عنوان میرِ محفل کا تھا۔

سرکارِ دوعالمؐ کا یہ ارشادِ گرامی "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں، اللہ اس سے محبت کرتا ہے جو حسینؑ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اس سے محبت کریگا جو حسینؑ سے محبت کریگا۔" اس ارشادِ گرامی کو علماءِ اسلام نے اپنی کتابوں میں بلکہ صحیح کتابوں میں جگہ دی ہے اور ابھی تک کوئی پیغمبرؐ کے اس ارشادِ گرامی سے اختلاف کرنے والا نہیں پیدا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ روایت کے معانی میں اختلاف پیدا ہو جائے مگر پیغمبرِ اسلامؐ نے حسینؑ کے بارے میں یہ بات فرمائی ہے کہ نہیں؟ یہ مسئلہ ابھی تک اختلاف کی زد سے محفوظ ہے۔ عالمِ اسلام میں جو صحیح یا غیر صحیح معتبر کتابیں کہی جاتی ہیں انہیں اکثر کتابوں میں آپکو پیغمبرؐ کا یہ ارشادِ گرامی مل جائے گا۔ امام ترمذی نے اپنی صحیح میں پیغمبرؐ کے اس ارشادِ گرامی کو نقل کیا ہے۔ اس کے بعد عالمِ اسلام میں ایک کتاب ہے جسکا نام ہے "المستدرک علی الصحیحین" امام حاکم نے اس کتاب کو مرتب کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس کتاب میں وہ تمام روایتیں نقل کی گئی ہیں جن روایات کو امام بخاری نے یا امام مسلم نے اپنی صحیح میں جگہ نہیں دی ہے حالانکہ ان کے شرائطِ صحت کے بنیاد پر یہ روایات بالکل صحیح تھیں یعنی یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ روایت

جو صحیح ہو وہ ان دو کتابوں میں ضرور پائی جاتی ہو ہوسکتا ہے کہ روایت صحیح ہو مگر کسی بنیاد پر ان صحیح کتابوں میں نقل نہیں کی جاسکی ہو ورنہ دونوں حضرات نے کسی روایت کے صحیح ہونے کے لئے جو معیار بنایا ہے اس معیار پر یہ تمام روایتیں پوری اترتی ہیں۔ جنکو امام حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں نقل کیا ہے اور اسے مستدرک اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے استدراک یعنی تلافی ہوئی ہے اس کمی کی جو ان دونوں کتابوں میں رہ گئی تھی، بہر حال حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں اس روایت کو نقل کیا ہے اس دعوے کے ساتھ کہ امام بخاری کے شرائط کی بنا پر بھی اور امام مسلم کے شرائط کی بنا پر بھی یہ روایت روایات صحیحہ میں ہے اگرچہ ان حضرات نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا ہے۔ اور امام بخاری نے بھی اگرچہ اپنی کتاب صحیح میں اس روایت کو نقل نہیں کیا ہے لیکن اپنی دوسری کتاب میں اس روایت کو جگہ دی ہے اور اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں"۔ اس کے علاوہ عالم فقہ کے چوتھے فقیہہ امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث مبارک کو نقل کیا ہے کہ سرکار دوعالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ امام ترمذی، ابن ماجہ، احمد بن حنبل، اور اس کے علاوہ نہ جانے کتنے علمائ اسلام، مورخین، اور محدثین ہیں جنھوں نے اپنی کتابوں میں اس معتبر روایت کو جگہ دی ہے اور حاکم نیشاپوری نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ روایت احادیث صحیحہ میں ہے چاہے صحیح کتابوں میں اسے نقل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ صحت کے لئے



جو معیار بنایا گیا ہے اس معیار پر یہ روایت پوری اترتی ہے اس کے بعد دو ہی راستے ہیں یا اس روایت کو بھی صحیح روایات میں شامل کیا جائے یا صحت کا معیار ہی بدل دیا جائے۔ ورنہ جس معیار پر اتنی روایات کو صحیح قرار دیا گیا ہے اسی معیار پر یہ روایت بھی صحیح ہے اور مسلمانوں کے لئے یقیناً قابل اعتبار اور قابل عمل ہے۔ یہ ایک مسئلہ روایت کی صحت سے متعلق تھا جو میں نے آپکے سامنے عرض کر دیا" دوسرا مسئلہ پیغمبرؐ اسلام کے اس ارشاد کے معانی سے متعلق ہے۔ آخر پیغمبرؐ اسلام کیا فرمانا چاہتے ہیں کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اس مقام پر تین طرح کے احتمالات پائے جاتے ہیں جنکو نقل کیا گیا ہے یا جنکی طرف توجہ دی جاسکتی ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے یہ بات اس لئے ارشاد فرمائی تھی تاکہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ حسینؑ کا اور پیغمبرؐ کا رشتہ کیا ہے۔ حسینؑ منی یعنی حسینؑ مجھ سے ہے یعنی حسینؑ میری بیٹی کا بیٹا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر نواسہ اپنے نانا سے ہوا کرتا ہے لہٰذا حسینؑ بھی مجھ سے ہے۔ میں نہیں جانتا کہ پیغمبرؐ اسلام کے لئے کتنا اہم یہ مسئلہ تھا جس کے لئے سرکار دوعالمؐ نے بزم اصحاب میں منبر پر آکر یا دوسرے مقامات پر اس حقیقت کا اعلان کیا۔ کون تھا بزم پیغمبرؐ میں جو اس بات کو نہیں جانتا تھا کہ حسینؑ ابن فاطمہؑ ہیں؟ کون تھا بزم پیغمبرؐ میں جو اس حقیقت سے باخبر نہیں تھا کہ فاطمہؑ بنت رسولؐ ہیں جسکو سمجھانے کے لئے پیغمبرؐ اسلام نے اتنا بڑا انتظام کیا کہ حسینؑ کو قوم کے سامنے پیش کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ ایہا الناس اگر تم نہیں پہچانتے ہو تو پہچان لو۔ میں اسکا نانا ہوں اور یہ میرا

نواسہ ہے، یہ بالکل اسی انداز کی فکر ہے کہ پیغمبرؐ نے سوا لاکھ کے مجمع کو میدان میں یہ سمجھانے کیلئے روکا کہ علیؑ میرا بھائی ہے، اسلئے کہ مولا کے معنی ابن عم، چچازاد بھائی کے ہوتے ہیں۔ شاید مسلمانوں کو معلوم نہ ہو کہ علیؑ پیغمبرؐ کے بھائی ہیں لہٰذا پیغمبرؐ نے ضروری سمجھا کہ سارے مجمع کو دھوپ میں دوپہر کے وقت روک کر اپنے رشتے سے باخبر کر دیا جائے۔ اس رشتے کا فائدہ عالم اسلام کیلئے کیا ہوگا اس رشتے کی ضرورت عالم اسلام کو کیا ہے یہ وہی جانتے ہیں جو اس نکتہ کو جانتے ہیں کہ مولا کے اس معنی کے اعلان کے لئے پیغمبرؐ نے اتنے سخت اور سنگین موقع کا انتخاب فرمایا تھا۔

دوسرا احتمال جو بعض علما نے بیان کیا ہے اور شاید یہ کم سے کم پہلے احتمال سے یقیناً بہتر اور قرین قیاس ہے کہ عرب کے درمیان ایک محاورہ تھا جو صرف عربوں میں نہیں بلکہ دنیا کی ہر زبان میں مختلف انداز سے پایا جاتا ہے۔ اور اس محاورہ کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی انسان کسی انسان سے اپنے رابطہ کا یا اپنی بے تعلقی کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو اسکے پاس دو ہی لفظیں ہوتی ہیں۔ بے تعلقی کا اعلان کرنا چاہتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ نہ وہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں۔ چاہے دونوں میں رشتہ داری ہو۔ چاہے دونوں ایک خاندان کے افراد ہوں، چاہے دونوں ایک محلے کے رہنے والے ہوں، چاہے دونوں ایک مدرسہ کے پڑھنے والے ہوں، لیکن جب انسان دوسرے کے اعمال کی ذمہ داری نہیں لینا چاہتا ہے تو واضح لفظوں میں اعلان کر دیتا ہے کہ نہ یہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں۔ اور جب انسان اپنے رشتہ، اپنی



قرابت یا اپنے شدید ترین تعلقات کا اعلان کرنا چاہتا ہے تو پوری ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ چاہے یہ میرے گھرانہ کا نہ ہو، چاہے یہ میرے محلہ کا نہ ہو، چاہے یہ میرے شہر کا رہنے والا نہ ہو مگر مجھے اس کے کردار پر اتنا اعتبار و اعتماد ہے کہ یہ سمجھو کہ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ اس کمال تعلق کے اعلان کے لئے یہ لہجہ استعمال کیا جاتا ہے "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں" اور بے تعلقی کے لئے وہ لہجہ استعمال ہوتا ہے کہ "نہ یہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں" پیغمبر اسلام یہی چاہتے تھے کہ امت کو باخبر کر دیں کہ جو رابطہ میرے اور حسینؑ کے درمیان ہے وہ رابطہ میرا کسی صحابی اور کسی مسلمان سے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ پیغمبر اسلام کے ارشادات کا جائزہ لیں گے تو آپکو اندازہ ہوگا کہ چاہے پیغمبرؐ نے کسی مسلمان کے بارے میں، کسی صحابی کے بارے میں، کسی اپنے رشتہ دار کے بارے میں کوئی بات بھی فرمادی ہو مگر کوئی ایک انسان ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں پیغمبرؐ نے یہ فرمادیا ہو کہ "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں"۔ حد یہ ہے کہ (سلسلۂ کلام کو مرتب رکھنے کے لئے یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں) پوری حیات پیغمبرؐ میں ایک ہی اعلان ملا تھا جہاں پیغمبرؐ نے کسی صحابی سے اس رشتہ کا اعلان کیا تھا ورنہ بڑے سے بڑا کوئی صحابی بھی عالم اسلام میں ایسا نہیں پیدا ہوا ہے جس کے بارے میں کوئی جھوٹی روایت بھی تیار کی گئی ہو کہ پیغمبرؐ نے اس کے ساتھ اس رشتہ کا اعلان کیا ہو۔ جسکا اعلان اپنے اہلبیتؑ کے بارے میں کیا ہے۔ فقط ایک صحابی ہے جو ایمان کے عظیم ترین درجہ پر فائز تھا

اور جسکو پیغمبرؐ نے یہ شرف دیا تھا کہ جب میدان خندق میں خندق کھودنے کا وقت آیا اور سارے انصار ایک طرف اور سارے مہاجرین ایک طرف ہوگئے وہ اپنی جان دیئے ہوئے ہیں آپ اپنی محنت میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد جب خندق کے کھودنے کا کام تمام ہوگیا تو دونوں نے دیکھا کہ ہمارا پلہ ہلکا ہو رہا ہے لہذا کسی کو شامل کرلیا جائے جس سے ہمارے عمل میں اہمیت پیدا ہوجائے اور نہ ان کے پاس کوئی ایسا تھا اور نہ ان کے پاس۔ تو دونوں نے دیکھا کہ ایک تیسرا انسان اور پایا جاتا ہے جس کا شمار نہ انصار میں ہے نہ مہاجرین میں ہے۔ وہ عربستان کے باہر کا رہنے والا ہے لیکن کام اتنا کیا ہے کہ اتنا کام نہ انصار نے کیا ہے اور نہ مہاجرین نے کیا ہے۔ لہذا ہر ایک کی خواہش تھی کہ اپنی برتری کے اظہار کے لئے اس تیسرے انسان کا سہارا لیا جائے۔ چنانچہ پیغمبرؐ نے جب کارکردگی کا جائزہ لینا شروع کیا کہ انصار نے کتنی زمین کھودی ہے تو ہر طرف سے آواز آئی کہ حضور تنہا ہمارا حساب نہ کیجئے گا۔ یہ سلمان نے جو کچھ کیا ہے اسکا حساب بھی کرلیجئے کہ سلمان بھی ہماری برادری میں شامل ہیں اور سلمان مہاجروں میں نہیں ہیں۔ اس کے بعد جب مہاجرین نے دیکھا کہ ہمارا عمل کمزور پڑ رہا ہے تو کہا کہ حضور ہمارے عمل کو انصار کے مقابلہ میں معمولی خیال نہ فرمائیں سلمان کو بھی ہمارے ساتھ جوڑ دیں۔ اس لئے کہ سلمان انکی برادری میں شامل نہیں ہیں۔ سرکار دو عالم نے اس موقعہ پر اعلان فرمایا کہ اگر سلمان کے عمل ہی کا حساب کرنا ہے تو سلمان کا حساب نہ انصار کے ساتھ ہو سکتا ہے اور نہ مہاجروں کے ساتھ ہو سکتا ہے



وہ مکہ کے رہنے والے ہیں اور یہ مدینہ کے رہنے والے ہیں اور سلمان نہ مکہ والے ہیں اور نہ مدینہ والے ہیں۔ تو حضور سلمان کے عمل کو کہاں جوڑا جائے گا؟ فرمایا کہ "سلمان منا اہل البیت" سلمان کے عمل کا حساب ہم اہلبیت کے ساتھ ہوگا۔ یہی ایک پہلا اور آخری موقع تھا جب کسی صحابی کے بارے میں پیغمبرؐ نے اس لفظ کا استعمال کیا ہے "سلمان منا" سلمان ہم اہلبیت سے ہے۔ سلمان کا تعلق ہم سے ہے سلمان کا رابطہ ہم سے ہے۔ سلمان کا شمار نہ انصار میں ہے اور نہ مہاجرین میں ہے مگر اسے بھی آپ یاد رکھیں گے کہ اگر سلمان کے بارے میں پیغمبرؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سلمان ہم اہلبیت سے ہیں تو یہ شرف بھی سلمان کو اسوقت ملا ہے جب سلمان نے اتنا کام کیا کہ نہ سارے انصار مل کر کر سکے تو نہ سارے مہاجرین مل کر انجام دے سکے تو گویا کہ پیغمبرؐ کسی کو "اپنے سے" اسی وقت قرار دیتے ہیں جب اسکا عمل اتنا اونچا ہوجائے کہ نہ انصار اسکا مقابلہ کر سکیں اور نہ مہاجرین اسکا مقابلہ کر سکیں تو انصار و مہاجرین سے بالاتر عمل انجام دینے کے بعد کوئی انسان اس قابل ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ یہ کہیں کہ "یہ ہم سے ہے" تو سوچو وہ کیسا ہوگا کہ جس کے بارے میں پیغمبرؐ یہ کہیں کہ "میں اس سے ہوں" (صلوات)

سرکار دو عالم کی بارگاہ میں تقرب کی بنیاد پر اگر سلمان سلمان فارسی نہ رہ کے سلمان محمدی ہوگئے تو اس کے بعد بھی سلمان کو اتنا ہی شرف حاصل ہوا ہے کہ سلمان کو حضورؐ نے اپنے گھرانے اور اپنے اہلبیت میں شامل کرلیا ہے۔ مگر پھر بھی حسینؑ

حسینؑ ہی ہیں سلمان نہیں ہیں۔ اہلبیت اہلبیت ہوتے ہیں اور صحابی صحابی ہوتا ہے۔ جسکا نمایاں فرق یہ ہے کہ سلمان کا رشتہ پیغمبرؐ نے اپنی ذات سے نہیں جوڑا ہے بلکہ فرمایا ہے "سلمانؑ منا اہل البیت" سلمان ہم اہلبیت سے ہیں۔ یعنی پہلے اہلبیت طے ہو جائیں، اہلبیت معین ہو جائیں اس کے بعد سلمان کو ان اہلبیتؑ میں شامل کیا جائے گا۔ پہلی منزل میں وہ ہیں جنھیں اہلبیتؑ کہا گیا ہے اور دوسری منزل میں وہ ہیں جنھیں اہلبیتؑ میں شامل کیا گیا ہے۔ جب یہ دو منزلیں ہیں تو اسکے معنی یہ ہیں کہ صحابیت کا آخری شرف یہ ہے کہ وہ اہلبیتؑ سے متصل ہو جائے اور اہلبیتؑ میں شامل ہو جائے۔ لیکن وہ پیغمبرؐ کے گھر والے ہیں جن کے بارے میں پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ "علیؑ مجھ سے ہے"، "فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے"، "یہ حسنؑ مجھ سے ہے"، "یہ حسینؑ مجھ سے ہے"۔ جب پیغمبرؐ فرمائیں "یہ مجھ سے ہے" تو یہ ان کے بارے میں کہا جائے گا جو اہلبیتؑ ہوں اور جب یہ فرمائیں گے کہ "یہ ہم سے ہے" تو یہ اس کے بارے میں کہا جائے گا جو اہلبیتؑ کے بعد دوسری منزل میں ہوگا (صلوات)

بہر حال بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ انسان جب قریب ترین تعلقات کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو اس تعلق کے اظہار کے لئے یہ لہجہ اختیار کرتا ہے کہ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ اور جب بے تعلقی کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو یہ لہجہ اختیار کرتا ہے کہ نہ یہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں۔ پیغمبرؐ اسلام نے "حسین منی وانا من حسین" فرما کر اسی حقیقت کا اعلان فرما دیا ہے کہ جتنا قریب ترین تعلق، جتنا گہرا رابطہ اور تعلق



میرا حسینؑ سے ہے ایسا رابطہ کسی اور کا مجھ سے نہیں ہے۔

تیسری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آیئے قرآن مجید، ارشادات انبیاء اور ارشادات سرکار دو عالمؐ کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ قرآن مجید اس لہجہ کو کہاں کہاں استعمال کرتا ہے اور انبیاء کرام نے ان الفاظ کو کہاں کہاں استعمال کیا ہے اور خود پیغمبرؐ اسلام نے یہ شرف کیسے انسانوں کو دیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ جس کے بارے میں پیغمبرؐ یہ فرما دیں کہ "یہ مجھ سے ہے" اس انسان کا مرتبہ کیا ہوگا۔ یہ تو بعد میں طے ہوگا کہ جس کے بارے میں یہ فرما دیں کہ "میں اس سے ہوں" وہ انسان کیا ہوگا! (میں جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں اس پر آپ توجہ فرمائیں گے) عام طور سے لوگ اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے یہ کیوں کہہ دیا کہ "میں حسینؑ سے ہوں" ورنہ یہ بات تو واضح ہے کہ "حسینؑ مجھ سے ہے" اسلئے کہ وہ نانا ہیں اور یہ نواسے ہیں۔

لیکن عزیزان محترم! یہ مسئلہ نہ نانا کا ہے اور نہ نواسے کا ہے۔ مسئلہ کچھ اور ہے جس کی حقیقت کی طرف پیغمبرؐ اسلام اشارہ فرمانا چاہتے ہیں۔ آیئے قرآن و حدیث کا جائزہ لیں۔ تاکہ پیغمبرؐ کے اس ارشاد کے معنی سمجھ میں آئیں کہ "حسینؑ مجھ سے ہے"، "علیؑ مجھ سے ہے"، "حسنؑ مجھ سے ہے"، "فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے" آخر اس رشتہ کے معنی کیا ہیں؟۔ تاریخ انبیاء کرام کا جائزہ لیجئے اور قرآن مجید کی آیات پڑھئے تو آپکو اس رشتہ کی عظمت کا اندازہ ہوگا (میں زیادہ تفصیلات گزارش نہیں کروں گا) اجمالاً ایک خاکہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ ساری باتیں ذہن میں مرتب

ہوجائیں اور آئندہ بیان کے لئے راہ ہموار ہوجائے۔

سب سے پہلے قرآن مجید نے جناب ابراہیمؑ کا تذکرہ کیا جہاں خلیل خدا نے معبود کی بارگاہ میں دعا کی کہ پروردگار جو میری اور دعائیں ہیں، جو میری التماس تیری بارگاہ میں ہے، ان دعاؤں میں ایک گذارش ایک خواہش اور ایک التماس یہ بھی ہے کہ "وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ" پروردگار مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے محفوظ رکھنا کہ انہیں کوئی بت پرستی نہ کرنے پائے، ہمیں اور ہماری اولاد کو عبادت اصنام، بت پرستی سے محفوظ رکھنا کیوں؟ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ یہاں بہت سارے مواقع ہیں کہ جہاں انسان کو غور کرنا چاہیے مگر چونکہ یہ میرے موضوع سے باہر ہیں لہذا اس مقام پر ٹھہرنا نہیں چاہتا ہوں صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہ خلیل خدا کیا فرما رہے ہیں؟ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ جو بیچارے نہ اٹھنے کے لائق ہیں نہ بیٹھنے کے لائق۔ نہ بولنے کے قابل ہیں۔ نہ کوئی کام کرنے کے لائق۔ حد یہ ہے کہ نقصان پہونچانے کے لائق بھی نہیں ہیں تو کسی کو فائدہ کیا پہونچائیں گے! ایسے بیکس و بے بس کہ اگر مان لو تو خدا ہیں اگر نہ مانو تو پتھر ہیں ان کے بارے میں خلیل خدا فرما رہے ہیں۔ خدایا ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے اس کے بعد جناب ابراہیمؑ اپنی برأت، اور بیزاری کا اعلان کر رہے ہیں۔ یہ لوگ جو بت پرستی میں مبتلا ہو گئے ہیں جنکو اصنام نے، بتوں نے گمراہ کر دیا ہے۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر میرا



تعلق کس سے ہے؟ "فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي" میں تیری بارگاہ میں واضح گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ "جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہوگا" اور جو میرا اتباع نہ کرے گا اسکا معاملہ تیرے حوالے ہے میں کسی کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار نہیں ہوں تیرا جی چاہے گا عذاب کریگا اور تو چاہے گا تو چھوڑ دے گا، معاف کر دے گا، وہ معاملہ تیرے حوالے ہے مگر میں صرف انھیں کا ذمہ دار ہوں جو میرا اتباع کرنے والے اور میرے راستہ پر چلنے والے ہیں۔ یعنی جو بتوں کی گمراہی میں مبتلا نہ ہوں وہ مجھ سے ہیں۔

(عزیزان محترم توجہ فرمائیں جو میں گذارش کر رہا ہوں) پہلے خلیل نے دعا کی خدایا مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا۔ اسکے بعد بتوں کی حرکات کا ذکر کیا کہ انھوں نے گمراہ کر دیا ہے اور آخر میں کہا کہ جو میرا اتباع کرے گا، یعنی میں بت پرست نہیں ہوں میں نے بتوں کے سامنے سر نہیں جھکایا ہے، میں نے کسی بت کو سجدہ نہیں کیا ہے میں نے بتوں کی پرستش نہیں کی ہے لہٰذا اس راستہ پر جو میرے نقش قدم پر چلے گا وہ مجھ سے ہوگا۔ اور اگر کوئی بتوں کی گمراہی میں مبتلا ہوگیا میرے راستے سے الگ ہوگیا تو اس کا معاملہ تیرے حوالے ہے۔ میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ اب آپکو اندازہ ہوا کہ خلیل نے جب پہلے پہل یہ لفظ "منی" استعمال کیا۔ جو میرا اتباع کریگا وہ مجھ سے ہوگا تو کس کیلئے استعمال کیا جو بتوں کے سامنے سر نہ جھکائے۔ جو بتوں کیوجہ سے گمراہ نہ ہونے پائے، جو بت پرستی میں مبتلا نہ ہونے پائے مگر جو بت پرستی میں مبتلا ہوجائے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب آپ کو اندازہ ہوا

کہ زبان نبوت پر پہلے پہل یہ فقرہ ان کے بارے میں آیا ہے جو نبی کا اتباع کرنے والے ہوں اور بتوں کے سامنے سر جھکانے والے نہ ہوں۔ اب آپکو اس میرے پہلے جملے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوا کہ پیغمبرؐ نے یہ اعلان اصحاب کے بارے میں کیوں نہیں فرمایا اور پیغمبرؐ نے یہ اعلان اہلبیتؑ کے بارے میں کیوں فرمایا۔ اسلئے کہ زبان خلیل پہلے اعلان کر چکی ہے کہ "منی" انھیں کو کہا جائے گا جنکا سر بتوں کے سامنے نہ جھکا ہو (صلوات) جو نبوت کا مکمل اتباع کرنے والے ہوں یہ بات انھیں کے بارے میں کہی جائیگی کہ یہ مجھ سے ہے فَمَن تَبِعَنِی فَاِنَّهٗ مِنِّی جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہوگا اور جو اتباع میں ناقص اور کمزور ہو جائے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اور میں اسکا ذمہ دار نہیں ہوں۔ یہ پہلا مرحلہ ہے جہاں اتباع کو علامت اور دلیل بنایا گیا ہے نبی سے ہونے کے لئے اس کے بعد خود قرآن مجید دوسرے مقام پر ذکر کرتا ہے، جب اللہ کے بندوں نے وقت کے پیغمبر سے گذارش کی کہ یہاں ایک ظالم بادشاہ ہے جو فساد برپا کر رہا ہے، دنیا کو تباہ کر رہا ہے، لوگوں کو پریشان کر رہا ہے۔ لہٰذا خدا کی بارگاہ میں یہ گذارش کی جائے کہ پروردگار عالم ایک کوئی سردار لشکر فراہم کر دے، ہم لوگ جہاد کرنے کے لئے تیار ہیں مگر ہمارے پاس کوئی سردار لشکر نہیں ہے۔ اگر پروردگار ہمیں کوئی سردار لشکر عنایت کر دے تو ہم جا کے مقابلہ کرینگے اور اس ظالم کا مفسد کا خاتمہ کر دیں گے۔ نبی خدا نے اللہ کی بارگاہ میں گذارش کی پروردگار عالم نے ایک سردار لشکر کو اپنی طرف سے منتخب کر دیا۔ نبی خدا نے آکر قوم کو



خبر دی۔ تمھاری دعا مستجاب ہو گئی ہے اب جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ، اب راہ خدا میں دشمن خدا سے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ، خدا نے تمھارے لئے ایک سردار لشکر کا انتخاب کر دیا ہے وہ سردار لشکر کون ہے؟ وہ جناب طالوت ہیں۔ اللہ نے منتخب کیا ہے، اللہ نے انھیں سردار لشکر بنایا ہے اب تم ان کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ طالوت کو اللہ نے سردار بنایا ہے؟ انّی یکون لہ الملک علینا یہ کیسے حکومت کریں گے؟ یہ کیسے سردار بنیں گے؟ یہ کیسے میر کارواں ہوں گے؟ یہ کیسے رئیس لشکر ہوں گے؟ ولَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ جبکہ ان کے پاس مال نہیں ہے۔ یعنی قوم کی نگاہ میں حکومت کے لئے مال چاہیئے اقتدار کے لئے دولت چاہیئے، سرداری کے لئے ثروت چاہیئے اور ادھر سے پروردگار عالم نے قوم کو سمجھایا کہ ہم نے منتخب کیا ہے ان اللہ اصطفاہ علیکم اللہ نے چنا ہے۔ اللہ نے منتخب کیا ہے۔ یہ کیا قیامت ہے کہ خدا منتخب کرے اور قوم اعتراض کرے! خدا کسی کو منتخب قرار دے اور قوم اسی کو ناپسند قرار دے؟ یہ آخر قوم کو کیا ہو گیا ہے۔ انھیں سمجھاؤ اگرچہ ان کے پاس مال نہیں ہے مگر خدا نے انکو منتخب کیا ہے، اور انتخاب کی بنیاد کیا ہے وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ اللہ نے انھیں وسعت علم بھی عطا کی ہے اور طاقت جسم بھی عنایت کی ہے۔ سردار لشکر بننے کے لئے یہ دو طاقتیں درکار ہیں کہ نہ علم کے اعتبار سے کمزور ہو اور نہ زور بازو، قوت قلب کے اعتبار سے کمزور ہو۔ اللہ نے یہ دونوں طاقتیں عنایت کر کے انھیں منتخب بنا دیا ہے۔

اور سردار لشکر بنادیا ہے قوم نے مزید بحث کرنے کا موقع نہیں دیکھا اور تیار ہوگئے، جناب طالوت کی سرکردگی میں دشمن خدا سے جہاد کرنے کے لئے جناب طالوت قوم کو لے کر چلے، ظاہر ہے کہ سفر طے کرتے ہوئے یا سفر کی زحمات کی بنا پر یا موسم کی حرارت کی بنا پر لوگوں کو پیاس کا احساس ہوا۔ چلتے چلتے ایک مرتبہ سامنے پانی آگیا۔ جیسے ہی بہتا ہوا پانی نہر کے اندر دیکھا پیاسے لوگوں نے چاہا کہ ٹوٹ پڑیں اس پانی پر اسلئے کہ سفر کیا ہے، زحمتِ سفر برداشت کی ہے، گرمی کی صعوبت برداشت کی ہے، جب پانی سامنے آگیا ہے تو پی لینا چاہیئے، سردار لشکر نے آواز دی "خبردار" "اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ" اللہ تمہارا امتحان لینے والا ہے اس نہر کے ذریعہ، یعنی یہ پانی نہیں ہے، یہ نہر نہیں ہے، یہ دریا نہیں ہے، یہ امتحان گاہ ہے، خدا تمہارا امتحان لینا چاہتا ہے۔ یہ بھی امتحان کی عجیب قسم ہے۔ بیچارے پیاسے ہیں اور اب پانی سے امتحان ہوگا۔ غریب زحمتِ سفر برداشت کر کے آئے ہیں اور اب نہر سے انکا امتحان ہونے والا ہے۔ جناب طالوت نے آواز دی اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ۔ اللہ تمہارا ایک نہر سے امتحان لینے والا ہے۔ تو امتحان کیا ہوگا؟ "فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ" اگر کسی نے پانی پی لیا تو وہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ کیا سخت امتحان ہے! کیا شدید منزل ہے! زحمتِ سفر ایک طرف، حرارت موسم ایک طرف اور اس کے بعد یہ امتحان ہو رہا ہے کہ بجائے اس کے کہ سردار لشکر قوم کے لئے پانی کا انتظام کرتا بجائے اس کے کہ رئیس کارواں



قوم کے واسطے پانی کا انتظام کرتا۔ آواز دیتے ہیں خبردار پانی نہ پینا "فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ" جو پانی پی لے گا وہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ تو پھر آپ ذمہ دار کسکے ہوں گے؟ کہا جو پانی نہ پیئے گا وہ مجھ سے ہوگا، یعنی جو منزل امتحان میں شدت تشنگی کے باوجود کامیاب ہوجائے وہ مجھ سے ہے، جو پیاس کے باوجود نہر کو دیکھ کر پانی کی طرف رُخ نہ کرے وہ مجھ سے ہے، اور جو پانی پر ٹوٹ پڑے وہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ یہ معیار تو اس سے بھی زیادہ سخت دکھائی دے رہا ہے جو خلیل نے آواز دی تھی کہ جو میرا کامل اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہوگا۔ طالوت تو کہہ رہے ہیں جو امتحان تشنگی میں کامیاب ہوجائے گا وہ مجھ سے ہوگا، جو اس امتحان تشنگی میں کامیاب نہیں ہوگا وہ مجھ سے نہیں ہوگا

اب یہ اندازہ ہوا کہ قرآن نانا نواسے کے رشتے کو بیان نہیں کر رہا ہے، قرآن نسبی قرابت کا اعلان نہیں کر رہا ہے قرآن اس رشتے کا اعلان کر رہا ہے جو دوسری طرح کے افراد کے لئے ہوتا ہے وہ جو اتباع میں کامل ہوتے ہیں اور وہ جو امتحان میں کامیاب ہوجاتے ہیں (صلوات)

یہ وہ مرحلے ہیں جنکا تذکرہ قرآن مجید نے کیا ہے اب ایک مرحلہ جو کلام الٰہی کا ہے مگر قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے آپ جانتے ہیں کہ پروردگار کے کلمات بھی دو قسم کے ہیں۔ وہ کلمات جو قرآن مجید میں ہیں انھیں آیت قرآن، حرف قرآن، لفظ قرآن، اور سورۂ قرآن کہا جاتا ہے۔ اور وہ ارشادات جو قرآن مجید

میں نہیں ہیں ان کو حدیث قدسی سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی یہ ارشاد گرامی بھی اُدھر ہی کا ہے، یہ اور بات ہے کہ پروردگار عالم نے اسکو جزو قرآن نہیں بنایا ہے ۔ اور بات آگئی ہے تو ایک جملہ اور گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ کلام یہ بھی اللہ کا ہے اور یہ طے شدہ ہے کہ جو آیت قرآن ہے وہ بھی کلام خدا کا ہے اور جو حدیث قدسی ہے وہ بھی کلام خدا ہے اور ابھی تک کوئی حدیث قدسی کے بارے میں یہ کہنے والا پیدا نہیں ہوا ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے اسی لئے اس کا نام سب نے حدیث قدسی رکھا ہے یعنی یہ کلام ادھر کی بارگاہ سے آیا ہے تو کلام خدا یہ بھی ہے اور کلام خدا وہ بھی ہے ۔ جو قرآن کی آیت بن گیا ہے وہ بھی کلام خدا ہے اور جو حدیث قدسی ہوگیا ہے وہ بھی کلام خدا ہے، مگر عزیزو یہ دعویٰ تو قرآن کے بارے میں بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جتنا کلام خدا ہے سب قرآن کے اندر ہے جتنا قرآن میں ہے بس یہ کلام خدا ہے اور جو اس سے باہر ہے وہ کلام خدا نہیں ہے ۔ ہے کوئی کہنے والا؟ سارا عالم اسلام کہتا ہے کہ جو قرآن کے اندر آیا ہے وہ بھی کلام خدا ہے اور جو قرآن کے باہر ہے حدیث قدسی ہے وہ بھی کلام خدا ہے۔ نہ کوئی اس کی صحت میں شک کرتا ہے نہ کوئی اس کے اعتبار میں شک کرتا ہے تو جب قرآن کے بارے میں کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ جتنا صحیح کلام خدا تھا سب یہاں ہے اور جو اس کے باہر ہے وہ سب غیر معتبر ہے بلکہ سب کہتے ہیں یہ بھی معتبر ہے اور وہ بھی معتبر ہے یہ قرآن بن کے معتبر ہے وہ



حدیث قدسی بن کے معتبر ہے تو جو دعویٰ قرآن کے بارے میں نہیں کیا گیا ہے وہ دعویٰ کسی کتاب حدیث کے بارے میں کیسے کیا جا سکتا ہے ۔ کاش مسلمانوں نے اتنا سوچا ہوتا کہ اگر قرآن کے باہر کلام خدا ہو سکتا ہے تو صحیح کتاب کے باہر کلام پیغمبر کیوں نہیں ہو سکتا ہے (صلوات)

بہر حال یہ گفتگو کا ایک رُخ تھا جو میں نے اپنے عزیز بچوں اور نوجوانوں کے حوالے کیا ہے۔ اس پر آپ بھی غور کیجئے گا اور اگر کسی پڑھے لکھے سے بات کرنے کا موقع مل جائے تو اس سے بھی دریافت کیجئے گا کہ آخر یہ ، کلام خدا جو قرآن مجید میں نہیں ہے اسکو آپ کلام خدا کیوں مانتے ہیں! اسے حدیث قدسی کیوں قرار دیتے ہیں جبکہ اللہ کا کلام قرآن کی شکل میں آیا ہے۔ اگر قرآن میں ہوتا تو ہم بھی مان لیتے لیکن قرآن کے باہر ہے تو نہیں مانیں گے ایک مستقل شعبہ ہے احادیث قدسیہ کا، تو جب آپ کلام خدا قرآن کے بارے میں یہ نہیں کہتے ہیں کہ اگر اسکے اندر ہوگا تو مانیں گے اور اگر اس کے باہر ہوگا تو نہیں مانینگے۔ جو خدا کا نازل کیا ہوا ہے، خدا کا مرتب کیا ہوا ہے انا علینا جمعہ وقرانہ خدا کا جمع کرایا ہوا، پیغمبر کا ترتیب دیا ہوا، جو ہر اعتبار سے خدا کی طرف سے آیا اس کے بارے میں تو کبھی آپ نے نہ کہا کہ اس کے باہر ہوگا تو نہ مانیں گے تو جو امت کے خاطیوں کے ہاتھوں بنے اور جو امت کے عام انسانوں کے ہاتھوں کتاب مرتب کی جائے اس کے بارے میں یہ دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ بس جو اس

کے اندر ہوگا وہی مانیں گے اور جو اس سے باہر ہوگا وہ نہیں مانیں گے۔ یہ تو آپ نے قرآن کے بارے میں بھی نہیں کہا تو کسی انسان کی کتاب کے بارے میں کیسے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے تو جب تک احادیث قدسیہ کی گنجائش ہے اس وقت تک مستدرک کی بھی گنجائش رہے گی (صلوات)

میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ جب وہ وقت آیا جب قرآن مجید کی وہ آیات نازل ہوئیں جنکو سورۂ توبہ یا سورہ برائت کی آیات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس بات کی ضرورت تھی کہ مشرکین و کفار کے مجمع میں ان سے برائت اور بیزاری کا اعلان کر دیا جائے (واقعہ آپ کو معلوم ہے میں واقعات پر زیادہ وقت صرف نہیں کر سکتا) تو مسئلہ یہ پیدا ہوگیا کہ کون ایسا جری، باہمت، شجاع کون ہوگا جو کفار و مشرکین کے مجمع میں جاکر ان سے برائت کا اعلان کر دے ان کی نجاست و خباثت کا اعلان کر دے۔ اس لئے کہ یہ بات تو سارے عالم اسلام میں مشہور و معروف ہے اور سب مانتے ہیں کہ بس وہی سال آخری سال تھا جس میں خانہ کعبہ کے طواف میں مسلمان بھی شامل تھے اور کفار و مشرکین بھی شامل تھے۔ اسی لئے اس کا نام "یوم حج اکبر" تھا کہ پھر اتنا بڑا حج دوبارہ نہیں ہوا، اس کے بعد تو سارا حج یک طرفہ ہو کر رہ گیا۔ دس لاکھ ہوں تو مسلمان ہیں، بیس لاکھ ہوں تو مسلمان ہیں، پچاس لاکھ، ہیں تو مسلمان ہیں، دس بیس کروڑ ہیں تو مسلمان ہیں اب کسی غیر مسلم کا گذر خانہ کعبہ کے قریب کیا حدود حرم میں بھی



نہیں ہوسکتا ہے تو وہ آخری سال تھا جب کفار بھی تھے، مشرکین بھی تھے، منافقین بھی تھے، دیندار، بے دین سب اکٹھا ہو گئے تھے تو ایسے موقع پر جہاں کفار و مشرکین پائے جاتے ہوں ضرورت ایک ایسے باہمت انسان کی تھی جو ان سے برائت کا اعلان کر سکے اور انکی نجاست کا بھی اعلان کر دے۔ "اِنما المشرکون نجس" نجس نہیں بلکہ سر تا پا نجاست، مشرکون نجس، بالکل مکمل عین نجاست۔ اور خبردار! اس کے بعد یہ مسجد الحرام کے حدود میں داخل نہ ہونے پائیں۔ آغاز برائت، انجام اعلان نجاست یہ دو اہم اعلان ہیں جنکو قوم کے سامنے پیش کرنا ہے۔ یہاں پر ایک لفظ کہنا ہے اگر آپ کے ذہن متوجہ ہو گئے تو ایک اشارہ ہی کافی ہے بات کو سمجھنے کے لئے۔ اس اعلان کے لئے کس آدمی کا انتخاب کیا جائے اور کون جائے گا؟ جو بھی حکم ہونا ہے وہ حدیث قدسی ہے قرآن نہیں ہے لیکن بہرحال کلام خدا ہے۔ ابھی پیغمبرؐ اسلام اس مرحلے سے گذر رہے تھے کہ اس پیغام الٰہی کو پہونچانے کے لئے کیا انتظام کیا جائے کہ ادھر سے جبریل امین آگئے اللہ کا پیغام لئے ہوئے۔ اس پیغام کو دو لفظوں میں نقل کیا گیا ہے بعض مورخین نے یوں نقل کیا ہے کہ جبریل امین نے یہ پیغام پہونچایا کہ "لا یبلغها الا انت او رجل منک" پیغمبرؐ یہ پیغام بڑا سخت ہے، یہ اعلان بڑا شدید ہے، یہ کفار و مشرکین کے لئے قابل برداشت نہیں ہے لہٰذا ہر آدمی اس پیغام کو نہیں پہونچا سکتا ہے۔ یہ کون پہونچائے گا؟ "لا یبلغها"

اس کی تبلیغ کوئی نہ کرے گا اِلَّا اَنْتَ یا آپ اَوْ رَجُلٌ مِّنْکَ یا وہ مرد جو آپ سے ہو۔ اور بعض مورخین نے یوں نقل کیا ہے کہ جبریل امین یہ پیغام لے کے آئے کہ "لَا یُؤَدِّیْهَا" اسکو ادا نہیں کرے گا، لوگوں تک نہیں پہونچائے گا اِلَّا اَنْتَ اَوْ رَجُلٌ مِّنْکَ" یا آپ جائیں یا اس مرد کو بھیجیں جو آپ سے ہو۔ اور بالآخر پیغمبرؐ اسلام نے اشارہ پروردگار کی بنیاد پر علی ابن ابیطالب صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو بھیجدیا اب یہاں پر روایات میں تاریخ میں ایک ہنگامہ ہے جس کے عرض کرنے کا نہ یہ موقع ہے نہ یہ میرے موضوع میں شامل ہے۔

روایات نے یہاں تک بیان کیا ہے کہ علیؑ جب آیات برائت کو لے کر پہونچے تو پیغمبرؐ نے جسکو بھی امیر حج بنایا تھا انھوں نے پوچھا کہ آپ کیوں آئے؟ کہا کہ آپ کے آنے کے بعد کچھ آیتیں نازل ہوگئیں اور جب ان آیتوں کی تبلیغ کا وقت آیا تو پیغمبرؐ نے گویا خدا کی بارگاہ میں گذارش کی کہ خدایا ان آیات کو کون پہونچائیگا بڑا سخت پیغام ہے۔ برائت ادھر، نجاست ادھر، کو ان الفاظ کو مشرکین کے سامنے پیش کرے گا تو حکم الٰہی آیا کہ یا آپ جائیں یا کسی کو بھیجیں جو آپ سے ہو وہ پیغام کو پہونچائے گا۔ لہٰذا پیغمبرؐ نے یہ پیغام مجھے دے کر بھیجا ہے کہا اتنا اور بتا دیجئے کہ "اَمِیْرٌ اَمْ مَامُوْرٌ" پیغمبرؐ نے آپ کو امیر بنا کر بھیجا ہے کہ میں معزول ہو جاؤں اور آپ امیر ہو جائیں یا آپ کو مامور بنا کر بھیجا ہے کہ میں تو میں رہوں گا خالی اس پیغام کے ذمہ دار آپ ہوں گے یعنی یہ آیتیں پڑھ کر آپ سنائیں گے۔



لیکن میں امیر ہوں امیر رہوں گا اس سوال کے اٹھانے کا جواب پہلے سے معلوم ہے جس تاریخ نے یہ سوال اٹھایا ہے۔ یہ سوال اٹھایا ہی ہے جواب بیان کرنے کے لئے کہ میں تو امیر بن کے آیا تھا آپ فرمایئے کہ کیوں آئے ہیں؟ آپ امیر بن کے آئے ہیں یا مامور بن کے آئے ہیں؟ تو نہایت ہی خاکساری اور انکساری سے علیؑ نے جواب دیا کہ امیر تو آپ ہیں آپ کی امارت اپنی جگہ پر محفوظ ہے، آپ امیر حج ہیں، آپ اس پورے قافلے کے ذمہ دار ہیں مجھے تو پیغمبرؐ نے صرف ان آیات کا مبلغ بنا کر بھیجا ہے جو آپ کی نگرانی میں کام کروں گا۔ مگر نہ جانے پیغمبرؐ خدا کی کیا مصلحت ہے؟ کہ یہ پیغام پڑھوایا جائے گا مجھ ہی سے ورنہ آپ امیر ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ اپنی مصلحتوں کو بہتر جانتا ہے۔ بہر حال تاریخ نے یوں ہی اس واقعہ کو نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اچھا اب زحمت نہ کریں میں آ گیا ہوں اعلان کر دوں گا۔ پروردگار عالم یہ کام مجھ ہی سے لینا چاہتا ہے (ظاہر ہے کہ میں ان موضوعات کو چھیڑنا نہیں چاہتا ہوں نہ یہ میرے موضوع میں شامل ہیں لیکن فقط ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں جو میرے موضوع سے متعلق ہے) کہ اگر مسئلہ اتنا ہی تھا کہ جو امیر ہے وہ امیر رہے گا، جو رئیس ہے وہ رئیس رہے گا۔ جو میر کارواں ہے وہ میر کارواں رہے گا۔ ان کا کام خالی یہ ہو گا کہ آیتیں پڑھیں اور فوراً واپس چلے آئیں۔ تو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ اسے یا آپ پہونچائیں گے، اس کی تبلیغ یا آپ کریں گے یا وہ کرے گا جو آپ سے ہو گا۔ جو مَرد ہو گا،

آپ سے ہوگا، ان باتوں کا کیا کام تھا۔ اگر اسمیں کسی طرح کی امارت یا ریاست شامل
نہیں تھی اگر خالی آیات کو پڑھ دینے کا معاملہ تھا اور اس کا کاروان حج سے کوئی
تعلق نہیں تھا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وحی خدا نے جو "یا" رکھا تھا، وحی خدا نے جو
اپنے پیغام میں ایک حرف "یا" رکھا تھا، اگر یا کی پہلی قسم پر عمل ہو گیا ہوتا تو سرکار بھی
تشریف لے آتے اور فرماتے کہ آپ امیر رہیں گے اور میں آپ کی ریاست و امارت
میں آیتیں پڑھ دونگا اور چلا جاؤں گا اگر اسکا امارت و ریاست سے کوئی تعلق نہیں تھا
تو اگر وہ بھی آئے ہوتے تو مسئلہ وہی رہتا کہ جو رئیس پہلے تھا وہی رئیس رہتا جو خالی
آیتیں پڑھنے والا تھا وہ خالی آیت پڑھ دیتا اور چلا جاتا اسکا قافلہ سے کوئی تعلق
نہ ہوتا۔ پھر تو جو حیثیت انکی ہوتی وہی حیثیت انکی ہے اس لئے کہ وحی نے تو یہی کہا تھا
کہ یا آپ یا وہ۔ لیکن میں اسے بھی نہیں چھیڑنا چاہتا ہوں یہ میرے موضوع سے اہم
ہے میں تو فقط ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ وہ چاہے خالی آیت پڑھنے والا ہو
خالی قاری ہو یا وہ خالی مبلغ ہو کچھ بھی ہو لیکن بہرحال یہ شرف وہ ہے کہ امارت کے
واسطے خدا نے نہیں کہا کہ میر کارواں وہ ہوگا جو آپ سے ہوگا مگر آیتیں سنانے کا
کام اتنا سنگین تھا کہ وحی نے کہا کہ یا آپ یا وہ جو آپ سے ہوگا۔ یعنی ریاست
آسان ہے، تبلیغ مشکل ہے، امارت آسان ہے آیتوں کا پڑھ کے سنا دینا مشکل
ہے مشکل کام وہی انجام دے گا جو آپ سے ہوگا۔ اب آپکو اندازہ ہوا کہ جو مکمل اتباع
کرے وہ نبیؐ سے ہے، جو امتحان میں کامیاب ہو جائے وہ نبیؐ سے ہے اور جو [illegible]



[illegible] نگین موقع پر بھی آیات الہی کو سنا سکے اور پیغام خدا کو پہونچا سکے وہ مجھ سے ہے۔
گویا کہ یہ زبان وحی تین معیار ہیں۔ ایک معیار ہے اتباع جو کسی سے بنا دیتا ہے اور ایک
معیار ہے امتحان میں کامیابی۔ جو کسی سے بنا دیتا ہے اور ایک معیار ہے اعلان حق
جو کسی سے بناتا ہے اگر آپ نے زبان وحی کے معیار کو پہچان لیا ہے تو اب پیغمبرؐ کے
کلام کے معنی پہچانیے "حسینؑ مجھ سے ہے" یعنی میرا مکمل پیروی کرنے والا تلاش کروگے
تو حسینؑ ہے، امتحان میں کامیاب ڈھونڈوگے تو حسینؑ ہے، اعلان حق کا کرنے والا تلاش
کروگے تو سوائے حسینؑ کے کوئی نہیں ہوگا۔ (صلوات)

اس مقام پر کسی کو یہ سوچنے کا حق نہیں ہے کہ وہ تو زبان وحی کی باتیں ہیں، یہ تو
[illegible] کی باتیں ہیں اسلئے کہ زبان وحی نے پیغمبرؐ کی زبان پر پہرہ لگا دیا ہے "وَمَا یَنطِقُ
عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی" تو جو حرف زبان پیغمبرؐ پر آجائے اسے سمجھو کہ
[illegible] ہیں تو وحی خدا کا ہی معیار بیان کر رہا تھا۔ تو اگر پروردگار عالم نے
[illegible] کو وحی الہی قرار دیا ہے تو جو معیار وحی پروردگار کا ہے وہی معیار
[illegible] سامنے ہوگا۔

اب بات آگئی ہے تو خاتمہ کلام میں ایک جملہ کہہ کے اس بات کو یہیں ختم
کرنا چاہتا ہوں - وہ پیغام پہونچائے گا جو آپ سے ہوگا اس لئے کہ مسئلہ سخت
[illegible] کیا ہے جو دو باتیں قرآن مجید میں ہیں۔ باقی دفعات جو روایات میں ہیں
[illegible] ایک مسئلہ کفار کے سامنے کھڑے ہو کے ان سے بیزاری کے اعلان کا

ہے ان سے برائت کا اعلان کرنا ہے۔ بَرَاءَۃٌ مِنَ اللہِ وَ رَسُولِہٖ۔ اللہ و رسول کی
طرف سے بیزاری کا اعلان کرنا ہے کفار کے مجمع میں، مشرکین کے سامنے۔ اور دوسری
بات یہ ہے کہ ان کے نجس ہونے کا، ان کے خبیث ہونے کا، ان کے نالائق ہونے کا
اعلان کرنا ہے اور انھیں کے مجمع میں (غور فرما رہے ہیں! میں بہت واضح لفظوں
میں گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اہل نظر ہیں خود پہچانیں گے) کہ ہم آپ یہاں
بیٹھے ہوئے ہیں مسلمان ملک، مسلمان محلہ، مسلمان ماحول، مسلمانوں کا مجمع
یہاں کفار کے بارے میں، مشرکین کے بارے میں، بت پرستوں کو جو چاہے کہیں [illegible]
کیا تکلیف ہے! میں اگر یہاں اعلان کردوں کہ سارے بت پرست سب نجس [illegible]
سارے بت پرست سب نالائق ہیں، سب قابل برائت ہیں، سب قابل بیزاری [illegible]
ہیں تو کون سا مشکل کام ہے؟ جتنی بڑی برائت کا اعلان چاہوں کردوں، جس [illegible]
نجاست و خباثت کا اعلان چاہوں کردوں مگر جہاں، بت پرستوں کی حکومت [illegible]
وہاں آپ سے کہا جائے جیسے کہ پارلیمنٹ میں کھڑے ہو کر اعلان کیجئے کہ [illegible]
برائت کے قابل ہیں، یہ سب نجس ہیں یہ سب ناپاک ہیں، یہ سب خبیث [illegible]
دیکھئے واپس آتے ہیں کہ نہیں آتے ہیں یعنی چودہ صدیوں کا مہذب بنا ہوا [illegible]
آج بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کے مجمع میں کھڑے ہو کر اس کے [illegible]
میں یہ اعلان کیا جائے چہ جائیکہ چودہ صدی پہلے کا بت پرست اور اس کے [illegible]
میں کوئی کھڑے ہو کر یہ اعلان کردے کہ یہ قابل برائت و بیزاری ہیں۔ [illegible]



نجس ہیں، خبیث ہیں، ناپاک ہیں۔ ہے کسی میں ہمت؟ (غور فرما رہے ہیں) مسئلہ
کتنا سنگین تھا جس کے لئے خدا نے کہا تھا یا آپ یا وہ مرد جو آپ سے ہو اس لئے
کہ اس رشتے کے علاوہ کسی رشتے میں اتنا دم نہیں ہے کہ ایسے مجمع میں ایسا اعلان
کر سکے۔ اور اگر آپ گذارش کو اور واضح دیکھنا چاہتے ہیں تو میں ایک لفظ کہہ کر بات
کو تمام کردینا چاہتا ہوں (میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ اس مجمع میں اعلان کرنے میں
کیا تکلیف ہے؟) لیکن اگر مجھ میں اس امام بارگاہ کے اندر بیٹھ کے، یا اس محلہ میں مسلمانوں
کے مجمع میں اتنی ہمت نہ ہو کہ میں یہاں کہوں کہ کفار قابل برائت ہیں
اگر میں یہاں اس منبر پر بیٹھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ کفار قابل برائت ہیں، یا میں نہیں
کہہ سکتا کہ وہ نجس ہیں۔ اگر یہاں کہنے کی ہمت نہیں ہے جہاں ان میں کا کوئی نہیں
[illegible] تو مجھ سے آپ یہ امید کریں گے کہ میں ان کے مجمع میں جا کے اعلان کروں گا
[illegible] یہ توقع ہوگی کہ جہاں وہ ہوں گے میں وہاں اعلان کروں گا۔ ناممکن ہے۔
[illegible] وہاں اعلان نہ کر سکے۔ عزیزو! اگر مسئلے کی سنگینی کا اندازہ کرنا ہے تو یہ اندازہ
[illegible] تو دنیا میں کوئی ایسی مقدس جگہ نہیں ہے جیسا حرم خدا کا علاقہ ہے
[illegible] نہیں، مشرک کی پہونچ نہیں، بے دین جا نہیں سکتا ہے، لامذہب آ نہیں
[illegible] قدم نہیں رکھ سکتا ہے۔ اگر آج بھی نجاست کے اعلان کی ہمت نہ
[illegible] اگر آج بھی بیزاری کے اعلان کی ہمت نہ ہو تو اس دن کون ہمت کرتا؟ یہ
[illegible] میں تھی یا آج اس کے چاہنے والوں میں ہے۔ صلوات

یہ وہ عظیم کام ہے جسکو یا پیغمبرؐ انجام دے گا یا وہ انجام دے گا جو پیغمبرؐ سے ہوگا۔ اب اندازہ کیا آپ نے اس "سے" میں کتنی قوت پائی جاتی ہے۔ یہ رشتہ کتنا عظیم ہے اور کتنا اہم ہے کہ اس رشتے کا رشتہ دار وہ کام انجام دے گا جو پیغمبرؐ کے انجام دینے کا ہے اور اس حقیقت کو ہم نے دیکھ لیا، اس کا ہم نے اندازہ کر لیا کہ پیغام الٰہی کے پہونچانے کا کام ہر انسان کے بس کا نہیں ہے۔ ہر انسان پیغام الٰہی کو زغہ اعدا میں، دشمنوں کے درمیان نہیں پہونچا سکتا ہے جب تک اسکا پیغمبرؐ سے اتنا گہرا رابطہ نہ ہو۔

اور یہ سلسلہ جب آگے بڑھا اور دشمنوں کے درمیان، مشرکین کے درمیان پیغام الٰہی کے پہونچانے کا وقت آیا تو وحی خدا نے کہا یا وہ مرد جو آپ سے ہو۔ ایسے موقع پر علیؑ کا انتخاب ہوا تاکہ دنیا پہچان لے کہ دشمنوں کے نرغے میں اعلان حق کرنے کی ہمت علیؑ میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد پیغمبرؐ نے کہا اور مجھ سے ہے" تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ بات علیؑ تک محدود نہیں ہے۔ اگر علیؑ کے بعد بھی کبھی دشمنوں کے درمیان اعلان حق کا موقع آئے گا تو اعلان حق کرنے والا موجود رہے گا اور وہ وہی ہوگا جو مجھ سے ہے۔ یہ رشتے وہ ہیں جو حق کی اہمیت اور اعلان حق کرنے والے کی عظمت کا اعلان کرتے ہیں اور اس کے بعد تیسرا مرحلہ آیا جہاں اعلان ہوتا ہے" اِنّی بَاعِثٌ اِلَیکُم اَخِی وَابنَ عَمّی وَثِقَتِی مُسلِمَ بنَ عَقِیل" کوفے والو! میں تمہاری طرف ایک ایسے انسان



کو بھیج رہا ہوں جو میرا بھائی ہے، میرے چچا کا بیٹا ہے اور میرا معتمد علیہ ہے، جس پر مجھے اعتبار ہے اسے میں بھیج رہا ہوں۔ یہ وہ ہے جو اعلان حق کرے گا نرغۂ اعداء میں۔ اس لئے کہ میں نے اس پر اعتماد کیا ہے، میں اسے بھیج رہا ہوں۔ نہ میرا نانا کسی ایسے کو بھیج سکتا تھا جو دشمنوں کو دیکھ کے خوف زدہ ہو جائے نہ میں کسی ایسے کو بھیج سکتا ہوں جو دشمنوں کو دیکھ کے مرعوب ہو جائے لہٰذا میں نے بھیجا ہے تو اسکی طاقت کو دیکھ لینا اسکے اِعلان حق کو دیکھ لینا۔

حسینؑ نے مسلمؑ کو بھیجدیا۔ اگر جناب مسلمؑ اِعلان حق فقط اسی وقت تک کرتے رہتے جب تک کوفہ استقبال کر رہا تھا، جب تک کوفہ بیعت کر رہا تھا، جب تک کوفہ والے مسلمؑ کے گرد جمع تھے تو نہ اندازہ ہوتا کہ امامؑ کا بھیجا ہوا انسان کس ہمت کا مالک ہوتا ہے۔ لیکن تاریخوں نے جو روایات نقل کی ہیں ان روایات کی بنا پر جناب مسلمؑ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے والے کم سے کم اٹھارہ[۱۸۰۰۰] ہزار اور زیادہ سے زیادہ چالیس[۴۰۰۰۰] ہزار۔ اٹھارہ ہزار کا ذکر تو جناب مسلمؑ کے خط میں بھی پایا جاتا ہے جو مولا کو بھیجا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اور شامل ہو جانے والے تقریباً چالیس ہزار افراد وہ ہیں جنھوں نے جناب مسلمؑ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ظاہر ہے کہ چالیس ہزار بیعت کرنے والوں کے درمیان اعلان حق میں کوئی زحمت نہیں ہے ایسے سازگار حالات میں پیغام حسینؑ کو پہونچا دینے میں کوئی زحمت نہیں ہے جہاں دنیا استقبال کر رہی ہو وہاں حق کی بات کہدینے میں کوئی زحمت نہیں ہے

مگر مسلمؑ حسینؑ کے نمائندہ ہیں حسینؑ کا نمائندہ پیغمبرؐ کا نمائندہ ہے، پیغمبرؐ کا نمائندہ
خدا کا نمائندہ ہے اور نمائندۂ پروردگار کمزور دل کا انسان نہیں ہوتا ہے، لہٰذا
جناب مسلمؑ کی ہمت اس دن نہ دیکھو جس دن کوفہ میں آئے تھے، جس دن
اہل کوفہ استقبال کر رہے تھے جب کوفہ والے بیعت کر رہے تھے۔ مسلمؑ کی ہمت
کو دیکھنا ہے تو اس دن دیکھنا جب کوفہ مخالف ہو جائے، جب حالات بدل جائیں
تب دیکھنا کہ وہ جو نمائندۂ حسینؑ ابن علیؑ ہے وہ کس ہمت و جرأت کا مالک ہے
اور ناسازگار حالات میں اعلان حق کی کتنی طاقت رکھتا ہے۔ عزیزو! میں تین فقرے
گذارش کروں گا اور بیان تمام کر دوں گا۔ تاریخ میں نام تو بہت سے ہیں مگر
ایک موقع پر تین نام آتے ہیں جب جناب مسلمؑ کوفہ میں وارد ہیں۔ تو سب سے
پہلے مہمان بنے جناب مختار کے گھر، مسلمؑ کا قیام جناب مختار کے گھر میں ہوا تو ابھی
تک تاریخ میں ایک نام تھا حسینؑ کا نمائندہ مسلمؑ۔ اب تاریخ میں دوسرا نام آیا جس
نے مسلمؑ کو اپنے گھر میں جگہ دی یعنی مختارؒ۔ جب حکومت وقت کے حالات بدلے
اور جناب مختارؒ قید خانے میں چلے گئے تو مسلمؑ منتقل ہو کر جناب ہانی کے گھر میں آگئے
اب تاریخ کوفہ میں تین نمایاں شخصیتیں تھیں ایک مسلمؑ ایک مختارؒ ایک ہانیؒ
ایک مہمان دو میزبان۔ یہ تین شخصیتیں ہیں کوفہ کی نمایاں جنکا نام اس دن آیا
جس دن مسلمؑ کوفہ میں آئے ہیں۔ ایک کے گھر مہمان ہوئے اور دوسرے کے گھر
مہمان بن کر پھر منتقل ہو گئے۔ لیکن جنھوں نے مسلمؑ کو اپنے گھر میں پناہ دی اگر



آپ ان کی جرأت اور ہمت کو دیکھیں گے تو آپکو اندازہ ہوگا کہ سفیر حسینؑ کی
ہمت کیا ہوگی۔ جب جناب ہانی گرفتار ہوئے اور حالات بدل گئے قبیلہ نے
ساتھ نہیں دیا اور جناب ہانی دشمنوں کے نرغے میں آگئے اور آپ کے سامنے
تلوار آئی اور قتل کا وقت آگیا کہ اب بھی موقع غنیمت ہے کہ اگر حکومت کے
خلاف بغاوت کی ہے تو بغاوت سے باز آجاؤ لیکن جناب ہانی نے اسی طرح
اعلان حق کیا جیسے مردانِ حق کو کرنا چاہیئے۔ یہ ایک مسلمؑ کا میزبان تھا جس
نے سر کٹا دیا، جان دیدی مگر اعلان حق میں کوئی تکلف نہیں کیا اور جو دوسرا
میزبان پہلا میزبان بنا تھا وہ بھی جب گرفتار ہو کے ابن زیادؑ کے دربار میں
لایا گیا تو اس جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا کہ سارا دربار مختار کو حیرت سے دیکھنے
لگا اور جب مسلمؑ کو پناہ دینے والوں کی جرأت و ہمت کا یہ عالم ہے تو جسکو حسینؑ
نے معتبر بنا کے بھیجا ہے اس کی جرأت و ہمت کا اندازہ کیا استقبال
کرنے والوں سے کیا جائے گا، بیعت کرنے والوں سے کیا جائے گا۔ نہیں مسلمؑ
کی ہمت دیکھنا ہے تو بدلے ہوئے حالات کو دیکھو (بس تین جملے اور مجلس تمام)
جب جناب ہانی کی شہادت ہو گئی اور حالات کوفے کے بالکل
بدل گئے تو وہ مسلمؑ جسکے پیچھے ہزاروں افراد کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔
جب نماز مغرب کے لئے مسجد کوفہ میں آئے تو فقط دس افراد تھے جن لوگوں نے
[illegible] ہانی جیسا سردار قبیلہ، جب ہانی جیسا کوفہ کا صاحب شخصیت انسان

مارا جائے اور کوفہ میں حرکت پیدا نہ ہو تو اس کے بعد اگر ہم قتل کر دیئے جائیں گے تو ہمارا پرسانِ حال کون ہوگا لہذا تمام لوگ جناب مسلمؑ کو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ دس آدمی ہیں جناب مسلمؑ کے پیچھے نماز پڑھنے والے نماز مغرب میں۔ اور جب نماز مغرب تمام ہوئی یا نماز عشاء تمام ہوئی اور مسلمؑ مسجد سے باہر نکلے تو اکیلے مسلمؑ تھے اور وہ دس بھی نہ رہ گئے تھے، بدلا ہوا ماحول اور وہ بھی کتنا بدلا ہوا۔ بگڑا ہوا زمانہ اور کتنا بگڑا ہوا زمانہ، جہاں اٹھارہ ہزار یا چالیس ہزار کی تعداد گھٹتے گھٹتے دس تک آجائے اور آخر میں کچھ نہ رہ جائے۔ (میں پھر بات گذارش کروں گا) کہ جو نمائندۂ حسینؑ ہے اگر فوج کے دَم پر بولتا ہوتا اگر استقبال کرنے والوں کی طاقت سے بولتا تو مسلمؑ خاموش ہو جاتے۔ لیکن نہیں مسلمؑ تو حق کی طاقت سے بول رہے تھے، نمائندگی کی طاقت سے بول رہے تھے لہذا چالیس ہزار ہوں یا ایک بھی نہ رہ جائے مسلمؑ کی ہمت میں کوئی فرق نہیں آسکتا! اب مسلمؑ مسجد سے باہر نکلے راستے بھی نہیں معلوم ہیں۔ انجان جگہ ہے، جہاں نہ گلیاں دیکھی ہیں نہ راستے دیکھے ہیں، نہ ماحول۔ چلتے چلتے ایک مقام پر بیٹھ گئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ صاحب خانہ خاتون نے دروازہ کھولا دیکھا کہ ایک مرد اجنبی دروازے پر بیٹھا ہوا ہے کہا اے شخص تو دروازے پر کیوں بیٹھا ہوا ہے؟ کہا میں پیاسا ہوں اگر ممکن ہو تو تھوڑا سا پانی پلا دو۔ اللہ اتنا بڑا انقلاب زمانہ کہ چالیس ہزار جس کے ہاتھ پر بیعت کریں، چند لمحوں میں اس کی دنیا اتنی بدل جائے کہ اسے کوئی ایک



گھونٹ پانی پلانے والا نہ رہ جائے۔ خاتون گھر کے اندر گئی۔ جام آب لے کر آئی مسلمؑ کے سامنے پیش کیا، جناب مسلمؑ نے پانی پیا، وہ گھر کے اندر چلی گئی لیکن چونکہ بیٹا گھر میں نہیں تھا اور زمانہ پُرآشوب تھا، حالات بدلے ہوئے تھے لہٰذا عورت کو اپنے بیٹے کا بار بار خیال آرہا تھا چنانچہ جب دوبارہ دروازے پر آئی تو کیا دیکھا کہ وہ شخص پھر بیٹھا ہے۔ کہا اے شخص تو نے پانی مانگا تھا میں نے پانی پلا دیا اب اس کے بعد تجھے چلا جانا چاہیئے تھا دوسرے کے دروازہ پر اس پُرآشوب ماحول میں رات کے وقت کسی مرد اجنبی کا بیٹھنا اچھا نہیں ہوتا ہے تو اپنے گھر کیوں نہیں جاتا ہے۔ مسلمؑ نے سر جھکا کے کہا، اے کنیز خدا تیرا کہنا صحیح ہے کہ جس کا کوئی گھر ہو اسے اپنے گھر جانا چاہیئے لیکن اگر کسی کا گھر نہ ہو تو وہ کہاں جائے؟ کہا کیا معنی؟ کیا تم کوفہ کے رہنے والے نہیں ہو؟ کہا نہیں کوفہ میرا گھر نہیں ہے۔ میں کوفہ کا رہنے والا نہیں ہوں۔ کہا آخر تم ہو کون؟ کہا اگر تم نے سنا ہو حسینؑ کا ایک سفیر مسلمؑ یہاں آیا تھا اور کوفہ والوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کے بعد غداری کی اب کوئی اس کا پُرسان حال نہیں رہ گیا ہے تو وہ مسلمؑ میں ہی ہوں۔ تو تم مسلمؑ ہو؟ میرے حسینؑ کے نمائندہ ہو؟ زہراؑ کے لال کے بھیجے ہوئے ہو؟ کہا ہاں میں مسلمؑ ہوں، دروازہ کھول دیا کہا آؤ شہزادے گھر کے اندر آؤ۔ میں تمہاری خادمہ ہوں اور یہ تمہارا گھر ہے۔ مسلمؑ گھر کے اندر آئے اور آکے مصلیٰ بچھا دیا۔ رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہے، رات بھر عبادت الٰہی کرتے

رہے، صبح کو نماز کے بعد مصلے پر بیٹھے ہوئے تعقیبات پڑھ رہے تھے کہ ایک مرتبہ کانوں میں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی جیسے ہی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی مصلی لپیٹ کر کھڑے ہو گئے۔ طوعہ نے کہا شہزادے کیا ارادہ ہے؟ کہا سنتی نہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آرہی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ حاکم وقت کا لشکر میری گرفتاری کے لئے آرہا ہے۔ کہا یہی تو وقت ہے گھر میں پناہ لینے کا! کہا اگر میری ہاشمی غیرت گوارہ نہیں کرتی اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے گرفتار کرنے کے لئے نامحرم تیرے گھر میں داخل ہو جائیں تو میری غیرت کیسے گوارہ کریگی کہ نامحرم کسی خاتون کے گھر میں داخل ہو جائیں۔ دروازہ کھول دے مجھے باہر جانے دے۔ اے مسلمؑ تمہاری غیرت پر ہماری جانیں قربان۔ تمہاری غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ دشمن کی فوجیں ایک کنیز خدا کے گھر میں داخل ہوں ہائے اگر تم ہوتے اور کربلا میں عصر کا منظر دیکھتے اور اگر تم نہیں تھے تو میں سوچ رہا ہوں کہ اس بیمار کا کیا عالم ہوگا جس نے یہ منظر دیکھا کہ خیموں میں آگ لگی ہوئی ہے اور ظالم خیموں میں داخل ہو رہے ہیں۔

بس عزیزو! بیان تمام ہو رہا ہے اس جرأت و ہمت کو آپ دیکھیں جناب مسلمؑ گھر سے باہر نکل آئے اکیلے۔ یہ حسینؑ کا نمائندہ ہے اس کے اوپر حالات کا اثر نہیں ہو سکتا ہے دنیا موافق ہو جائے یا مخالف اس کی جرأت و ہمت میں فرق نہیں آسکتا ہے۔ جناب مسلمؑ کیا جوان آدمی اٹھائیس سال کی عمر۔ جناب عباسؑ



کی عمر بتیس یا چونتیس سال مسلمؑ جناب عباسؑ سے چھوٹے تھے۔ اٹھائیس انتیس سال کی عمر، اکیلے گھر سے باہر نکل آئے۔ ظاہر ہے کہ نہ ہاتھ میں کوئی تلوار نہ کوئی اسلحہ نہ کوئی ہتھیار نہ کوئی لڑنے کا سہارا۔ پانچ سو کا لشکر ایک طرف اور اکیلے مسلمؑ ایک طرف مگر یہ آج بھی تاریخ شجاعت جناب مسلمؑ دیکھ رہا تھا تو مورخین نے نقل کیا ہے کہ مسلمؑ لشکروں کا مقابلہ یوں کر رہے تھے کہ ادھر سے سپاہی گھوڑوں پر سوار چلے آرہے ہیں اور ادھر عقیل کا بیٹا تنہا کوفے کی گلیوں میں کھڑا ہوا ہے مگر جو سوار سامنے آیا مسلمؑ نے بند کمر پر ہاتھ ڈالا اور یوں گھوڑے کی پشت سے کھینچ کے پھینک دیا کہ پشت بام پر جا گرا۔ جب سردار لشکر نے دیکھا کہ عقیل کا بیٹا یوں جہاد کر رہا ہے ایک ایک سپاہی کو گھوڑے کی پشت سے اتار کر پشت بام پر پھینک دیتا ہے تو اس جوان کا اور اس جرأت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ فوراً حاکم وقت کو خبر دی کہ جلدی کمک بھیجئے، جلدی مدد بھیجئے۔ اس انسان سے مقابلہ آسان نہیں ہے۔ اس نے کہا تجھے شرم نہیں آتی ہے کہ پانچ سو کا لشکر ایک آدمی کی گرفتاری کے لئے ناکافی ہو گیا جواب کہا یہ کوفہ کا کوئی بقال نہیں ہے یہ بنی ہاشم کا شیر ہے۔ تو آخر مسلمؑ سے مقابلہ کیسے ہوگا! نہ فوج لڑنے کے لائق، نہ سپاہی لڑنے کے لائق۔ اس مقام پر مورخ نے نقل کیا ہے کہ اب مسلمؑ کو گرفتار کرنے کے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا گیا۔ ایک روایت آپ سنا کرتے ہیں کہ گڑھا کھود گیا اور دوسری روایت جو مورخین نے نقل کی ہے کہ علاوہ ان لوگوں کے جو گلیوں میں مسلمؑ سے جنگ کر رہے تھے

(نہ سن سکو گے عزیزو) علاوہ ان سپاہیوں کے جو کوفے کی گلیوں میں مسلمؑ سے جنگ کر رہے تھے اور جنکا مسلمؑ مقابلہ کر رہے تھے۔ عورتیں، بچے سب اپنے گھروں کی چھتوں پر آگئے۔ گلی میں تنہا ایک مسلمؑ، بچے پتھر مار رہے ہیں، عورتیں جلتی ہوئی لکڑیاں اوپر سے پھینک رہی ہیں۔ ایک انسان پتھر کو دیکھے، آگ کو دیکھے، سپاہیوں کو دیکھے، لشکر کا مقابلہ کرے۔ کہیں دامن میں آگ لگی جا رہی ہے، کہیں جسم زخمی ہوا جا رہا ہے، کہیں تلوار کا زخم لگ رہا ہے۔ اتنے زخمی ہو گئے کہ مسلمؑ میں تاب جنگ نہ رہ گئی گرفتار ہو گئے اور حاکم کے سامنے لاکر کھڑے کر دیئے گئے۔ بس یہ آخری مرحلہ ہے ہمت وجرأت کا۔

مسلمؑ دربار حاکم میں کھڑے ہوئے ہیں ابن زیاد کے سامنے نہایت ہی سکون واطمینان کے ساتھ۔ کسی نے کہا مسلمؑ تم نے امیر کو سلام نہیں کیا؟ بس یہ تھا نمائندگی کا حق جسکو مسلمؑ نے ادا کیا ہے اور اسی مرحلے کے لئے میں نے آپکو زحمت دی تھی۔ مسلمؑ سے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ تم نے امیر کو سلام کیوں نہیں کیا ہے؟ مسلمؑ نے کہا کہ میں امیر کو ہمیشہ سلام کرتا ہوں مگر جسکو امیر سمجھتا ہوں اسکو سلام کرتا ہوں۔ میں اس ظالم کو نہ اپنا امیر سمجھتا ہوں اور نہ یہ میرا امیر بننے کے لائق ہے لہٰذا یہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے سلام کیا جائے لہٰذا میں سلام نہیں کرونگا ابن زیاد کو غصہ آگیا۔ مسلمؑ اگر تم سلام نہیں کروگے تو جانتے ہو کہ اس کی سزا کیا ہوگی؟ کہا میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں (بس میرے جملے کو عزیزو یاد رکھنا!



(مجلس تمام ہو رہی ہے) یہ میرا امیر نہیں ہے لہٰذا میں سلام نہیں کروں گا۔ میں اسے امیر نہیں سمجھتا ہوں میں اسے سلام نہیں کروں گا۔ کہا تمھیں قتل کر دیا جائے گا کہا قتل ہو جاؤں گا سلام نہ کرونگا۔ کہا تمھیں پشت بام پہ لیجا کے گلا کاٹ دیا جائے گا۔ کہا گلا کٹا دوں گا سلام نہ کرونگا۔ تمھاری لاش کو پشت بام سے پھینک دیا جائے گا کہا گوارہ کروں گا سلام نہ کرونگا۔ حکم دیا جلاد کو لے جا پشتِ بام پر اور مسلمؑ کے سر کو قلم کرکے لاش کو اوپر سے پھینک دے اور لاش کے پیروں میں رسیاں باندھی جائیں اور کوفے کی گلیوں میں کھینچا جائے۔ بڑے اطمینان کے ساتھ مسلمؑ پشت بام پر آئے مگر چونکہ کہہ کے آئے تھے کہ تو میرا امیر نہیں ہے میں تجھے سلام نہیں کروں گا۔ تو مسلمؑ نے چاہا کہ یہ بھی بتا دوں کہ جو میرا امیر ہے میں اسے ہمیشہ سلام کرتا ہوں لہٰذا کہا کہ اتنی مہلت دیدے کہ میں دو رکعت نماز ادا کرلوں۔ او عزیزو مسلمؑ نے نماز ادا کی اور اک مرتبہ مڑ کے دیکھا زہرا کے لال کیطرف جدھر سے آرہا ہوگا۔ میرا امیر آرہا ہوگا۔ رُخ کیا اس طرف اور آواز دی اے فاطمہؑ کے لال، اے میرے مولا اپنے نمائندہ کا آخری سلام لیلو۔ اب میں دنیا سے جا رہا ہوں سلام آخر تمام ہوا سر وتن میں جدائی ہوئی لاش کو پھینکا گیا۔ کوفے کی گلیوں میں کھینچا گیا۔ حسینؑ ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ دیکھا کہ کوفے کی طرف سے ایک سوار آرہا ہے۔ آواز دی ساتھیو! ذرا اس سوار کو روکو یہ کون ہے؟ شاید ہمارے بھائی کی کوئی خبر لے کے آیا ہو۔ لوگ آگے بڑھے بلایا کہا تم کہاں سے

آ رہے ہو؟ کہا کوفہ سے۔ کہا تمھارے پاس مسلمؑ کی کوئی خبر ہے۔ کہا تم کون ہو
کہا ہم حسینؑ کے خادم ہیں، حسینؑ کے غلام۔ کہا مجھے مولا کے پاس لے چلو۔
آئے آقا کی خدمت میں۔ کہا مولا یا تو آپ یہاں سے اٹھ کر باہر آئیں یا انھیں اپنے
پاس سے ہٹا دیں تاکہ ہم آپ کو بتائیں کہ کوفہ کا حال کیا ہے! حضرتؑ نے
فرمایا کہ میرے چاہنے والوں سے کوئی بات راز نہیں ہے جو بتانا چاہتے ہو بتا
کہا مولا ہم نے کوفہ اسوقت چھوڑا ہے جب مسلمؑ کا سر کٹ چکا تھا۔ لاش کے
پیروں میں رسی بندھ چکی تھی اور کوفے کی گلیوں میں لاش کو کھینچا جا رہا تھا
یہ سننا تھا کہ امام حسینؑ خیمے کے اندر آئے اے بہن زینبؑ ذرا مسلمؑ کی بتیمہ کو
بھیا کیا خبرے کے آئے ہو؟ کہا میرا بھائی نہیں رہ گیا میرا مسلم مارا گیا۔ بچی کو بلا کے سر
ہاتھ رکھا ہاشمی گھرانے کی بچی تڑپ کے کہتی ہے مولا آج تو آپ ایسے محبت فرما
ہیں جیسے یتیموں کے ساتھ محبت کی جاتی ہے کہا اے بیٹی ابھی تیرا باپ حسینؑ
ہے۔ جی چاہتا ہے گذارش کروں اے یتیمہ مسلمؑ تیرا بابا مارا گیا تو سر پر ہاتھ
رکھنے والا موجود تھا مگر ہائے سکینہ باپ کے بعد طمانچے مارنے والے، تازیانے
لگانے والے، کوئی سر پر دستِ شفقت پھیرنے والا نہیں۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

# مجلس ۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ
الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ الَّذِیْنَ اَذْھَبَ اللّٰہُ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَ
طَھَّرَھُمْ تَطْھِیْرًا اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

"حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْن"

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں، اللہ اس سے محبت کرتا
ہے جو حسینؑ سے محبت کرتا ہے۔ سرکارِ دو عالم کے ارشادِ گرامی کی روشنی میں
۱۴۱۱ھ کے آغاز کے ساتھ مرکزِ حسینی ابوظبی میں جس عشرۂ مجالس کا آغاز ہو رہا ہے
اس مجالس میں جس موضوع سے متعلق اپنے معروضات آپکی خدمت میں
پیش کرنا ہے اسکا عنوان ہے "عرفانِ حسینؑ"۔ یہ انتہائی حیرت انگیز بات
ہے کہ اس پوری کائنات کا اکیلا ایک انسان ہے جسکا غم ساری کائنات میں

اتنی شان سے چودہ صدیوں سے منایا جا رہا ہے لیکن اس کے بعد بھی ابھی دنیا میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جنہیں عظمت حسینؑ کا احساس پیدا نہیں ہوا ہے۔ بنگال کے ہندؤں میں عظمت حسینؑ کا احساس ہے۔ انگلستان کے انگریز حسینؑ سے کسی مقدار میں باخبر ہے۔ دنیا کے ہر گوشہ میں غم حسینؑ منایا جا رہا ہے اور ہر قوم کے پڑھے لکھے لوگوں کو کسی نہ کسی مقدار میں حسینؑ کی عظمت و اہمیت کا اندازہ ہے مگر یہ اندازہ نہیں ہے تو اُس دنیا میں نہیں ہے جس دنیا میں ہونا چاہیئے تھا اور ان افراد کو نہیں جن افراد کو اندازہ ہونا چاہیئے تھا اس سے زیادہ حیرت انگیز بات اور کیا ہوگی کہ رسولؐ اکرم پر ایمان رکھتے ہیں اور جس سے رسولؐ ہیں اسس کا عرفان نہیں رکھتے ہیں۔ فرزند رسولؐ الثقلین کی اسی معرفت کی ضرورت کی بنیاد پر میں نے اسی عنوان کو آپ کے سامنے پیش کیا ہے اور اس کے ذیل میں جو تمہیدی باتیں استقبال عزا کی مجالس میں گذارش کی جا چکی ہیں ان کے علاوہ جو موضوعات ان مجالس میں زیر بحث آئیں گے۔ ان موضوعات کا خلاصہ یہ ہے کہ حسینؑ کی معرفت کا ایک ذریعہ اُس ماحول اس خاندان اور اس نسل کی معرفت ہے جس کا نتیجہ ہیں حسینؑ ابن علیؑ۔ دوسرا مسئلہ ہے معرفت حسینؑ کا بہترین ذریعہ ہے قرآن حکیم دیکھنا یہ ہے کہ قرآن نے حسینؑ کے بارے میں کیا بیان دیا ہے تیسرا ذریعہ عالم اسلام میں حسینؑ کو پہچاننے کا خود سرکارؐ دو عالم کی سیرت و سنت ہے کہ حضورؐ نے اپنے اقوال، اپنے اعمال اور اپنے سکوت سے حسینؑ کی کس



[illegible] اور عظمت کا اعلان کیا ہے۔ چوتھا مرحلہ ہے کہ اُس دور میں جس دور میں حسینؑ زندگی گذار رہے تھے پیغمبرؐ کے گرد و پیش جو شخصیتیں یا جو افراد پائے جاتے تھے انھوں نے حسینؑ کی عظمت کا کس حد تک اندازہ کیا ہے اور حسینؑ کی عظمت کا کس انداز سے اعلان کیا ہے۔ اس کے بعد ایک مرحلہ یہ ہے کہ منزل صحابیت کے گزر جانے کے بعد جو دوسری نسل عالم وجود میں آئی ہے۔ اس نسل میں حسینؑ کی معرفت کا اعلان کیا تھا اور اس دور کے لوگوں نے فرزند رسولؐ کو کس انداز سے پہچانا تھا اس کے بعد ایک اور مرحلہ آتا ہے اقوام عالم کا، مورخین عالم کا کہ مورخین نے کس انداز سے حسینؑ ابن علیؑ کا ذکر کیا ہے اور اقوام عالم نے کس طرح حسینؑ کا اعزاز و احترام کیا ہے۔ اس کے بعد خود امام حسینؑ کے ذاتی کردار، ذاتی افکار و نظریات اور ذاتی اعمال و افعال کا جائزہ ہے جس کے ذریعہ انسان عظمت حسینؑ کا اندازہ کر سکتا ہے کہ ایسے اعمال کا انجام دینے والا، ایسے افکار و نظریات کا رکھنے والا اور ایسی قیمتی [illegible] کو عالم انسانیت کے حوالے کرنے والا انسان کن عظمتوں کا مالک ہو سکتا [illegible] کس [illegible] صلات کا مالک ہوگا (یہ سارے موضوعات وہ ہیں جنکے بارے میں آپ کے سامنے مستقبل میں بہت سی باتیں گذارش کی جائیں گی) آج پہلے [illegible] شخصیت امام حسینؑ سے متعلق چند باتیں گذارش کرنا ہے۔ ایک مختصر سار [illegible] بہت سے حضرات کی موجودگی میں گذارش کیا تھا جہاں سرکار دو عالمؐ [illegible] کا حوالہ دیا تھا جہاں پیغمبرؐ اکرم نے مجمع اصحاب میں آپکے بعد یہ اعلان

کیا تھا کہ اگر تم چاہو تو میں تمھیں وہ انسان بتا سکتا ہوں جس سے بہتر کسی کا نا[illegible]
نہیں۔ اس سے بہتر کسی کی نانی نہیں، اس سے بہتر کسی کا چچا نہیں، اس سے
بہتر کسی کی پھوپھی نہیں، اس سے بہتر کسی کا ماموں نہیں، اس سے بہتر کسی کا [illegible]
نہیں اور اسکی ماں سے بہتر کسی کی ماں نہیں ہے اور جب اصحاب کرام نے پیغمبرؐ کی [illegible]
میں اشتیاق کا اظہار کیا کہ وہ کون انسان ہے جسکے باپ سے بہتر کسی کا باپ [illegible]
جسکی ماں سے بہتر کسی کی ماں نہ ہو جس کے رشتہ داروں سے بہتر کسی کے [illegible]
نہ ہوں تو سرکارؐ نے فرمایا کہ وہ یہ حسینؑ بن علیؑ ہیں (البتہ ایک فقرہ کا اضافہ کر[illegible]
اس لئے ضروری ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اصل روایت اتنی ہی ہو اور ہو سکتا ہے [illegible]
کی بنیاد پر اتنا ہی نقل کیا گیا ہو۔ روایت میں یہ فقرہ ضرور ہے کہ حضورؐ نے [illegible]
کہ اگر تم چاہو تو میں بتا سکتا ہوں کہ جد اور جدہ کے اعتبار سے سب سے [illegible]
بہتر انسان کون ہے؟ عام اعتبار سے جد اور جدہ کا لفظ نانا اور نانی کے [illegible]
میں نہیں بلکہ دادا اور دادی کے بارے میں استعمال ہوتا ہے لیکن اگر [illegible]
میں اس رخ پر روشنی نہیں پڑی ہے تو بہرحال (ایک جملہ کہہ کے اپنے موضو[illegible]
تک آنا چاہتا ہوں کہ اگر حسینؑ بن علیؑ کی خاندانی عظمت و وجاہت کا اندا[illegible]
ہے تو اسکے لئے بہترین بات یہ ہے کہ چاہے سیرت و کردار کا جائزہ [illegible]
چاہے آیات و روایات کا جائزہ لیں یہی اندازہ ہوگا کہ حسینؑ کے خاندان سے
عظیم تر دنیا میں کسی انسان کا خاندان نہیں ہے۔ اگر حسینؑ کے نانا کو دیکھ[illegible]



[illegible] وہ ہے جسکو پروردگار عالم نے سید المرسلین بنایا ہے، خاتم النبیینؐ بنایا ہے۔ وہ
[illegible] پر آئے تو جان کائنات ہو اور آسمان پر جائے تو صاحب معراج ہو۔ وہ
انسان جس کا کلمہ پڑھ لینا انسانوں کو مسلمان بنا دیتا ہو، وہ انسان جسکی محبت و عقیدت
[illegible] بلکہ دینا انسان کو صاحب ایمان بنا دیتا ہو، وہ انسان جس کی خدمت میں آنے
والے [illegible] ابوذر ہو جاتے ہوں، وہ انسان جسکی جوتیاں سیدھی کرنے والے ایمان کے
[illegible] درجہ پر فائز ہو جاتے ہوں۔ اگر امام حسینؑ کی جدہ ماجدہ یعنی جناب خدیجۃ الکبریٰ
[illegible] کردار دیکھا ہے تو قرآن مجید بھی اس بات کی شہادت دے گا اور تاریخ
بھی اس حقیقت کا اقرار کرے گی کہ عالم ایثار و قربانی میں کوئی خاتون دنیا میں
ایسی نہیں پیدا ہوئی جو خدیجہ کے مثل قرار دی جا سکتی ہو۔ منزل ایمان میں
[illegible] سب سے پہلے قدم رکھنے والی خاتون جناب خدیجہ، پیغمبر اسلامؐ
[illegible] رونق خانہ بڑھانے والی سب سے پہلی خاتون جناب خدیجہ، خدیجہ
[illegible] کے ذریعہ سے پروردگار نے طعنہ ابتر کا جواب دیا اور پیغمبرؐ کو
[illegible] اولاد بنایا وہ بھی جناب خدیجہؑ اور جناب خدیجہ وہ اکیلی خاتون ہیں جنکے
[illegible] جانے کے بعد بھی پیغمبرؐ کے دل سے ان کی یاد نہ جا سکی اور جناب خدیجہ
[illegible] عظمت خاتون کا نام ہے جسکے عمل و کردار کی عظمت کا پروردگار عالم
[illegible] کہ پیغمبرؐ تمھارے اوپر ہمارے احسانات میں سے ایک احسان یہ بھی
[illegible] وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ تم نادار تھے ہم نے تمھیں غنی بنایا، ساری دنیا

جانتی ہے کہ پیغمبرؐ کسی غنی کی دولت سے غنی نہیں ہے۔ خدیجہ کی دولت سے غنی
بنے ہیں۔ کتنا بڑا فرق ہے اس کائنات اسلام میں عظمت خدیجہ میں اور سارے
مسلمانوں کی عظمت میں کہ مال پیغمبرؐ سے مالدار بنتے ہوئے تو بہت سے افراد کو دیکھا
ہے مگر کسی کے مال سے پیغمبرؐ کو مالدار بنتے ہوئے نہیں دیکھا ہے یہ شرف
مالک نے تنہا خدیجہ کو عنایت فرمایا تھا کہ پروردگار عالم نے دولت خدیجہ کے
ذریعہ سے سرکارؐ دوعالم کو غنی اور مالدار بنایا اور دنیا کے اموال سے بے نیاز
بنادیا اگر حسینؑ کے دادا کے کردار کو دیکھنا ہے تو ذکر خدیجہ سے پہلے قرآن آواز
دیتا ہے اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۔" پیغمبرؐ میرا پہلا احسان یہ ہے کہ تم یتیم
تھے ہم نے تمھیں پناہ دی ہے ساری دنیا جانتی ہے کہ پیغمبرؐ دنیا میں آئے
جب بھی یتیم تھے باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا مگر چونکہ شرعی قانون سے انسان
کی ولایت کا حق اور انسان کی سرپرستی کا حق یا باپ کو حاصل ہوتا ہے یا دادا
کو حاصل ہوتا ہے لہٰذا پیغمبرؐ باپ کے دنیا سے جانے کے بعد بھی اس دنیا میں
تشریف لائے تو کم سے کم دادا کی سرپرستی میں زندگی گذار رہے تھے لیکن جب
جناب عبدالمطلب نے دنیا کو چھوڑا اور پیغمبرؐ نے واقعاً سرحدِ یتیمی میں قدم رکھا
تو تاریخ اسلام اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتی ہے کہ عبدالمطلب نے دنیا چھوڑنے
سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کیا، حالات تمھیں معلوم ہیں، ماحول کا تم نے جائزہ لیا
یہ میرے پاس امانت الٰہی ہے۔ یہ میرے پاس میرے مرحوم فرزند کی نشانی



ہے بتاؤ کون ہوگا جو اس کی کفالت کا ذمہ دار ہوگا؟ کون ہوگا جو اسکی حفاظت کا ذمہ دار
ہوگا؟ اولاد عبدالمطلب میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اتنی بڑی ذمہ داری کو قبول کرسکے
آخر میں عبدالمطلب نے جان پسر کو اور امانت الٰہی کو اپنے لال ابوطالبؑ کے حوالے
کردیا۔ یعنی یتیمی کی سرحد میں قدم رکھنے کے بعد پیغمبرؐ نے جس کی حفاظت میں زندگی
گذاری ہے وہ جناب ابوطالبؑ ہی تھے کہ حفاظت کا کام انجام دیں ابوطالبؑ۔
اور خدا اعلان کرے کہ پیغمبرؐ تم یتیم تھے ہم نے تمہیں پناہ دی ہے انسان بندگی میں
کتنا بڑا بندۂ پروردگار کیوں نہ ہو جائے بڑے سے بڑے نمازی کو دیکھا بڑے سے
بڑے روزہ دار کو دیکھا بڑے سے بڑے حافظ قرآن کو دیکھا بڑے سے بڑے صاحبِ کردار
کو دیکھا کسی کے عمل کو عمل پروردگار بنتے نہیں دیکھا یہ شرف ابوطالبؑ کو ملا کہ
حفاظت کریں وہ اور خدا کہے ہم نے بچایا ہے۔ خدمتیں انجام دیں وہ خدا کہے پیغمبرؐ
ہم نے تمہیں محفوظ رکھا ہے۔ یہ حسینؑ کے دادا کے کردار کی بلندی تھی اور حسینؑ کی
دادی کی عظمت کو دیکھنا ہے تو دور جانے کی ضرورت نہیں ہے مختصر سی بات یہ
[illegible] وہ خاتون ہیں جنکی عظمتوں کے سامنے کوئی دیوار حائل نہیں ہو سکتی
چاہے حکومتوں کی دیواریں اٹھائی جائیں۔ روایتوں کی دیواریں بنائی جائیں،
افسانوں کی دیواریں کھڑی کی جائیں۔ کوئی دیوار عظمت فاطمہؑ بنت اسد کے سامنے
حائل نہیں ہو سکتی ہے جسکو کعبہ کی دیوار نہ روک سکی ہو اس کو دنیا کی کونسی
دیوار روک سکے گی۔ صلوات

حسینؑ کے پدر بزرگوار جنکی تعریف کا دنیا میں شاید کوئی انسان محتاج نہیں ہے اور ہر انسان انکی عظمت اور جلالت سے یقیناً باخبر ہے مگر میں اپنے موضوع سے متعلق فقط ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں۔ حسینؑ کے باپ کو یہ شرف پیغمبر اسلام کے ہاتھوں ملا ہے کہ سرکار دو عالم نے یہ اعلان فرمایا ہے کہ یا علیؑ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ پروردگار عالم نے میرے اور تمھارے درمیان وہی رشتہ قرار دیا ہے جو موسیٰ اور ہارون کے درمیان تھا۔ میں اپنے وقت کا موسیٰؑ ہوں اور تم اپنے وقت کے ہارون ہو۔ حسینؑ کی مادر گرامی وہ خاتون جنکے بارے میں دو روایتیں ہیں اور دونوں روایات صحیح ہیں معتبر ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ سیدۃ نساء عالمین ہیں تمام عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں فاطمہ زہراؑ اور ایک روایت ہے جو جناب ام المومنین سے نقل کی گئی ہے اسمیں انھوں نے فرمایا کہ پیغمبرؐ کی روایت میں لفظ عالمین نہیں لفظ جنت ہے سیدۃ نساء اھل الجنۃ جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں فاطمہ زہراؑ بہر حال چاہے کائنات کی عورتوں کی سردار ہوں اور چاہے اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہوں۔ اتنا بہر حال طے ہے کہ ساری عورتیں کائنات کی رعایا میں ہیں۔ تنہا فاطمہؑ ہیں جنکو شرف سیادت حاصل ہوا ہے اور یہ شرف اللہ نے فاطمہؑ کو ایسا دیا ہے جو دائم و قائم بن گیا ہے۔ جو ہمیشہ کے لئے رہ گیا۔ یہ کہ قیامت تک جو نسل فاطمہؑ آتی رہے گی شرف سیادت اسی کا



ہو رہا ہے گا یہ ساری خاندانی عظمتیں، وجاہتیں اور بلندیاں ہیں جو مالک کائنات نے حسین بن علیؑ کو عنایت فرمائی ہیں اس کے بعد میں شخصیت امام حسینؑ کے متعلق ان چند خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو دنیا کے دوسرے انسانوں میں نہیں ہیں اور اس کے علاوہ واقعاً قابل توجہ ہیں جن سے انسان محسوس کر سکتا ہے کہ اس انسان کا قیاس دنیا کے عام انسانوں پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ میں سلسلۂ گفتگو کو شروع کرتا ہوں امام حسینؑ کی ولادت سے پہلے [illegible] فرزند رسول الثقلین نے اس دنیا میں قدم بھی نہیں رکھا تھا جناب ام الفضل جو پیغمبر اسلام کی چچی ہیں یعنی جناب عباس بن عبد المطلب کی زوجہ ہیں پیغمبر اسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور آکے گذارش کی کہ یا رسول اللہ میں نے ایک ایسا خواب دیکھا ہے کہ میں سخت متوحش ہوں۔ میں سخت پریشان ہوں [illegible] میں نہیں آتا کہ آخر اس خواب کا کیا مقصد ہے۔ اس خواب کا مضمون [illegible] ہے! پیغمبرؐ نے فرمایا کہ خواب آپ بیان کریں تعبیر میں بیان کروں گا [illegible] نے یہ خواب دیکھا ہے کہ جیسے آپ کے بدن کا ایک ٹکڑا آپ کے بدن [illegible] ہو گیا ہے۔ واقعی خواب وحشتناک ہے کوئی انسان ایک انسان کے [illegible] دیکھ کر اس کا سر اس کے بدن سے الگ ہو گیا ہے تو انسان کو [illegible] ہوگی کہ خدانخواستہ کوئی حادثہ ہونے والا ہے، کوئی ایکسیڈنٹ [illegible] ہے، کوئی مصیبت آنے والی ہے تو ام الفضل نے جب یہ خواب دیکھا

کہ سرکارِ دو عالمؐ کے جسم اقدس کا ایک حصہ، ایک ٹکڑا پیغمبرؐ کے جسم سے الگ ہوگیا تو اتنا ہی جناب ام الفضل کی وحشت کے لئے کیا کم تھا کہ اس کے بعد جو خواب کا دوسرا حصہ ہے وہ زیادہ وحشتناک ہے کہ یا رسول اللہ میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم کا حصہ آپ کے جسم سے الگ ہو کر میری گود میں آگیا یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدانخواستہ آپ کی اس تکلیف میں میرا کوئی ہاتھ تو نہیں ہے؟ کہیں آپ کی اس اذیت میں میرا تو کوئی حصہ نہیں ہے یا آپ کے جسم کے حصہ کے الگ ہوجانے میں میرا کوئی دخل تو نہیں ہے! یہ میں نے کیوں دیکھا ہے، مجھے وحشت ہورہی ہے۔ خود آپ کے بارے میں بھی اور اپنے بارے میں بھی آخر ٹکڑا میری گود میں کیوں آیا؟ پیغمبر اسلام نے خواب کو سنا اور اس کے بعد مسکرا دیئے۔ وہ اپنی وحشت اور پریشانی کا اظہار کر رہی ہیں اور سرکارِ دو عالمؐ مسکرا رہے ہیں حضور جلدی بتائیے کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ فرمایا ام الفضل مبارک ہو! حضرت مبارک میرے لئے۔ آپکے بدن کا کوئی ٹکڑا الگ ہو کر میری گود میں آجائے۔ یہ مبارکباد کا پیغام یہ کونسی خوشی کی بات ہے؟ کہا ام الفضل عنقریب پروردگار میری بیٹی فاطمہؑ کو ایک فرزند عنایت کرے گا جو فاطمہؑ کا لختِ جگر ہوگا جو فاطمہؑ کے دل کا ٹکڑا ہوگا یہ بچہ سب سے پہلے تمھاری گود میں آئے گا۔ زیادہ وقت گذرنے نہیں پایا کہ [illegible] کے خواب کی تعبیر سامنے آگئی اور بالآخر صدیقہ طاہرہ کے یہاں فرزند یعنی امامؑ کی ولادت ہوگئی اور امام حسینؑ کی پرورش سب سے پہلے جناب ام الفضل [illegible]



آغوش میں ہوئی۔ یہ بات تو اتنی بڑی نہیں تھی مگر جو اسمیں لطفیں ہیں وہ قابل توجہ [illegible] اگر ام الفضل نے خواب میں یہ دیکھا ہوتا کہ فاطمہؑ کے بدن کا ایک حصہ الگ ہو کر میری گود میں آگیا ہے تو بات بہت آسان تھی تعبیر سے اندازہ ہوجاتا کہ حسینؑ فاطمہؑ کے لختِ جگر ہیں، حسینؑ فاطمہؑ کے دل کا ٹکڑا ہیں، حسینؑ وجودِ [illegible] ایک حصہ ہیں لیکن ام الفضل نے خواب میں فاطمہؑ کو نہیں دیکھا خواب [illegible] کو دیکھا ہے یعنی ابھی بچہ نے دنیا میں قدم نہیں رکھا ہے قدرت نے یہ [illegible] کہ یہ جزو فاطمہ زہراؑ نہیں ہے یہ جزو پیغمبرؐ ہے یعنی اب آپ حساب لگائیں [illegible] میں یہ اعلان تو بعد میں ہوگا کہ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي' فاطمہؑ میرا [illegible] اور حسینؑ کے لئے اعلان پہلے ہوگیا کہ جیسے فاطمہؑ پیغمبرؐ کا ٹکڑا ہے ویسے [illegible] فاطمہؑ کا ٹکڑا نہیں بلکہ پیغمبرؐ ہی کا ایک جزء ہے۔ صلوات

یہ وہ شرف ہے جو کائنات میں کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ اس کے بعد [illegible] دنیا میں قدم تو ابھی پہلی ساعت ہے دنیا میں اس کی اور اس [illegible] جب پیغمبر اسلام کو یہ خبر دی گئی کہ پروردگار عالم نے آپ کی [illegible] فرزند عنایت فرمایا ہے تو سرکارِ دو عالم تشریف لائے اور سارے [illegible] نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ پیغمبر اسلام نے خود بنفسِ [illegible] کے داہنے کان میں اذان کہی اور بائیں کان میں اقامت کہی اور [illegible] جو سنت پیغمبر بن گئی۔ یہی وہ طریقہ ہے جو بعد میں عالم اسلام میں

سنت سرکارِ دو عالم بن گیا اور درحقیقت پیغمبرِ اسلام کی تاریخ میں یہی دو مواقع
ہیں یا جب حسنؑ پیدا ہوئے تھے تو نبیؐ نے خود اذان و اقامت کہی تھی یا جب حسینؑ
پیدا ہوئے تو پیغمبرؐ نے کان میں اذان و اقامت کہی اور اس کے بعد یہ بات
عالمِ اسلام کے مستحبات میں شامل ہوگئی۔ تو میں دو باتیں اس مقام پر عرض
کرنا چاہتا ہوں حسینؑ کا ایک امتیاز یہ ہے کہ جو برتاؤ نبیؐ نے حسینؑ کے ساتھ [illegible]
وہ سنت پیغمبرؐ بن گیا اور سارے عالمِ اسلام کے لئے مستقل سیرت بن گیا [illegible]
ہمیشہ کے واسطے تو ساری دنیا سنت پیغمبرؐ کی ماننے والی ہے اور حسینؑ بنیاد [illegible]
پیغمبرؐ ہیں۔ اور دوسرا فقرہ اس مقام پر یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں [illegible]
بچے پیدا ہوتے ہیں پیغمبرؐ کے اس عمل کی بنیاد پر اور سرکار کی اس تعلیم کی بنیاد [illegible]
ہر بچے کے کان میں اذان کہی جاتی ہے ہر بچہ کے کان میں اقامت کہی جاتی
ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ انشاءاللہ یونہی عالمِ اسلام میں برقرار رہے گا [illegible]
دنیا میں آنے والے بچہ کے کان میں اذان بھی کہی جائے گی اور اقامت [illegible]
کہی جائے گی۔ مگر عزیزو جو بچہ بھی دنیا میں آیا یا آئے گا ہر ایک کے کان میں
اقامت کی آواز آئے گی وہ سمجھے یا نہ سمجھے آواز ضرور آئے گی۔ وہ اذان و [illegible]
کے معنی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو لیکن اس کے کان میں اذان و اقامت [illegible]
جائے گی مگر اس فرق کو کیا کیجیے گا۔ یہ امتیاز خدا نے صرف حسینؑ کو دیا ہے [illegible]
نے جو پہلی آواز سنی وہ آوازِ پیغمبرؐ تھی حسینؑ نے جو پہلا پیغامِ الٰہی سنا وہ [illegible]



[illegible] زبان سے سنا کوئی دوسرا انسان نہ حسینؑ کا مثل ہوسکتا ہے اور نہ حسینؑ کا
شریک ہوسکتا ہے۔ صلوات

میں کوئی ایک فقرہ نہیں کہنا چاہتا ہوں جس سے کسی کی شان میں جسارت
کا شبہ بھی پیدا ہوجائے لیکن بہر حال یہ ایک ایسا امتیاز ہے جو پروردگارِ عالم نے
دنیا میں قدم رکھنے کے بعد فوراً ہی حسینؑ بن علیؑ کو عنایت فرمادیا ہے یہ زندگی کا دوسرا
[illegible] ایک منزل ولادت سے پہلے اور دوسری منزل منزلِ اذان و اقامت۔
[illegible] کے بعد زندگی کا تیسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے کہ ہر بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو
[illegible] اس کا کوئی نہ کوئی نام ضرور رکھا جاتا ہے لہٰذا یہ مسئلہ پیدا ہوگیا کہ اس
دنیا میں آنے والے بچہ کا نام کیا رکھا جائے گا؟ میں ان مسائل کو اس لئے گذارش
کر رہا ہوں کہ تاریخ میں جو سیہ کاریاں جو غلط مضامین شامل کر دیئے گئے ہیں اور
ان غلط مضامین کی شہرت ہو رہی ہے، یا انھیں شہرت دی جا رہی ہے تاکہ حقائق
[illegible] اور فرضیات کو دنیا کی نگاہ میں حقیقت کا رُخ دیدیا جائے۔ ان میں سے
[illegible] یہ بھی ہے کہ پیغمبرِ اسلام جب آئے تو پیغمبرؐ نے پوچھا یا علیؑ تم نے اپنے
[illegible] نام رکھا ہے؟ علیؑ نے کہا یا رسول اللہ مجھے تو جو نام پسند ہے بتائے دیتا ہوں
[illegible] آپ کی مرضی۔ چاہے آپ کی میری پسند ایک ہو یا آپ کی پسند کچھ اور ہو۔
[illegible] پسند کچھ اور ہوگی تو میں آپ کی پسند کے آگے بول نہیں سکتا ہوں۔ جو آپ
[illegible] اس کو قبول کروں گا۔ لیکن میری ایک اپنی ذاتی پسند ہے۔ تو اب ذرا زحمت

کا مسخ دیکھے گا اور اس کے بعد اندازہ کیجئے گا کہ بنانے والے بھی کتنے بے سلیقہ اور
بے شعور تھے کہ جب کوئی روایت بنائی تو ایسی بنائی کہ دور سے معلوم ہو جا[illegible]
کہ فیکٹری کہاں کی ہے اور روایت کا کارخانہ کہاں قائم ہوا ہے۔ کتنے نام دنیا میں
پڑے ہوئے تھے لیکن علیؑ نے کہا یا رسول اللہ مجھے جو نام پسند ہے وہ نام ہے [illegible]
حربؑ کے معنی آپ جانتے ہیں جنگ۔ حرب کے معنی جنگ کے ہیں اگر [illegible]
کی شخصیت کو اگر آپ نہیں پہچانتے ہیں تو تاریخ میں پڑھ لیجئے گا کیونکہ بنی ا[illegible]
شجرہ چلا ہی انھیں سے ہے۔ لہٰذا مجھے یہ نام بہت پسند ہے ایسا معلوم ہوتا [illegible]
علیؑ کو اپنے خاندان میں کوئی نام پسند آیا نہ عبدالمطلب پسند آئے نہ ابراہیم [illegible]
نہ اسمٰعیلؑ پسند آئے نہ اور کوئی نبی پسند آیا۔ اتنا بڑا شجرہ جو جناب آدمؑ سے [illegible]
سے گذرتا ہوا جناب ابوطالبؑ تک آگیا اس پورے شجرہ میں کسی نبی کا [illegible]
نام، وصی کا نام ایسا نہ ملا جو علیؑ کا محبوب نام ہوتا ملا تو بنی امیہ کے گھرانے [illegible]
مجھے یہ نام پسند ہے۔ اس کے بعد آپ جو نام رکھ دیں گے میں اپنے نام کو [illegible]
لے لوں گا میں اپنی رائے کو واپس لے لوں گا اس لئے کہ آپکی رائے کے [illegible]
میری رائے چل بھی نہیں سکتی ہے۔ پیغمبرِ اسلام نے کہا خیر جب تم [illegible]
احترام کیا ہے کہ تمھیں ایک نام پسند ہے مگر تم نے وہ نام طے نہیں [illegible]
تک میں طے نہ کر دوں تو تم نے میرا انتظار کیوں کیا تم نے میری بات کو [illegible]
یا میرے پسندیدہ نام کو اپنے پسندیدہ نام پر کیوں مقدم کیا اس لئے کہ [illegible]



[illegible] بزرگ تر سمجھتے ہو تو یا علیؑ تم نے میرا احترام تو کیا مگر میرے لئے ایک مشکل پیدا
کر دی (یہی مضمون روایت گذارش کر رہا ہوں) یا رسولؐ اللہ میں نے کون سی مشکل
پیدا کر دی؟ کہا تم نے اپنے نام کو اس لئے روک لیا کہ میں تم سے بزرگتر ہوں اب
میری مجبوری یہ ہے کہ میں تو کچھ بول بھی نہیں سکتا ہوں اس لئے کہ مجھ سے بزرگتر
بھی کوئی ہے، مجھ سے بزرگتر بھی کوئی ہستی ہے اور جب طریقہ یہی طے ہو گیا ہے کہ
[illegible] میرے احترام میں اپنا نام روک لیا ہے تو میری ذمہ داری ہے کہ میں اس
[illegible] ام میں کچھ نہ بولوں اب وہی طے کرے گا۔ میں نے مولائے کائناتؑ
[illegible] فضائل میں سے ایک ہی روایت کا حوالہ دیا تھا کہ پیغمبرؐ نے فرمایا
[illegible] اس بات پر خوش نہیں ہو کہ میرا تمھارا وہی رشتہ ہے جو موسیٰ و ہارون
[illegible] تو اب پیغمبرؐ خاموش ہیں اُدھر سے ملک مقرب خدا کی بارگاہ سے
[illegible] خدمت میں حاضر ہو گیا۔ یا رسولؐ اللہ آپ کو کیا پریشانی ہے؟ آپنے
[illegible] نام کیوں نہیں طے کیا؟ کہا کیسے طے کر دونگا اگر علیؑ مجھ پر سبقت نہیں کر سکے
[illegible] پروردگار پر کیسے سبقت کروں گا۔ جو میرا خدا طے کر دے گا وہی اس
[illegible] نام ہوگا کہا اگر آپنے انتظار کیا ہے وحی الٰہی کا تو پروردگار عالم نے حکم دیا ہے
[illegible] نام وہی رکھا جائے جو ہارون کے فرزند کا نام تھا ظاہر ہے کہ ہارون
[illegible] ان کی زبان میں تھا لہٰذا آپ کی عربی زبان میں اس بچہ کا نام
[illegible] (تو مہر کی آپنے) اس روایت میں دو باتیں ہیں جنکی طرف میں

اشارہ کرنا چاہتا تھا ورنہ واقعہ آپ لوگ سنتے ہی رہتے ہیں مگر میں چاہتا ہوں
کہ ان روایات کے خصوصیات پر نگاہ رکھیں، پہلی بات یہ ہے کہ لوگوں نے یہ چاہا
کہ علیؑ کی پسند کو اُدھر موڑ دیا جائے جدھر علیؑ کی پسند جا نہیں سکتی لیکن کم از کم اتنا
تو اندازہ ہو گیا کہ یہ روایت کس کارخانہ میں بنی ہے تو چاہا تو یہ تھا کہ علیؑ کے
عشق کو علیؑ کی محبت کو، علیؑ کی توجہات کو ادھر موڑ دیا جائے لیکن روایت تمام ہوتے
ہوتے ایک نئی فضیلت سامنے آگئی کہ اگر علیؑ کی پسند کو نبیؐ کی پسند سے ٹکرانے کا
ارادہ نہ کیا ہوتا تو یہی طے ہو جاتا کہ یہ نام یا نبیؐ نے طے کیا ہے یا علیؑ نے طے کیا ہے۔
مگر ارادہ یہ کیا تھا کہ علیؑ اور نبیؐ میں ٹکراؤ ہو جائے اور مسئلہ بہت ... بڑھ گیا اور
یہ معلوم ہو گیا کہ ساری دنیا کے بچوں کے نام یہاں والوں نے طے کئے ہیں مگر زہراؑ
کے لال کا نام وہاں سے طے کیا گیا ہے۔ صلوات

توحسینؑ کے امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ پروردگار عالم نے
انکا نام طے کیا ہے، اس کے بعد اب مورخین نے اس کی توجیہہ شروع کی کہ کیوں
پروردگار عالم نے زہراؑ کے دونوں فرزندوں کے نام حسنؑ و حسینؑ قرار دیئے؟ کیوں
پیغمبرؐ اسلام نے انتظار کیا؟ کیوں وہاں سے یہ نام آیا اور کیوں ادھر سے ان ناموں
کا تعین نہیں کیا گیا؟ تو اس کے بارے میں سارے مورخین و محدثین نے اس حقیقت
کا اعلان کیا ہے کہ پروردگار عالم نے طے کیا ہے لیکن پھر یہ ہونے لگا کہ لفظ حسنؑ
و حسینؑ میں کیا خصوصیت پائی جاتی ہے کہ پروردگار عالم نے فاطمہؑ کے دونوں



فرزندوں کے لئے انھیں دونوں ناموں کا تعین کیا ہے تو بعض لوگوں نے کہا
کہ ان دونوں ناموں کا امتیاز یہ ہے کہ یہ دونوں نام خزانۂ قدرت میں محفوظ تھے
پروردگار عالم نے یہ نام کسی کو نہیں دیئے تھے کہ جب زہراؑ کے گھر فرزند پیدا ہوں گے تو یہ
نام ان کے حوالے کئے جائیں گے۔ یہ نام نتیجہ ہیں وحی پروردگار کا، یہ نام نتیجہ ہیں
وحی الٰہی کا، اور دوسرے مورخین نے اس پر ایک نکتہ کا اور اضافہ کیا ہے کہ تاریخ
بشریت میں ان دو ناموں اور ان دو انسانوں حسنؑ و حسینؑ سے پہلے جتنے نام بھی
پائے جاتے ہیں۔ ہر نام کے دو آدمی، چار آدمی، دس آدمی، سو آدمی مل جائینگے
مگر ان دونوں شہزادوں سے پہلے ان ناموں کا مالک کوئی نہ تھا یعنی جیسے پروردگار
عالم نے اتنی بڑی تاریخ بشریت میں خود انکا مثل کوئی نہیں بنایا تھا اسی طرح مالک
نے ان ناموں کا حقدار بھی کسی کو نہیں قرار دیا تھا، تو میں ایک ہی لفظ کہنا چاہتا ہوں
لفظ حسنؑ کونسا اتنا بڑا نام تھا جو لغت میں نہیں تھا اور اسی دن پیدا ہوا ہے
یہ لفظ تو ایسا ہے جو قدم قدم پر استعمال ہوتا ہے بار بار استعمال ہوتا ہے جب کسی
اچھی چیز کو آپ اچھا کہنا چاہیں تو کیا کہیں گے۔ جب کسی بہتر چیز کو بہتر کہنا چاہیں
گے تو اس کے لئے لفظ ہی کیا ہے بس حسن، تو یہ لفظ حسن تو کوئی ایسا لفظ نہیں ہے
جو آج نیا پیدا ہوا ہے۔ خزانۂ قدرت سے نکل کے آیا ہے یا آسمان سے آیا ہے۔ یہ لفظ
تو لغت عرب میں بہت پرانا ہے۔ آخر یہ کون سی بات ہے کہ یہ نام مخصوص انھیں
کے واسطے ہے تو شاید روایات میں اشارہ اسی نکتہ کی طرف کیا گیا ہے کہ اس

کے پہلے یہ لفظ بطور صفت استعمال ہوتا تھا اب پہلے پہل بطور نام استعمال ہوا ہے صفت اور نام کا فرق کیا ہوتا ہے! بہت آسان سی بات ہے اگر آپ کے گھر آج بچہ پیدا ہوا ہے تو اسکی صفت کیا ہے؟ اگر احترام کے خلاف نہ ہو تو اس کی صفت ہے جاہل یہ بچہ جاہل ہے جب پڑھ لکھ لے گا عالم ہو جائے گا۔ یہ بچہ عاجز ہے ناتواں ہے، کمزور ہے کچھ دنوں کے بعد طاقتور ہو جائے گا یہ بچہ خاموش ہے کچھ دنوں کے بعد متکلم ہو جائے گا یہ بچہ ساکن ہے کچھ دنوں بعد متحرک ہو جائے گا۔ یعنی صفت کا مزاج یہ ہے کہ بدلتی رہتی ہے (کاش میری بات آپ پر واضح ہو جائے) صفات کا مزاج یہ ہے کہ صفات بدلتے رہتے ہیں جاہل عالم ہو جاتا ہے اور نالائق ہو جائے تو پھر جاہل ہو جائے گا۔ عادل فاسق ہو جاتا ہے اور فاسق عادل ہو جاتا ہے۔ کافر مسلمان ہو جاتا ہے اور مسلمان کافر بن جاتا ہے۔ لیکن یہ بچہ جو عاجز سے توانا ہو گیا جاہل سے عالم ہو گیا، ساکن سے متحرک ہو گیا، خاموش سے متکلم ہو گیا مگر جو اس کا نام طے ہو گیا تھا بچہ سے بوڑھا ہو گیا مگر نام بدلا نہیں، زندہ سے مر کے چلا گیا نام بدلا نہیں۔ اب نام اور صفت کا فرق آپ سمجھے! جو [illegible] بدلے اسے کہتے ہیں صفت اور جو کبھی نہ بدلے اسے کہتے ہیں نام۔ حسنؑ سب کے لئے صفت ہے اِن کے لئے نام ہے یعنی ہر ایک کے حسن میں یہ گنجائش ہے کہ آج اچھا ہو کل برا ہو جائے مگر یہ حسنؑ وہ ہے جو قیامت تک بدلنے والا نہیں ہے۔ صلوات

جس کو مالک نے حسنؑ یا حسینؑ کہدیا اب اس کے حسن میں کسی تغیر



کا امکان نہیں ہے یہ ظاہری اعتبار سے بھی حسن ہے اور باطنی اعتبار سے بھی حسن ہے، یہ جسمانی اعتبار سے بھی حسن ہے اور روحانی اعتبار سے بھی حسن ہے۔ اپنے عقائد میں بھی حسنؑ اور اعمال میں بھی حسنؑ ہے اس کے حسن میں فرق آنے والا نہیں ہے۔ یہ میدان میں آجائے تو بھی حسن رہیگا اور گھر میں بیٹھ جائے تو بھی حسن رہے گا یہ جہاد کے میدان میں آجائے تو بھی حسن رہے گا اور صلح کی منزل میں آجائے تو بھی حسن رہے گا یہ تلوار اٹھائے تو بھی حسنؑ رہے گا اور قلم سنبھالے تو بھی حسنؑ رہے گا۔ صلوات

اس لئے لفظ حسن لغت عرب میں بطور صفت تو بہت استعمال ہوا تھا مگر پروردگار عالم نے ان شہزادوں کے لئے اسے نام بنا دیا ایک کا نام حسنؑ رکھا اور ایک کا نام حسینؑ رکھا گیا۔ یہ بھی ایک امتیاز ہے حسینؑ بن علیؑ کا جو عام انسانوں کو حاصل نہ ہو سکا یہ سب شخصیت کے علامات اور نشانات ہیں اس کے بعد جو [illegible] کے کمالات ہیں وہ میں بعد میں گذارش کروں گا۔ یہ چوتھا مرحلہ تھا اس کے بعد پانچواں مرحلہ سامنے آیا وہ بھی سنت و سیرت پیغمبرؐ ہے کہ کوئی بھی بچہ دنیا میں آتا ہے تو اس کا عقیقہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں عقیقہ کا مطلب سمجھا جاتا ہے [illegible] بال کاٹنا حالانکہ ایسا نہیں ہے عقیقہ کا مطلب سر کاٹنا نہیں ہے۔ عقیقہ کا مطلب گلا کاٹنا ہے یعنی جانور کو ذبح کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ جب جانور کو ذبح کیا جاتا ہے تو دعا پڑھی جاتی ہے اللھم ھذہٖ عَقِیقَۃ یہ جانور جو ذبح ہو رہا

ہے یہ ہے فدیہ، یہ ہے خدا کی بارگاہ میں نذرانہ جو پیش کیا جارہا ہے، سر کے
بال کاٹنا یہ الگ مسئلہ ہے، یہ بھی مستحبات میں سے ہے اور وہ بھی مستحبات
میں سے ہے، یہاں بھی امام حسینؑ کے بارے میں ایک امتیاز کا تذکرہ کیا گیا ہے جو
ام المومنین کی روایت میں ہے، عام مورخین نے یہی نقل کیا ہے کہ پیغمبر اسلام
نے جب حسینؑ کا عقیقہ کیا تو حسینؑ کی طرف سے ایک جانور ذبح کیا لیکن جناب
ام المومنین نے اس مقام پر یہ روایت نقل کی ہے کہ پیغمبرؐ نے حسینؑ کے
عقیقہ میں دو جانور ذبح کئے، جبکہ عام طور سے عقیقہ میں ایک ہی جانور ذبح
کیا جاتا ہے اور یہی سنت پیغمبرؐ ہے جو آجتک چل رہی ہے، جہاں بھی آپ
کتابوں میں دیکھیں گے یہی لکھا ہوا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ جب بچہ ۷ دن کا
ہوجائے تو اس کا عقیقہ کر دیا جائے یعنی ایک جانور اس کی طرف سے راہ خدا
میں قربان کر دیا جائے تاکہ آپ کی اس خوشی میں کچھ بیچارے غریب بھی
شامل ہوجائیں، اچھا ہے لوگ عقیقہ کو ذرا معمولی سمجھتے ہیں ورنہ وہ بھی دوست
واحباب ہی کھاگئے ہوتے جس طرح چاکلیٹ یہ کھاگئے، آئس کریم وہ کھاگئے
دعوت وہ کھاگئے، لنچ یہ لے گئے، ڈنر وہ لے گئے۔ محلہ کے غریب بیچارے
ویسے ہی رہ گئے، تو پروردگار نے سات دن انتظار کرنے کے بعد کہ ہم نے اتنی
بڑی نعمت دی ہے شاید اس بندہ کو کوئی محلہ کا غریب یاد آجائے شاید
کوئی فقیر یاد آجائے، شاید کوئی مفلس ونادار یاد آجائے اور اگر نہیں یاد آیا



تو خدا نے فرمایا کہ ساتویں دن عقیقہ کرو، ایک جانور خدا کی راہ میں ذبح کرو اور اسے
قربان کرو تاکہ کچھ غریبوں کا بھلا ہوجائے اور تمھاری مسرت میں غریبوں کا
بھی کوئی حصہ ہوجائے۔ اگرچہ یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ غریبوں کو ہی دیا جائے
یہ تو ہمارے ماحول نے شرط لگادی ہے اور یہ شرط لگی ہے تو اچھا ہے کہ جب تک
یہ طریقہ چلتا رہے گا کم سے کم غریب دعا دیتے رہیں گے اللہ! انکے گھر میں کوئی
نور نظر عنایت کردے۔ پروردگار ان کے گھر کوئی عطا کردے کہ شاید اسی کے
طفیل میں کچھ ہمارا بھی بھلا ہوجائے ورنہ جس دن یہ طے ہوگیا کہ یہ سب کے لئے
ہے اسے بھی مومنین کرام ہی کھاجائیں گے اور غریب کے دل سے دعا بھی نہ
نکلے گی اور یہ تو کھا کے بھی خالی اعتراض ہی کرنا جانتے ہیں دعا دینا تو جانتے
ہی نہیں ہیں۔ (میں نے یہ لفظ بلا وجہ نہیں کہا ہے۔ میں نے اس لفظ کو جان بوجھ کے
آپ کے سامنے گزارش کیا ہے) اور یہ ایک انتہائی کمزوری ہے جو ہمارے
[illegible] میں پائی جاتی ہے۔ اس کی طرف آپ متوجہ ہوں اور عمل کرنے کی
[illegible] کریں۔ میں نے تو نہیں دیکھا ہے سوائے چند مقامات کے، شاید آپ نے
[illegible] یہاں بڑی سے بڑی دعوت کردیا چھوٹی سے چھوٹی دعوت پانچ
[illegible] یا پانچ ہزار کو یہ تعریف تو کردیں گے کیا کباب ہے اور کیا پلاؤ
[illegible] اور کیا قورمہ ہے مگر ایک جملہ خیر ایک حرف دعا آپ کے حق
[illegible] یہاں کے رواج میں شامل ہی نہیں ہے۔ چاہے پانچ ہزار افراد

کو بلائیے آئیں گے سب دعوت ولیمہ میں لیکن انشاءاللہ ایک کے بیٹھنے کی
نوبت نہ آئے گی کہ دوسرا اٹھ کے چلا جائے گا۔ تو دعا کون دیگا کون لے گا
ہمارے یہاں کھانے کے ساتھ دعا کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ نہ صاحب خانہ کے
حق میں اور نہ مومنین کے حق میں۔ نہ زندوں کے حق میں نہ مردوں کے حق میں۔
جیسے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا کھانا انسان کھا گیا اور قصہ ختم ہو گیا۔ خدا
سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ کم سے کم کسی انسان کی زبان پر اتنا تو آیا ہوتا کہ
اللہ نے اسکو دیا تھا یہ خود بھی کھا سکتا تھا لیکن ہم کو کیوں کھلایا ہے کم از کم ایک
دعائے برکت ہی دے کے گئے ہوتے! ایک دعائے خیر ہی دیکے گئے ہوتے۔
اس کے حق میں دعا کی ہوتی! اس کے بچوں کے حق میں دعا کی ہوتی! اس کے
دین و مذہب کے بارے میں دعا کی ہوتی۔ کسی کے حق میں کوئی حرف خیر زبان
پر آیا ہوتا۔ مگر ہمارے معاشرہ میں یہ رواج میں شامل نہیں ہے۔ اور میں پھر ایک
جملہ کہوں گا اور اگر کبھی کھا کے دعا بھی دیتے دیکھا تو وہ بھی غریبوں کو دیکھا [illegible]
عزیزو! اس لفظ پر توجہ دیں) فقیر کے ہاتھ پر ایک پیسہ رکھ دیجئے چاہے
مروت ہی میں کچے مگر کوئی نہ کوئی دعا ضرور دیگا مگر مرغ مسلم کھاتے پیتے [illegible]
دیجئے انشاءاللہ کوئی دعا نہ دیگا (غور کیا آپنے) کم سے کم انسان اگر دعاؤں کی
واقعاً قدر و قیمت جانتا ہے۔ اگر انسان پروردگار عالم کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلانے
کی عظمت و اہمیت کو جانتا ہے تو ہر ہوشیار کا فریضہ ہے کہ ان فقیروں کا



جن کے دل سے دعا نکلنے والی ہے۔ ان کھاتے پیتے انسانوں کو کھلانے سے کیا
فائدہ جو یہاں کھائیں گے اور باہر جا کر اعتراض کریں گے۔ کھانا کم پڑ گیا، انتظام اچھا
نہیں تھا۔ ان کو مرغ ملا ہمیں نہیں ملا۔ فلاں کو مچھلی ملی۔ ہمیں نہیں ملی۔ یہ پکانے
والا کون تھا اسمیں نمک زیادہ ہو گیا تھا۔ اسمیں کم ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ تو ہم نے
کہیں سنا نہیں کچھ۔ یعنی آپ حضرات کے علاوہ۔ آپ کے دل سے تو دعائیں برابر
نکلتی ہی رہتی ہیں لیکن آپ کے علاوہ ہمارے معاشرہ کی سب سے بڑی کمزوری
یہ ہے کہ کھانا سب جانتے ہیں دعا دینا کوئی نہیں جانتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
کھانے کا ڈپارٹمنٹ امیروں نے سنبھال لیا ہے اور دعا کا شعبہ فقیروں کے
حوالے کر دیا ہے۔ یہ تکبر ہے یہ انانیت ہے جو انسان میں شیطنیت پیدا کراتی ہے
[illegible] دعا کا محتاج دعا کرنے والا بھی ہے اور دعا لینے والا بھی۔ دونوں ہی محتاج
ہیں اور محتاج رہیں گے دنیا میں کوئی کتنا ہی بڑا مالدار ہو جائے مگر خدا کی بارگاہ
میں سب فقیر ہی رہیں گے۔ صلوات

یہ ایک انتہائی ضروری مسئلہ تھا جس کی طرف متوجہ کرنا لازمی تھا۔ اور
[illegible] رسول الثقلین کے صدقہ میں یہ ایک مسئلہ شریعت بھی اور ایک
[illegible] مضمون بھی آپ کے سامنے آ گیا آئندہ اس کا خیال رکھئے گا۔ یہ کوئی
[illegible] کر کھانا کھا لیا۔ خیر پرانے زمانے میں تو کم سے کم اتنی تہذیب تھی چاہے
[illegible] رہا ہو لیکن اتنا اخلاق تھا کہ اگر ایک آدمی نے جلدی کھا لیا

اور ظاہر ہے ہر آدمی کی رفتار الگ الگ ہوتی ہے کوئی بےچارہ کمزور ہے کوئی
ایکسپرٹ ہے کوئی ایکسپرٹ نہیں ہے کوئی جلدی کھا جائے گا کوئی دیر میں کھائے
گا تو کم سے کم اخلاقاً انتظار کرتے تھے کہ بیچارہ بوڑھا کمزور آدمی بزرگ آدمی جو ہمارا
اسپیڈ اور رفتار سے نہیں کھا سکتا ہے یہ بھی کھالے تو سب ایک ساتھ اٹھیں تاکہ
اسے کمزوری کا احساس پیدا نہ ہو اور پھر لوگوں کو یہ خیال نہ پیدا ہو کہ جوان [illegible]
کھانا چاہیئے تھا وہ کھا کے چلے گئے اور یہ بڑے میاں جو پچاس سال سے کھا [illegible]
ہیں انکا پیٹ بھرتا ہی نہیں ہے بیٹھ گئے تو اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ لہٰذا [illegible]
لوگ بیٹھے رہتے تھے اسکا خیال رکھتے تھے کہ کسی بزرگ یا کسی کمزور آدمی [illegible]
توہین نہ ہونے پائے لیکن اب یہ ساری باتیں حدود تہذیب سے باہر نکل گئی [illegible]
اور یہ سب فرسودہ روایات ہیں جن کی کوئی قیمت نہیں رہ گئی ہے اور قیمت [illegible]
کا بہترین راستہ نکل آیا ہے کہ بیٹھ جاؤ گے تو انتظار کرنا پڑیگا

یہ جھگڑا درمیان سے اٹھا دیا گیا جسکے بعد انسان اخلاقیات کا شکار ہو کر [illegible]
دستر خوان پر بیٹھا رہتا تھا اسی لئے اسلام نے آداب دستر خوان میں اس [illegible]
کو شامل کر لیا ہے کہ صاحب خانہ کو چاہیئے کہ سب سے پہلے شروع کر [illegible]
سب سے آخر تک بیٹھا رہے اور یہ بھی ہمارے معاشرہ کا کمال ہے کہ جسکو [illegible]
سے پہلے اسلام نے بٹھایا تھا اور سب سے آخر تک بٹھایا تھا وہ الحمد للہ [illegible]



[illegible] ہے ساری قوم بیٹھ جائے گی، کھائے گی، اٹھ جائے گی، چلی جائے گی، صاحب خانہ
[illegible] گذریگا بھی نہیں وہ خالی انتظامات میں لگا رہے گا اگر آپ ایک ایک
[illegible] کا تجزیہ کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہمارا معاشرہ اسلامی قوانین
[illegible] دور نکل گیا ہے میں نہیں جانتا کہ ہمارے آداب ہندوستان سے آئے
[illegible] انگلستان سے یا کسی اور جگہ سے۔ کہاں سے نکل کے آئے ہیں کس دور سے
[illegible] کس قوم سے آئے ہیں، بہرحال یہ طے شدہ بات ہے کہ ہمارے درمیان جو
[illegible] اسکا ایک بڑا حصہ ہے جسکا تعلق اسلام سے نہیں ہے۔ اس کے
[illegible] اسلامی آداب نہیں پائے جاتے ہیں جنکو بہرحال ایک مسلمان کی زندگی
[illegible] نہ سہی بطور مستحب ہی ہونا چاہیئے تھا اگر کوئی نہ کوئی تہذیب
[illegible] ہے تو کیا ضروری ہے کہ غیر اقوام کی تہذیب اختیار کی جائے کیوں
[illegible] کی تہذیب کو اختیار کر لیا جائے اگر ہمارے پاس کوئی تعلیم نہ ہوتی۔
[illegible] ہوتا تو بالآخر کسی دروازہ پر بھیک مانگنا ہوتی کہیں بھی چلے
[illegible] اپنے گھر میں خزانہ موجود ہے۔ اپنے گھر میں دولت موجود ہے
[illegible] غیر کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی۔ ضرورت ہی کیا ہے بھیک
[illegible] وہ انسان جسے اپنی دولت کی خبر ہی نہیں ہے (میں نے
[illegible] آپ سوچئے گا) اگر کسی کا باپ لاکھوں کی دولت چھوڑ کر
[illegible] خبر بھی نہ ہو کہ باپ کا بینک بیلنس کیا ہے تو بیٹا تو

اپنے کو فقیر ہی سمجھے گا اور فقیر بھیک مانگنا شروع کر دے گا۔ تو جو دولت مند نہیں
ہوتا وہ بھی بھیک مانگتا ہے اور جو دولتمند ہوتا ہے اور دولت سے بے خبر ہوتا ہے
وہ بھی بھیک مانگتا ہے۔ ہم وہ فقیر نہیں ہیں جن کے پاس دولت نہ ہو الحمد للہ
ہمارے پاس تعلیمات اسلام کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے جو دنیا کی کسی قوم کے پاس
نہیں ہے۔ ہم وہ بھکاری ہیں جو دولتمند ہو کے بھی اپنی دولت سے بے خبر ہیں
ورنہ ہم نے اپنے ذخیرہ کو پہچان لیا ہوتا تو شاید ہمیں دنیا کی کسی قوم کے سامنے
ہاتھ پھیلانے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی اور شاید نہیں یقیناً ضرورت نہ ہوتی۔ خیر
میں گذارش کر رہا تھا کہ منزل عقیقہ میں بھی سرکار دو عالم نے یہ ایک امتیاز عنایت
فرمایا ہے اپنے اس نواسے کو جسکا نام ہے حسینؑ بن علیؑ۔ اور اس کے بعد سلسلۂ حیات
آگے بڑھتا ہے۔ ہر مقام پر ایک امتیاز اور ایک نئی خصوصیت آپ کو حسینؑ بن
علیؑ کی زندگی میں نظر آئے گی اور انھیں خصوصیات اور امتیازات سے اس شخصیت
کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے جس کے اندر یہ خصوصیات پائے جاتے ہیں۔ یا جسکے اندر
یہ عظمتیں پائی جاتی ہیں۔ میں سلسلۂ کلام کو آج اسی مقام پر روکتا ہوں اور انشاء اللہ
امتیازات کے بارے میں کل گذارش کروں گا تاکہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ
شخصیت امام حسینؑ بن علیؑ وہ انفرادی شخصیت ہے کہ جس کا جواب نہ عالم اسلام
کے اندر پیدا ہوا ہے اور نہ عالم اسلام کے باہر۔ یہ ابتدائی مراحل تھے مگر اسی
مرحلہ پر ایک امتیاز اور پھر یہیں سے آخری منزل کی طرف جانا ہے۔ ام الفضل



نے خواب دیکھا پیغمبرؐ نے تعبیر بتائی۔ زہراؑ کے یہاں فرزند کی ولادت ہوگی۔
ام الفضل لیکے آئیں پیغمبر اسلام کے سامنے بچہ کو پیش کر دیا سرکار دو عالم نے
بچہ کو گود میں لیا۔ لبوں کے بوسے لئے پیشانی کو چوما۔ بچے کو گلے سے لگایا اور ایک
لمحہ بعد دیکھنے والوں نے دیکھا کہ پیغمبرؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ظاہر ہے کہ کبھی
کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ خوشی میں انسان کے آنسو نکل آتے ہیں مگر یہ اسوقت ہوتا ہے
جب انسان زیادہ دیر تک ہنستا رہتا ہے۔ ابھی تو پیغمبرؐ کو کسی نے ہنستے ہوئے دیکھا
بھی نہیں ہے ابھی تو پیغمبرؐ کے اندر اندرونی طور پر ایک مسرت کا جذبہ پایا جاتا ہے
نہ یہاں کوئی قہقہہ ہے اور نہ یہاں کوئی طویل ہنسی کا سلسلہ ہے مگر ایک مرتبہ دیکھا
کہ نبیؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے ہیں۔ دیکھنے والے نے بیقرار ہو کے پوچھا ما
یبکیک یا رسول اللہ خدا کے رسولؐ آپ کو کس چیز نے رلا دیا؟ یہ آپ کی آنکھوں
میں آنسو کیوں آگئے ہیں؟ پروردگار عالم نے آپ کی بیٹی کو فرزند عنایت فرمایا ہے
یہ مسرت کا موقع ہے یہ خوشی کا موقع ہے۔ لبوں پر تبسم ہونا چاہئے تھا یہ آنکھوں
میں آنسو کیوں آگئے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے لال کو کلیجے سے لگائے
ہوئے حسینؑ کے بوسے لے رہا تھا۔ حسینؑ کی پیشانی کے بوسے لے رہا تھا کہ ایک
مرتبہ جبرئیل امین مالک کائنات کا پیغام لے کر آئے۔ بظاہر جبرئیل مبارکباد
دینے کے لئے آئے تھے لیکن ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ جس حسینؑ سے آپ محبت و
الفت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ جس کے لبوں کے آپ بوسے لے رہے ہیں۔ جسکی

پیشانی کا آپ بوسہ لے رہے ہیں یارسولؐ اللہ وہ دن بھی آئے گا حبیب آپ کا یہ حسینؑ صحرائے کربلا میں بھوکا پیاسا شہید کر دیا جائے گا۔ یہ حسینؑ آپ کے دین کی راہ میں قربان ہو جائے گا۔ اللہ جس کے سامنے اس کے فرزند کی شہادت کا ذکر آجائے جس کے سامنے اس کے فرزند کی بھوک اور پیاس کا ذکر آجائے وہ بیقرار نہ ہو جائے تو کیا کرے گا۔ اور جب نبیؐ کا یہ عالم ہے تو سوچو عزیزو! فاطمہؑ کے دل کا کیا عالم ہوگا؟ صدیقہؑ کے دل کی کیا کیفیت ہوگی۔ ہر ایک بے چین ہے۔ ہر ایک بیقرار ہے۔ ایک مرتبہ جناب ام سلمہ آگے بڑھیں یارسولؐ اللہ کیا یہ آپ کا شہید کر دیا جائے گا؟ کہا ہاں ام سلمہ یہ میرا حسینؑ ایک دن شہید کر دیا جائے گا تو نہ رہوں گا اس زمانے میں۔ مگر میرا لال ذبح کر دیا جائے گا۔ یارسولؐ اللہ کہاں پیش آئے گا؟ کہا ام سلمہ ایک سرزمین جس کا نام کربلا ہے میرا حسینؑ وہیں شہید کیا جائے گا۔ یارسولؐ اللہ آپ تو نہ رہیں گے مجھے کیسے معلوم ہو کہ میرے حسینؑ پر کیا گذر گئی۔ کہا گھبراؤ نہیں ام سلمہ۔ میں اسکا بھی انتظام کر رہا ہوں پیغمبرؐ اسلام نے اس کا عجیب و غریب انتظام کیا کہ ایک مرتبہ سرکارؐ دو عالم نے ہاتھ بڑھایا اور ایک مٹھی خاک اٹھائی۔ اے ام سلمہ! یہ حسینؑ کے مقتل کی خاک ہے اس خاک کو اپنے پاس رکھو اور دیکھو جب تک یہ خاک خاک رہے گی حسینؑ سلامت ہے اور اگر حسینؑ دنیا میں نہ رہ جائے گا تو یہ خاک خاک نہ رہے گی۔ یہ خاک خون میں تبدیل ہو جائے گی۔ پیغمبرؐ اسلام نے ایک امانت



[illegible] کے حوالے کر دیا اور جناب ام سلمہ اس امانت کو بچا کے رکھے ہوئے ہیں یہاں تک کہ وہ دن بھی آگیا جب حسینؑ مدینہ چھوڑ رہے تھے اور حسینؑ نے نانی کی خدمت میں آکے کہا نانی اب میں وطن چھوڑ کر جا رہا ہوں! اے بیٹا یہ تم نے کیا ارادہ کرلیا؟ نانی اماں! آپ کو معلوم ہے کہ مجھے حاکم کے دربار میں بلایا گیا میرے [illegible] بیعت کا تقاضہ کیا گیا۔ میں نے انکار کر دیا کہ مجھ جیسا انسان یزید جیسے فاسق و فاجر کی بیعت نہیں کر سکتا ہے۔ اب مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ مدینہ میرے رہنے کے قابل نہیں رہ گیا ہے۔ اب میں وطن چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ میں نانا کی قبر پر گیا [illegible] لپٹ کر رو رہا تھا کہ ایک مرتبہ جب میری آنکھ بند ہوئی تو میں نے [illegible] قبر شگافتہ ہوگئی ہے اور نانا سامنے آگئے ہیں۔ میں نے گذارش [illegible] اس قبر میں میری جگہ نہیں ہے؟ یہ مدینہ تو اب میرے رہنے کے [illegible] رہ گیا ہے۔ مدینہ میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیا آپ مجھے [illegible] نہیں بلا سکتے ہیں؟ تو قبر سے آواز آئی کہ حسینؑ اگر میں تمہیں یہاں [illegible] کربلا کون جائے گا۔ میرے دین کے لئے قربانی کون دیگا۔ میرے [illegible] کون جائے گا؟ اے نانی اماں! مجھے نانا نے حکم دیا ہے کہ میں جاؤں [illegible] قربانی پیش کروں۔ لہٰذا اب میں وطن چھوڑ کے جا رہا ہوں [illegible] کہا تو کہاں کا ارادہ ہے۔ کہا نانی عراق جا رہا ہوں۔ عراق [illegible] کہا کربلا جاؤں گا! اے بیٹا کربلا کا ذکر تو تمہارے نانا نے بھی

کیا تھا۔ کربلا کا ذکر تو پیغمبرؐ نے بھی کیا تھا۔ کہا ہاں نانی میں جا رہا ہوں گلا کٹانے
کے لئے۔ سنو رونے والو! ام سلمہ نے کہا بیٹا اگر تم قربان ہونے کے لئے جا رہے
ہو تو مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ تم پر کیا گذر گئی۔ کہا نانی اماں ایک نگاہ اٹھایئے
میں وہ جگہ دکھا دوں جہاں میری قربانی پیش ہوگی۔ ام سلمہ نے نگاہ اٹھائی
زمینیں پست ہونے لگیں۔ کربلا کی خاک بلند ہونے لگی۔ حسینؑ نے اشارہ
کیا نانی اماں! یہ وہ نشیب ہے کہ جہاں آپکا حسینؑ ذبح کیا جائے گا۔ یہ کہہ کے
حسینؑ نے ہاتھ بڑھایا ایک مشت خاک اٹھائی۔ کہا نانی اس خاک کو اس
خاک کے ساتھ رکھ لیجئے جو نانا دے کر گئے ہیں جب تک خاک خاک ہے
آپ سمجھیں آپکا حسینؑ سلامت ہے اور جب یہ خاک خاک نہ رہ جائے تو آپ
سمجھ لیں کہ آپ کا حسینؑ دنیا میں نہیں رہ گیا ہے (بس عزیزو آخری مرحلہ مجلس
تمام کر رہا ہوں) تو ام سلمہ کو بتا کے حسینؑ اب مدینہ چھوڑنا چاہتے ہیں۔ نانا کو
رخصت کر چکے۔ ایک مرتبہ حسینؑ ماں کی لحد کے پاس آئے۔ قبر اطہر سے لپٹ کے
رونے لگے آواز دی اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَا اُمَّاہ مادر گرامی اپنے حسینؑ کا سلا
لے لیجئے مادر گرامی آپ کی قبر پر شمع جلانے والا جا رہا ہے۔ جان مدینہ اب
سے جا رہا ہے۔ حسینؑ آپ کو آخری سلام کرنے کے لئے آیا ہے۔ قبر سے لپٹ
روئے اور جب اٹھے تو ماں کو آخری سلام کیا۔ روایت کہتی ہے قبر سے آواز آ
عَلَیْکَ السَّلَامُ یَا غَرِیْبَ الْاُمّ اے ماں کے غریب مسافر اے میرے م



حسینؑ لے میرے صابر حسینؑ ماں کا آخری سلام لے لے اور بیٹا کیا تم اکیلے
جا رہے ہو۔ حسینؑ کیا تم تنہا جاؤ گے۔ فاطمہؑ تمھیں تنہا نہ جانے دے گی جہاں جہاں
تم رہو گے ماں کی روح تیرے ساتھ رہے گی تو حسینؑ مدینہ سے رخصت ہو رہے ہیں
مدینہ والے حسینؑ کو رخصت کرنے کے لئے جمع ہو گئے ہیں جب دیکھا تنہا حسینؑ
نہیں جا رہے ہیں سیدانیاں بھی جا رہی ہیں۔ بیبیاں بھی جا رہی ہیں دخترانِ
پیغمبرؐ بھی جا رہی ہیں تو ایک مرتبہ مدینہ کی خواتین نے آکے کہا۔ فرزند رسولؐ
آپکا قافلہ جا رہا ہے اور یہ عورتیں، یہ بیبیاں، یہ سیدانیاں یہ فاطمہؑ کی بیٹیاں رخصت
ہو کے جا رہی ہیں ہماری ایک آخری التماس ہے۔ ہماری ایک آخری گذارش
ہے حسینؑ نے کہا بتاؤ وہ کیا گذارش ہے! کہا ہم دو رویہ قطار باندھ کے کھڑے
ہو جا رہے ہیں اور سیدانیوں کا قافلہ ہمارے درمیان سے گذر جائے۔ مدینہ کی عورتیں
صف باندھ کے کھڑی ہوئیں اب جو قافلہ درمیان سے گذرا تو ہر طرف سے
آواز آ رہی تھی الوداع۔ الوداع۔ السلام السلام جاؤ زینبؑ خدا حافظ۔ جاؤ ام کلثومؑ
خدا حافظ اے عزیزو آج یہ قافلہ مدینہ کی عورتوں کے درمیان سے گذر رہا ہے مگر
کل جب حسینؑ نہ رہ جائیں گے تو شام کے تماشائی ہوں گے اور زینبؑ کا قافلہ
منادی کی آواز ہوگی تماشائیو تماشا دیکھو یہ دختران پیغمبرؐ ہیں جنھیں قیدی بنا کر
لے جایا جا رہا ہے۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# مجلس ۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ. سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ الَّذِیْنَ اَذْهَبَ اللّٰہُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِیْرًا اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ

حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اللہ اسے دوست رکھے جو حسین سے محبت کرے! سرکار دو عالم کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں جو سلسلہ عرفان حسینؑ کے عنوان سے آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا آج اسکے دو[illegible] مرحلہ پر شخصیت امام حسینؑ کے سلسلہ میں کچھ مزید خصوصیات کا تذکرہ کرنا ہے مگر اس تذکرہ سے پہلے بطور تمہید ایک جملہ یہ گذارش کرنا ہے کہ اکثر ناواقف لوگ یہ سوال کرتے ہیں اور اکثر سمجھدار لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں



آخر کیا ضرورت ہے کہ ایک واقعہ جو سینکڑوں سال پہلے گذر چکا ہے اسکی یاد کو تازہ رکھا جائے اس کا تذکرہ برابر کیا جائے اور ہر سال جب اصل واقعہ کا زمانہ آئے تو اس کی یاد میں ساری دنیا میں صف عزا بچھا دی جائے. کیا ایک تذکرہ کو بار بار دہرانے سے اکتاہٹ کا احساس نہیں پیدا ہوتا ہے. کیا ایک بات کی تکرار انسان کو خستہ حال نہیں بنا دیتی ہے. ایک مسئلہ کو دہرانے سے اور بار بار تکرار کرنے سے انسان گھبرا جایا کرتا ہے. انسان کی دلچسپیاں ختم ہو جایا کرتی ہیں. آخر اس ایک قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کو صدیوں سے برابر دہرا رہی ہے [illegible] اکتاہٹ کا احساس پیدا ہوتا ہے نہ تھکن کا خیال پیدا ہوتا ہے اور نہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی بات کو بار بار کیوں دہرایا جائے دنیا کے دوسرے واقعات کی [illegible] منائی جائے. دنیا کے دوسرے افراد کو یاد کیا جائے کیا ضروری ہے کہ ایک [illegible] انسان کی یاد کو مسلسل صدیوں دہرایا جائے! یہ خیال ہے جو ناواقف افراد کے [illegible] میں بطور سوال پیدا ہوتا ہے اور جو ہوشیار اور سمجھدار ہیں وہ انھیں باتوں کو فقرہ [illegible] سادہ لوح عوام کو بہکانا چاہتے ہیں اور انھیں اس یاد سے غافل بنانا چاہتے [illegible] ظاہر ہے کہ اگر مسئلہ کوئی علمی ہوتا تو علمی مسئلہ پر علمی گفتگو کی جاتی ہے [illegible] مسئلہ فقط جذباتی ہے. اس سے زیادہ اس اعتراض میں کوئی دم اور کوئی [illegible] نہیں ہے لہذا ایک سوال کے مقابلہ میں درجنوں سوالات اور ہیں جو [illegible] تمام سمجھدار افراد کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جنھوں نے یہ سوال اٹھایا

ہے یا اس سوال کی شکل میں کوئی فتنہ اٹھانے کا ارادہ کیا ہے! انسانی زندگی کا
کون سا رخ ہے جہاں انسان تکرار نہیں کرتا ہے اور تکرار کو پسند نہیں کرتا ہے۔
انسان کی دنیا ایسی ہے یا انسان کا دین ایسا ہے؟ انسان کی ساری زندگی کا، دنیا
کی حیات کا دار و مدار ہے ایک مسئلہ کی تکرار پر اور انسان کے سارے دین کا دار و مدار
ہے ایک ہی مسئلہ کی تکرار پر۔ آجتک نہ کوئی دنیادار پیدا ہوا ہے یہ کہنے والا کہ ایک
چیز کی تکرار سے اکتاہٹ کیوں نہیں پیدا ہوتی ہے اور انسان پریشان کیوں نہیں
ہوجاتا ہے۔ غیر عاقلانہ کام ہے کہ ایک ہی عمل کو بار بار دہرایا جائے اور نہ کوئی
دیندار ایسا پیدا ہوا ہے جس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا ہو ورنہ کتنی آسان
سی بات تھی کہ صبح کو ناشتہ کرنے والا پھر دوپہر کو کھانے کا ارادہ ہی نہ کرتا
روٹی صبح کو کھائی گئی۔ وہی روٹی دوپہر میں کھائی گئی۔ وہی روٹی شام کو کھائی
ہے وہی کھانا کل کھلایا گیا تھا اسی کو آج پھر دہرایا جا رہا ہے۔ یہی کام پرسوں ہوا
تھا آج پھر دہرا دیا گیا ہے۔ اگر انسان تکرار سے دو چار دن اکتا جائے تو انسانی
زندگی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ یہ انسانی زندگی قائم رہ گئی ہے اسی تکرار کے
کے اوپر تو اندازہ ہوا کہ تکرار سے اکتاہٹ نہیں پیدا ہوتی ہے تکرار سے زندگی
ہوتی ہے۔ صلوات

اور اگر دین و دیانت کے ماحول میں قدم رکھا جائے تو یہی سوالات
پیدا ہوتے ہیں۔ ابھی تو آپ صبح نماز پڑھ چکے ہیں۔ دوپہر کو کیا تکلیف آپ [illegible]



[illegible] ابھی پڑھ کے مسجد سے باہر نکلے ہیں ایک گھنٹے کے بعد پھر واپس چلے آرہے
ابھی ابھی گئے ہیں دو گھنٹے کے بعد پھر چلے آرہے ہیں آدھے گھنٹے کے بعد پھر
چلے آرہے ہیں۔ وہی نماز، وہی رکعتیں، وہی رکوع، وہی سجدہ، بڑا شوق
تھا ایک دن سترہ رکعت پڑھ لی ہوتی کم از کم دن بھر کے واسطے چھٹی ہوجاتی
کوئی یہ الزام تو نہ لگاتا کہ ایک ہی عمل کو دہرا رہے ہیں کوئی یہ کہنے والا تو پیدا
ہوا اگر یہی شوق پیدا ہوگیا تھا تو کل صبح دو رکعت پڑھی تھی آج تین پڑھے
[illegible] تکرار نہ کہا جائے۔ کل مغرب کی تین رکعت تھی آج پانچ ہو۔ تاکہ کوئی
[illegible] عقلمند ہیں کہ اسی عمل کو روز دہرا رہے ہیں اسی عمل کی مسلسل تکرار
[illegible] کل بھی وہی کام ہوا تھا آج بھی وہی کام ہو رہا ہے۔ چار دن پہلے
وہی عمل تھا پانچ دن بعد بھی وہی عمل ہے سارے سال ایک ہی عمل کو
[illegible] مگر کوئی یہ کہنے والا نہیں پیدا ہوا ہے کہ کب تک اسی نماز کو
[illegible] پہلے یہ لمحوں کا کام ہے۔ جو نمازیں گھنٹوں میں ادا کی جاتی ہیں
[illegible] سال ہے۔ ہر سال دہرایا جا رہا ہے۔ ہر زمانے میں دہرایا جا رہا
[illegible] والا نہیں ہے کہ یہ کب تک تکرار ہوتی رہے گی۔ کب تک
[illegible] دہرایا جائے گا۔ اگر کوئی بے دین مسلمان کے سامنے کھڑا ہو جائے
[illegible] قرآن کب تک پڑھتے رہو گے۔ ریڈیو اسٹیشن سے وہی
[illegible] اسٹیشن سے وہی قرآن۔ مسجدوں میں وہی قرآن۔ ہر جگہ وہی

قرآن ارے کوئی دوسری کتاب ڈھونڈ کے لاؤ، ایک ہی کتاب کو کب تک
دہراتے رہوگے اور یہ سب وہ ہیں جنکا زمانہ کربلا کے پہلے کا ہے۔ مجلسوں
کی ایجاد کربلا کے بعد ہوئی ہے۔ نمازیں تو کربلا کے پہلے سے ہیں قرآن تو کربلا
کے پہلے سے ہے۔ عبادتیں تو کربلا کے پہلے سے ہیں۔ تو اگر یہ واقعہ جو کم سے کم
پچاس سال پیغمبرؐ کے بعد دنیا میں پیش آیا ہے اس واقعہ کو دہرا دینا اکتاہٹ
پیدا کرتا ہے تو پچاس سال پہلے کے اعمال کو دہرانے میں تو کچھ زیادہ ہی اکتاہٹ
پیدا ہونی چاہیئے۔ وہاں یہ سوالات کیوں نہیں پیدا ہوتے! آپ سمجھے کہ آپ
کوئی بات ہم سے کہنا چاہتے ہیں یہ بھول گئے کہ دشمن تاک میں بیٹھا ہوا ہے
اگر اسی بات کو کل آپ کے سامنے دہرا دیا تو اس کے سامنے کیا جواب دینگے
ہر آدمی کے پاس ایک ہی جواب ہے کہ جسکو دہرایا جاتا ہے اس کی دو قسمیں
ہوتی ہیں اگر کوئی چیز بے معنی ہوتی ہے اس کا زندگی سے کوئی تعلق نہیں
ہوتا ہے اسکا انسانیت سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا ہے تو اس کا دہرانا خلاف عقل
یقیناً ہوتا ہے لیکن اگر کسی چیز میں زندگی پائی جاتی ہے۔ اگر کسی چیز میں حیات
پائی جاتی ہے اگر کسی چیز میں بقا و دوام کی سند پائی جاتی ہے۔ تو اس کو
دہرانا کوئی برا کام نہیں ہے اور یہی مسئلہ صحت مندوں اور بیماروں میں
پایا جاتا ہے اس تکرار سے نہ صحت مند مستثنیٰ ہیں نہ بیمار مستثنیٰ ہیں۔ بیمار ڈاکٹر
کے پاس گئے انھوں نے بھی ایک دوا دیدی۔ ہر چھ گھنٹے کے بعد اسی کو



رہیئے۔ ارے حضور کب تک مریض کھاتا رہے گا۔ اس تکرار سے گھبرا جائے گا۔
کہا نہیں یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ یہ تو دہرانا ہی پڑے گا۔ ہر چار گھنٹے کے بعد
وہی کیپسول، وہی ٹیبلیٹ وہی دوا۔ اسی کو بار بار دہرایا جاتا ہے اور کوئی یہ کہنے
والا نہیں ہے کہ ایک مسئلہ کی تکرار اچھی نہیں ہوتی اور اس کے بعد جب انسان
نے دوا کھالی اور بظاہر ٹھیک ہوگیا تو اس کے بعد کہا گیا کہ دیکھئے جتنا کورس بتایا
گیا ہے پورا ضرور کیجئے گا اس لئے کہ جسم میں جراثیم پیدا ہو گئے ہیں یہ اینٹی
بائٹک آپکو دیا گیا ہے اسے تو دس دن کھانا ہی ہے (میں نے ایک لفظ کہا آپ
نے غور نہیں کیا) اس اینٹی بائٹک کو دس دن استعمال کرنا ہی ہے۔ اس لئے
کہ جراثیم بہت پیدا ہو گئے ہیں جسم کے تباہ ہو جانے کا خطرہ ہے انسان کے برباد
ہو جانے کا خطرہ ہے تو جو جراثیم پیدا کر رہے تھے ان سے کوئی نہیں کہہ رہا ہے
ہو اینٹی بائٹک کھلا رہے ہیں سب انھیں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ صلوات
لہٰذا انسان کی زندگی ہے لہٰذا اسکی تکرار ضروری ہے۔ دوا انسان کی صحت
کی ضمانت ہے لہٰذا اس کی تکرار بھی ضروری ہے نماز روزہ قرآن بندگی ہے
لہٰذا اسکا دہرانا بھی ضروری ہے۔ تو کم سے کم اتنا تو معلوم ہوگیا کہ تین چیزوں
کا دہرانا ہر حال صحیح ہے (توجہ کریں) جسمیں زندگی ہو اسکو دہرایا جائے جسمیں
صحت ہو اسکو دہرایا جائے اور جسمیں بندگی ہو اسکو دہرایا جائے! یہ سب
[illegible] تو اگر کوئی ایسی چیز نکل آئے جس میں زندگی بھی پائی جاتی ہو

صحت بھی پائی جاتی ہو، بندگی بھی پائی جاتی ہو تو اسے کیوں نہ دہرایا جائے! ذکرِ حسینؑ میں یہ تینوں چیزیں جمع ہوگئی ہیں! یہی قوموں کی زندگی ہے یہی معاشرہ کی صحت کی ضمانت ہے اور یہی پروردگار کی بندگی بھی ہے۔ صلوات

لہٰذا عزیزانِ محترم ایسے تصورات جو اکثر ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں یا پیدا کرائے جاتے ہیں ان تصورات کی کوئی علمی یا عقلائی بنیاد نہیں ہے۔ اگر اس کا مقصد فتنہ نہ ہو تو کوئی مقصد عاقلانہ بھی نہیں ہو سکتا ہے یہ وہ زندگی دینے والے مسائل ہیں یہ وہ معاشرے کی تطہیر کے مسائل ہیں، یہ وہ درسگاہ ہے کہ جہاں پڑھنے والے ہی اس کی قدر و قیمت کو جانتے ہیں! اگر کسی آدمی نے کسی مدرسہ میں داخلہ ہی نہیں لیا تو وہ تو یہی سمجھتا رہے گا کہ بچے کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ ۳۶۵ دن سے برابر وہیں چلا جا رہا ہے! اگر کوئی آدمی جاہل ہو اور یہ دیکھے کہ ایک بچہ جو روزانہ صبح کو بغل میں کتاب دبا کر نکلتا ہے اور ایک عمارت میں چلا جاتا ہے آج وہی منظر دیکھا کل وہی منظر دیکھا۔ پرسوں وہی منظر دیکھا۔ وہ تو نہیں جانتا کہ اندر کیا ہو رہا ہے! اسے کیا معلوم کہ بچہ جاہل تھا عالم بن رہا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ بے[illegible] تھا باخبر بن رہا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ بے ہنر باہنر بن رہا ہے۔ وہ تو خالی یہی دیکھ[illegible] ہے کہ گھر سے نکلتا ہے اسی عمارت میں داخل ہو جاتا ہے بالآخر بچے سے پوچھا کہ آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے کوئی اور گھر نہیں رہ گیا جانے کے واسطے۔ کوئی اور عما[illegible] نہیں رہ گئی ہے کہ روزانہ یہیں جا رہے ہو؟ کہا آج یہ نہ دیکھو کہ ہم کیوں جا[illegible]



ہیں جس دن نکل کے آئیں گے اس دن دیکھنا کہ ہم کیا ہو گئے ہیں (توجہ کریں) تو جو مدرسہ کی حقیقت سے باخبر نہیں ہیں۔ جو درس کی حقیقت کو نہیں جانتے ہیں۔ جو درسگاہ کی عظمت کو نہیں جانتے ہیں وہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ بلا وجہ روزانہ ایک عمارت میں جا رہا ہے۔ لیکن جب پلٹ کے وہاں سے نکلا اور اس کے سامنے سب جاہل دکھائی دیے، بڑے بڑے انسان اس کے سامنے آئے اور ایک چھوٹے سے بچے کا مقابلہ نہ کر سکے تب یہ اندازہ ہوا کہ یہ عمارت نہیں تھی یہ کوئی اور جگہ تھی یہ کوئی ایک جگہ نہیں تھی یہ کوئی اور منزل تھی کہ جہاں انسانی ذہن کی تربیت ہو رہی تھی۔ آج اگر آپ دیکھتے ہیں اور کوئی عجیب بات نہیں ہے جہاں چاہے انسان اسکا تجربہ کر لے وہ لوگ جو ان درسگاہوں سے بے خبر ہیں۔ وہ لوگ جنھوں نے ان مدرسوں سے فائدہ نہیں اٹھایا ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے ان مدرسوں میں داخلہ نہیں لیا ہے جنھوں نے یہاں قدم نہیں رکھا ہے وہ [illegible] عمر دراز ہو جائیں۔ بڑے بڑے سن والے ہو جائیں۔ بڑے بڑے [illegible] اور [illegible] والے ہو جائیں لیکن اگر آپ انکی مذہبی معلومات کا جائزہ لیں گے [illegible] کے بارے میں خبر۔ نہ رسالت کے بارے میں کوئی اطلاع اور نہ [illegible] کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ چار رسمیں ہیں انھیں کو ادا کر دینے کا نام [illegible] اور اگر ان کے بارے میں بھی کوئی دریافت کرے تو انشاءاللہ کچھ [illegible] ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس درسگاہ کو جوائن ہی نہیں کیا ہے

جہاں علم ہے! اور یہ درسگاہ حسینؑ بن علیؑ کا شرف ہے کہ جس نے اس درسگاہ
میں داخلہ لے لیا چھوٹے سے بچے سے پکڑ کے پوچھئے انشاءاللہ اتنے معلومات
نظر آئیں گے جو کسی مرد بزرگ کے پاس بھی نہ ہوں گے۔ دیکھئے محلہ کے دیکھنے
والے درسگاہ کی عظمت کو نہیں جانتے ہیں۔ درسگاہ میں قدم رکھنے والے
جانتے ہیں کہ یہاں کیا ہے! یہی وجہ ہے کہ اگر انسان جاہل ہی رہنا چاہتا ہے
اور وہ یہی جہالت کو علم میں تبدیل کرنا نہیں چاہتا ہے تو وہ یہی چاہتا ہے کہ
محلہ میں کوئی عالم نہ بننے پائے جب جاہل جاہل ہی رہنا چاہتا ہے تو ساری فکر
اس بات کی ہوتی ہے کہ محلہ میں کوئی صاحب علم نہ ہونے پائے اس لئے کہ جب
تک سب جاہل رہیں گے جہالت پر پردہ پڑا رہے گا جہالت بے نقاب نہ ہوسکے
گی لیکن اگر دو چار پڑھ گئے تو مشکل پیدا ہو جائے گی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ باکمال
افراد سے حسد اسی لئے ہوتا ہے کہ ان کے عمل سے نفرت نہیں ہوتی ہے
پریشانی یہ ہوتی ہے کہ یہ نہ ہوتے تو سب کا راز چھپا رہتا۔ کسی کی حقیقت
نہ ہوتی لیکن اگر ایک باکمال پیدا ہو گیا تو بے کمال پہچان لئے جائیں گے (تو
ورنہ کیا برا تھا اگر ایک آدمی اپنی جان پر کھیل کر کفر کا خاتمہ کر دے۔ اپنی زند[گی]
کو خطرہ میں ڈال کر کل کفر کو فنا کر دے۔ اور سارے مسلمانوں کو خو[ش]
ہونا چاہئے تھا سارے افراد کو خوش ہونا چاہئے تھا ہم خطرے سے بچے بھی ر[ہے]
خاتمہ بھی ہو گیا مگر ایک پریشانی یہ ہے کہ یہ ایک اگر نہ اٹھا ہوتا تو اس



بھرم رہ جاتا کہ یہ لڑنے کے لائق نہیں ہے۔ اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا ہے
لیکن اس ایک نے تلوار چلا کر اتنا تو واضح کر دیا کہ کام ہو سکتا ہے۔ تلوار گلا
کاٹ سکتی ہے مگر صرف تلوار گلا نہ کاٹے گی اس کے لئے ہاتھ بھی درکار ہوگا
بس عزیزان محترم یہ ایک مسئلہ تھا۔ ایک سوال تھا جس کے بارے میں دو چار
جملے عرض کر دینا ضروری تھا تاکہ کوئی انسان نہ اس تصور میں مبتلا ہونے پائے۔ نہ
یہ فتنہ اس کے ذہن میں پیدا ہونے پائے! اس کے بعد اپنے موضوع سے متعلق
جو باتیں گذارش کر رہا تھا شخصیت حسینؑ بن علیؑ کی انفرادیت۔ اس ذیل میں
پانچ باتیں کل میں آپ کے سامنے گذارش کر چکا ہوں! ابھی تو آغاز حیات فرزند
رسولؐ ہے۔ اسی مرحلے پر دو باتیں اور قابل توجہ ہیں جنکو علماء اسلام نے بھی
نقل کیا ہے۔ مختلف کتب احادیث میں اور کتب تاریخ میں یہ حقائق اور یہ واقعات
پائے جاتے ہیں کہ فرزند رسولؐ کے دنیا میں آنے کے بعد نام کا مرحلہ طے ہو گیا
سرکار دو عالم نے وحی پروردگار کی بنا پر نام طے کر دیا حضورؐ نے ان مراسم کو ادا فرمایا
اور آپ نے اپنی سنت قرار دیا تھا۔ بچے کی ولادت کے موقع پر اب اس کے بعد
ایک مسئلہ جو ہر انسان کی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے جس کی طرف میں نے
آغاز بیان میں اشارہ کیا تھا۔ وہ ہے انسان کی زندگی کا غذائی مسئلہ۔ اگر انسان بڑے
ہونے کے بعد طاقت و قوت رکھنے کے بعد بغیر غذا کے زندہ نہیں رہ سکتا تو بچہ
کیسے زندہ رہے گا! اس مقام پر علماء اسلام نے روایت کو دو طرح سے نقل کیا ہے

بعض حضرات نے روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ حسینؑ کی ولادت کے بعد
صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہرا صلوات اللہ وسلامہ علیہا اچانک بیمار ہوگئیں اور اس
بیماری کا اثر یہ ہوا کہ بچہ کو شیر مادر سے محروم ہونا پڑا۔ میرا خیال یہ ہے کہ شاید یہ
بات روز اول روایت میں نہ رہی ہوگی لیکن بعد والوں نے جب روایت کے
نتیجہ اور تتمہ کو دیکھا تو اس کی توجیہہ کرنا چاہی۔ لہذا اس کی یہ توجیہہ قائم
کی کہ ماں بچے کو دودھ نہیں پلا سکتی تھی لہذا قدرت نے دوسرا انتظام کیا۔ لیکن
میرے خیال میں اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے مسئلہ بالکل واضح ہے کہ
فرزند رسولؐ کی ولادت کے بعد صدیقہ طاہرہ نے بجائے بچہ کو دودھ پلانے کے
جب سرکار دوعالمؐ تشریف لائے تو بچے کو پیغمبرؐ کی آغوش میں دیدیا اور پیغمبر اسلامؐ
نے فرمایا کہ فاطمہؑ یہ فرزند جو اللہ نے تمکو عنایت فرمایا ہے یہ فرزند الگ خصوصیات
اور انفرادیت کا مالک ہے۔ پروردگار عالم نے اس کے لئے سارے انتظامات
الگ سے کئے ہیں لہذا اسکی تربیت کا اہتمام بھی الگ ہوگا۔ اے فاطمہؑ دیکھو بچہ
کو دودھ نہ پلانا اس کے لئے خدا الگ سے انتظام کرے گا اور یہ کہہ کے سرکار دوعالمؐ
نے بعض روایات کی بنا کر اپنی انگشت مبارک کو حسینؑ کے دہن میں رکھدیا
پیغمبرؐ کا انگوٹھا حسینؑ کے دہن میں ہے اور بچہ نانا کے انگوٹھے کو چوس رہا ہے
کہ آج بھی اگر آپ بچوں کی فطرت دیکھیں گے تو بچوں میں آج بھی یہی فطرت
پائی جاتی ہے بہرحال پیغمبرؐ اسلام نے اپنا انگوٹھا حسینؑ کے دہن میں دے دیا



اور حسینؑ نے اس انگوٹھے کو چوسنا شروع کر دیا اور دوسری روایت یہ ہے
کہ سرکار دوعالمؐ نے بچے کو گود میں لینے کے بعد اپنی زبان حسینؑ کے دہن میں دیدی
اور حسینؑ نے زبان پیغمبرؐ کو چوسنا شروع کر دیا اور یہ مسئلہ ایک دن کا نہیں ہے
اتنی بات تو روایات میں صراحت کے ساتھ ذکر کی گئی ہے کہ چالیس دن تک
یہی کام ہوتا رہا کہ صدیقہ طاہرہؑ نے اپنے فرزند کو حکم پیغمبرؐ کی بنا پر دودھ نہیں
پلایا اور چالیس دن تک پیغمبر اسلامؐ کبھی بچے کے دہن میں اپنا انگوٹھا رکھتے
رہے اور کبھی پیغمبرؐ حسینؑ کے دہن میں اپنی زبان رکھتے رہے اور اسی پیغمبر اسلام
کی زبان سے یا پیغمبر اسلامؐ کے انگوٹھے سے بچہ اپنی غذا حاصل کرتا رہا یہاں تک
کہ روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ چالیس دن تک یہ عمل اس لئے
جاری رہا تاکہ حسینؑ کے گوشت و پوست میں جو طاقت پیدا ہو وہ طاقت پیغمبری
طاقت ہو۔ جو پیغمبرؐ سے منتقل ہو کے حسینؑ تک آئی ہو اور یہ کوئی حیرت کی بات
نہیں ہے جس بچے کو پیدائش سے پہلے پیغمبرؐ اپنا ٹکڑا قرار دیں۔ اگر وہ جزو پیغمبرؐ
دنیا میں آنے کے بعد بھی جزو ثابت ہو تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے اور امام جعفرؑ
صادق صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے جو روایت نقل کی گئی ہے اسمیں یہ صراحت
ہے کہ پروردگار عالم نے حسینؑ کے امتیازات میں یہ بات رکھی ہے کہ حسینؑ کو
شیر مادر کے بجائے پیغمبرؐ کے جسم اقدس سے غذا فراہم کی گئی ہے اور یہ دنیا کا
پہلا انسان ہے جسکی تربیت شیر مادر کے بجائے پیغمبر اسلامؐ کے ذریعہ ہوئی ہے

چاہے پیغمبرؐ نے اپنا انگوٹھا حسینؑ کے دہن میں رکھا ہو یا پیغمبرؐ نے اپنی زبان حسینؑ کے دہن میں رکھی ہو یہ آثار نبوت ہیں جو جسم حسینؑ میں منتقل ہو رہے ہیں یہ قوت پیغمبرؐ ہے جو جسم حسینؑ میں منتقل ہو رہی ہے اور یہ امتیاز سوائے حسینؑ کے کائنات میں کسی کو حاصل نہیں ہوا ہے اور یہ بات تنہا ہمارے درمیان نہیں ہے یہ بات اتنی مشہور ہوئی کہ عالم اسلام میں جن لوگوں نے بھی تاریخ حسینؑ کو واقعاً پڑھا ہے اور امام حسینؑ کی زندگی کو کربلا سے پہلے بھی دیکھا ہے وہ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ پیغمبر اسلام اپنے حسینؑ کے دہن اقدس میں اپنی زبان دے کر حسینؑ کو اپنی زبان چسایا کرتے تھے اور یہ حسینؑ کی بہترین غذا تھی کہ جس کے ذریعہ آثار نبوت، اسرار نبوت اور طاقت پیغمبرؐ جسم حسینؑ بن علیؑ میں منتقل ہو رہی تھی دور قدیم کے محدثین نے بھی یہ بات کہی ہے اور دور حاضر کے پڑھے لکھے افراد نے بھی اس بات کو محسوس کیا اسی لئے میں نے ایک عرصہ پہلے اپنے یہاں برادران اہلسنت کے ایک شاعر کی زبان سے یہ شعر سنا تھا جب اتفاق سے میں سفر پر جا رہا تھا اور اسی ٹرین سے وہ بھی سفر کر رہے تھے کسی پلیٹ فارم پر مجھ پر نظر پڑ گئی اور وہ دوڑ کر میرے پاس آئے۔ میں انھیں پہچانتا تھا ملک کے نامور شاعر تھے مشاعروں میں تو انکا جواب بھی مشکل سے ملتا تھا۔ انھوں نے مجھے دیکھا تو کے آئے کہنے لگے ایک شعر ہو گیا ہے مگر کوئی قدر داں نہیں مل رہا ہے



میرا مقدر تھا کہ آج آپ نظر آ گئے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کو یہ شعر سنا دوں تازہ شعر ہے میں نے کہا سنائیے۔ میں ظاہر ہے کہ اتنا تو شعر سمجھ ہی لیتا ہوں کہ انشاء اللہ آپ کے شعر کی قدر کروں گا۔ انھوں نے مجھے یہ شعر اسوقت سنایا تھا ظاہر ہے وہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جنھوں نے امام جعفر صادقؑ کے ارشادات کا مطالعہ کیا ہو لیکن عالم اسلام میں یہ بات اتنی واضح تھی کہ حسینؑ کی تربیت پیغمبر اکرمؐ کی زبان اقدس کے ذریعہ ہوئی ہے کہ انھوں نے اسی نکتہ کو اپنے شعر میں نظم کیا ہے اور بہترین شعر کہا ہے۔ مجھے آجتک یاد ہے انھوں نے اپنے شعر میں یہ کہا ہے کہ

بظاہر تو زباں چوسی بباطن ابن حیدرؑ نے۔ زباں دیدی پیمبرؐ کو زباں لے لی پیمبرؐ سے

یعنی اگر کوئی نہ سمجھا کہ پروردگار عالم نے یہ انداز تربیت حسینؑ کے لئے کیوں مخصوص کیا تھا تو کم سے کم اتنی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ یہ تنہا ایک غذا کا مسئلہ نہیں ہے یہ ایک عہد و پیمان ہے جو نانا اور نواسے کے درمیان ہو رہا ہے یہ قول و قرار ہے جو نانا نواسے کے درمیان ہو رہا ہے جو پیغمبرؐ نے وعدہ کیا تھا وہ انھوں نے پورا کر دیا جو حسینؑ نے نبیؐ سے وعدہ کیا تھا وہ وقت آخر حسینؑ نے پورا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آخری لمحات میں بھی یہی آواز آ رہی تھی ... جدی رسول اللہ۔ صلوات

... رسولؐ کی ابتداء حیات کا چھٹا دور ہے جو میں نے آپ سے

عرض کیا! اسلئے کہ ابتک جو باتیں میں نے گذارش کی ہیں یہ ساری باتیں زمین کی تھیں اسی سرزمین پر حسینؑ نے قدم رکھا۔ یہیں پیغمبر اسلامؐ نے بچے کو آغوش میں لیا۔ یہیں پیغمبر اسلامؐ نے عقیقہ کا انتظام کیا۔ یہیں پیغمبر اسلامؐ نے بچہ کا نام طے کیا۔ یہیں پیغمبر اسلامؐ نے بچے کی غذا اور پرورش کا انتظام کیا لیکن کیا یادِ حسینؑ سے، شرفِ حسینؑ سے عظمتِ حسینؑ سے آسمان غافل ہے؟ کیا عظمتِ حسینؑ کا سارا دار و مدار اسی زمین کے اوپر ہے۔ ایسا نہیں ہے علامہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے امالی میں اس واقعہ کو نقل کیا کہ جب

فرزند رسولؐ کی ولادت ہوئی اور اللہ نے صدیقہؑ طاہرہ کو یہ فرزند جس کا نام ہے حسینؑ عطا کیا تو پروردگار عالم نے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا۔ جبرئیل تمھیں خبر ہے کہ میرے پیغمبرؐ کے یہاں نواسہ پیدا ہوا ہے میں نے اپنے پیغمبرؐ کی بیٹی کو ایک فرزند عنایت کیا ہے۔ لہٰذا جاؤ پیغمبرؐ کی بارگاہ میں تہنیت دینے کے لئے، مبارکباد دینے کے لئے اور دیکھو جبرئیل تنہا نہ جانا ایک ہزار فرشتوں کو اپنے ساتھ لے کر جانا۔ جبرئیل امین چلے۔ پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں مبارکباد دینے کے لئے ایک ہزار فرشتوں کا کارواں لئے ہوئے آرہے ہیں اتفاق سے چلتے چلتے جبرئیل امین کا گذر ایک جزیرہ سے ہو گیا جہاں ایک فرشتہ کسی ترک اولیٰ کی بنیاد پر مورد عتاب تھا اور سات سو برس سے مسلسل عبادت خدا کر کے پروردگار عالم کی بارگاہ میں توبہ کر رہا تھا کہ



اس عتاب کو اٹھا لے یعنی یہ واقعہ فرشتہ کی زندگی میں سات سو برس پہلے پیش آیا تھا جب پروردگار عالم نے کسی بھی ترک اولیٰ کی بنا پر اس پر عتاب نازل کر دیا تھا اور وہ جزیرہ میں آگیا تھا سات سو برس سے عبادت کر کے سجدہ کر کے خدا کی بارگاہ میں گذارش کر رہا تھا کہ پروردگار اس عتاب کو برطرف کر دے۔ کہ ایک مرتبہ فرشتے نے دیکھا کہ فرشتوں کا ایک قافلہ ہے جو جارہا ہے۔ جبرئیل اس کے میر کارواں ہیں جو سید الملائکہ ہیں۔ وہیں سے آواز دی جبرئیل کہاں جا رہے ہو؟ کہا تجھے خبر نہیں ہے اللہ نے پیغمبرؐ کی بیٹی کو بیٹا عنایت فرمایا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرشتوں کے اس قافلے کو لے کے جاؤں پیغمبرؐ کی بارگاہ میں مبارکباد دینے۔ ملک نے گذارش کی کہ کیا اتنی گنجائش ہے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں؟ کہا تم وہاں جا کے کیا کروگے تم تو مورد عتاب میں ہو۔ کہا مجھے لے چلو شاید وہاں جا کے پیغمبرؐ کی برکت سے یہ عتاب برطرف ہو جائے۔ اس لئے کہ سجدے تو ابتک کام نہیں آئے۔ سات سو برس کی عبادتیں تو ابتک کام نہیں آسکیں، اتنے دنوں کی بندگی تو کام نہیں آسکی ہے شاید پیغمبرؐ رحمت کے طفیل میں یہ عتاب برطرف ہو جائے۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر چلو۔ ظاہر ہے کہ ملک کوئی بات مرضیِ خدا کے خلاف تو نہیں کر سکتا ہے۔ یقیناً مرضی پروردگار تھی کہ جبرئیل لیکے جائیں۔ لہٰذا جبرئیل نے اپنے پروں پر اس ملک کو اٹھا لیا اور لے کر چلے۔

پیغمبر اسلام کی بارگاہ میں آئے۔ سرکار کی بارگاہ میں مبارکباد پیش کی۔ پیغمبرؐ نے
کہا اور یہ کون؟ کہا حضور یہ ایک فرشتہ ہے اللہ کی بارگاہ میں مورد عتاب
میں آگیا ہے پروردگار نے اسے جزیرہ میں ڈالدیا تھا ہمیں حکم ملا تھا آپ
کی بارگاہ میں مبارکباد پیش کرنے کیلئے ہم آرہے تھے اس نے گذارش کی کہ ہمیں
بھی لے چلو شاید پیغمبرؐ کی برکت سے یہ عتاب برطرف ہو جائے لہذا میں اس کو
لے آیا ہوں۔ سرکار رحمۃ للعالمین! اگر آپ اس کے حق میں دعا کر دیں گے تو
پروردگار یقیناً اس عتاب کو برطرف کر دے گا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا (الفاظ میرے
ہیں مضمون روایت کا ہے) اگر کام مجھ سے لینا تھا تو آج کیوں آئے؟ آج میرے
نام پر تو آیا نہیں؟ نہ تم میرے نام پر آئے ہو نہ یہ میرے نام پر آیا ہے تمھیں
تو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ اللہ نے مجھے نواسہ دیا ہے۔ تم تو مبارکباد کے
لئے آئے ہو۔ اور یہ بھی اسی لئے آیا ہے کہ تم مبارکباد کے قافلے میں آرہے
تھے تو جس کے لئے آیا ہے اس کے پاس لے جاؤ۔ جسکا ذکر سننے آیا ہے
اس کے پاس لے جاؤ۔ کہا حضور مجھے کیا کرنا ہوگا۔ فرمایا اسے لے جاؤ جس
گہوارہ میں حسینؑ ہیں اس کے جسم کو حسینؑ کے جسم سے مَس کر دو یا بعض
روایات کی بنا پر گہوارۂ حسینؑ سے مَس کر دو جبرئیل کو حکم پیغمبرؐ ملا جبرئیل امین
اس فرشتے کو لے کر آئے اور حسینؑ کے جسم سے یا گہوارے سے اس کے
جسم کو مس کر دیا۔ اب جسم ملک کا جسم حسینؑ سے مس ہونا تھا کہ نئے بال و



دکھائی دینے لگے اور اب جو قوت پرواز ملی تو ملک چلا اپنی منزل کی طرف
اس لئے کہ عتاب برطرف ہو گیا۔ لب پلٹ کے جانا ہے اپنی منزل کی طرف
گر چلا تو ایک نئے انداز سے چلا جیسے ہی نئے بال و پر ملے اور فضائے آسمان
کی طرف پرواز کرنے کا ارادہ کیا اور آسمان کی بلندیوں پر پہونچا آواز دی
"مَن مِثلی" اب کون ہے جو میرا جیسا ہوگا؟ اب کون ہے جو میرا مثل ہوگا
ارے یہ کیا کہدیا کہا "اَنَا عَتِیقُ الحُسَین" میں حسینؑ کا آزاد کیا ہوا
ہوں (یہاں ایک لفظ کہنے کو جی چاہتا ہے، واقعہ تو آپ سنتے رہتے ہیں
گر توجہ فرمائیں گے۔ ہمارے یہاں ایک مثل ہے کہ اگر کوئی آدمی دودھ
[illegible] جل جاتا ہے تو آئندہ احتیاط سے کام لیتا ہے۔ ایک ترک اولیٰ ہو گیا
تھا اور پروردگار عالم نے جزیرہ میں ڈالدیا تھا۔ سات سو برس تک
[illegible] میں پڑا رہا نہ عبادتیں کام آئیں۔ نہ سجدے کام آئے۔ نہ بندگی
کام آئی، ہو اتنا بڑا تلخ تجربہ کر چکا ہو اسے اتنا تو معلوم ہے کہ پروردگار ترک
[illegible] اولیٰ کو برداشت کر سکتا ہے غرور کو برداشت نہیں کر سکتا ہے
[illegible] مثلی۔ میرا جیسا کون ہے۔ اس غرور کو تو خدا نے کسی سے
[illegible] کیا۔ اے آنے والے فرشتے یہ کیا ہو گیا ہے ذرا بال و پر ملے
[illegible] ترک اولیٰ کا ارادہ کرلیا۔ پھر دوبارہ منزل عتاب میں
[illegible] خدا کو غرور پسند نہیں ہے! کہا بیشک یہ غرور ہوتا یہ تکبر

شمار ہوتا تو اب عتاب نہیں شاید عذاب نازل ہوجاتا مگر میں نے بات
بے دلیل نہیں کہی ہے ؟ اگر میں نے اپنی بنیاد پر اپنے بے مثل ہونے کا
اعلان کیا ہوتا تو اس کا نام غرور ہوتا۔ میں کیا اور میری اوقات کیا لیکن میں
اس لئے بے مثال ہوگیا کہ حسینؑ کا آزاد کیا ہوا ہوں (تو عزیز و ایک
جملہ کہنا چاہتا ہوں۔ جسکا آزاد کیا ہوا بے مثال ہوجائے وہ خود کیسا لاجواب
ہوگا۔ اور اب یہ اندازہ ہوا کہ ایک جسم حسینؑ سے مس کر دینا ایک طرف اور
سات سو برس کی بندگی ایک طرف۔ اور اگر آپ چاہیں تو اس سے
زیادہ واضح جملہ عرض کروں۔ یہ مسئلہ تو آسمان کا تھا ترک اولیٰ وہاں ہوا
تھا۔ یہ زمین پر کیا طے ہو رہا ہے۔ جو جس علاقہ کا مسئلہ ہوتا ہے وہاں طے
ہونا چاہیئے۔ زمین کے مسئلے زمین پر طے ہوں اور آسمان کے مسئلے
آسمان پر طے ہوں۔ لیکن بات تھی آسمان کی طے ہوئی زمین کے اوپر
تاکہ زمین والے پہچان لیں کہ حسینؑ کا اقتدار زمین تک محدود نہیں ہے
حسینؑ جیسے زمین والوں کے کام آتا ہے ویسے ہی آسمان والوں کے کام
بھی آتا ہے۔ صلوات

(آپ نے یقیناً توجہ فرمائی ہوگی میں نے پورے واقعہ کو اس کی
خصوصیات کے ساتھ بیان کر دیا) مگر میں نے ابھی تک فرشتہ کا نام
نہیں لیا کہ وہ کونسا فرشتہ تھا جس کو جبرئیل امین لے کر آئے



جسکی یہ شان تھی اور جس نے حسینؑ سے یہ شرف اور یہ برکت حاصل کی
تھی۔ اس لئے میں نے ذکر نہیں کیا کہ یہاں بھی عالم اسلام میں دو روایتیں
پائی جاتی ہیں۔ بعض روایات میں آنے والے فرشتہ کا نام فطرس ہے
اور بعض روایات میں آنے والے فرشتہ کا نام صلصائیل بیان کیا گیا
ہے یہ فرشتہ یا اسکا نام فطرس ہے یا اس کا نام صلصائیل ہے۔ ہوسکتا
ہے کہ فرشتے کا یہ بھی نام ہو وہ بھی نام ہو۔ جیسے ایک آدمی کے دو نام
ہوتے ہیں لیکن جب میں نے روایت پر دقت کے ساتھ غور کر کے نگاہ
کی کہ آخر اس روایت میں کسی نے اسکا نام فطرس لکھا ہے۔ کسی نے اسکا
نام صلصائیل کیوں لکھا ہے تو جب روایات کے خصوصیات پر غور کیا
تو یہ اندازہ ہوا کہ خصوصیت بھی الگ الگ ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ
مثلاً یا کا ہے کہ کسی نے کہا جسم حسینؑ کسی نے کہا گہوارۂ حسینؑ !! کسی نے
یوں بیان کر دیا کسی نے یوں بیان کر دیا !! بلکہ ایک نام تھا۔ بیان کیا گیا
تو وہاں جسم حسینؑ کا ذکر ہے اور دوسرا نام جہاں ذکر کیا گیا وہاں گہوارۂ
حسینؑ کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ ایک فرشتہ کا نہیں
ہے بلکہ شاید دو فرشتے ہیں۔ ایک کا نام یہ تھا ایک کا وہ نام تھا۔ یہ بھی آیا وہ
بھی آیا اور اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسینؑ کی برکتیں کسی ایک فرد تک
محدود نہیں ہیں بلکہ جو بھی مبتلائے عتاب ہوجائے اسکا بہترین سہارا

اس کائنات میں حسینؑ بن علیؑ ہے اور کیا کہنا حسینؑ بن علیؑ کی عظمتوں کا
کہ دنیا میں عتاب آجائے تو بھی وہی بچائے اور آخرت میں عذاب
آجائے تو بھی وہی بچائے۔ صلوات
بس عزیزان محترم خصوصیات اس موقعہ پر بہت ہیں لیکن
سب کے تذکرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک نمونہ میں نے آپ کے
سامنے عرض کر دیا یہ حسینؑ بن علیؑ کی شخصیت کا بچپنا ہے۔ یہ حسینؑ کی زندگی
کا آغاز ہے۔ حیات کی ابتدا ہے جہاں پروردگار عالم نے اتنی انفرادیت
اس فرزند رسول الثقلینؐ کو عنایت کی ہے جس کی مثال تاریخ بشریت
میں کہیں نہیں پائی جاتی ہے اس کے بعد منزل آتی ہے اپنے ذاتی
اوصاف و کمالات کی۔ ساری باتیں نہیں بطور خاکہ دو چار لفظیں گذارش
کرنا چاہتا ہوں۔ تفصیلات پڑھنے کے لئے آپ کتابوں کا مطالعہ کریں
کتابیں بہت موجود ہیں ہر زبان میں موجود ہیں میں نے بھی سیرت معصومین
پر کتاب لکھی ہے جو بات اس وقت گذارش کر رہا ہوں اس کتاب میں
بھی نہیں ہے اس کے بعد جو سلسلۂ حیات آگے بڑھتا ہے تو حسینی زندگی
کے جو امتیازات ہیں انھیں میں تین حصوں میں بطور نمونہ آپ کے سامنے
گذارش کر رہا ہوں۔ یاد رکھئے انسانی زندگی کے تین رُخ ہوتے ہیں ایک
رُخ ہوتا ہے انسانی شخصیت کا خود انسان کی ذات کے اعتبار سے کہ



انسان کی ذات کے اندر کیا پایا جاتا ہے عالم ہے، جاہل ہے، بخیل ہے،
سخی ہے، شجاع ہے، بزدل ہے، کریم ہے، کنجوس ہے، انسان کیسا ہے
نفس انسانی کیسا ہے۔ انسان ذاتی طور پر کیسا ہے۔ ایک رُخ انسانی زندگی
کا یہ ہے چاہے آپ اپنا حساب لگائیں چاہے کسی اور کا حساب لگائیں
جس کا جی چاہے اپنی زندگی کا جائزہ لے لے کہ ہماری جگہ اس دنیا میں
کہاں ہے اور اپنے نفس کا حساب کرلے کہ میرے نفس میں علم ہے یا
جہل ہے، سخاوت ہے کہ بخل ہے، بزدلی ہے یا شجاعت ہے۔ کرم
ہے یا غیر کرم ہے۔ ہمارے اندر کیا ہے؟ دوسرا رُخ انسان کی شخصیت
کا انسان اور اسکی ذات نہیں بلکہ انسان اور اس کا پروردگار ہے کہ
اس کے تعلقات خدا سے کیسے ہیں ہوسکتا ہے انسان ذاتی طور پر
بہت پڑھا لکھا ہو مگر خدا کا ایک سجدہ بھی نہ کیا ہو۔ تو اس کے معنی یہ
ہیں کہ زندگی میں ایک رُخ کمال کا ہے اور ایک رُخ احسان فراموشی
کا کہ جس نے نفس دیا، نفس میں صلاحیت دی۔ دماغ دیا اور دماغ
کو علم کا مرکز بنایا اس کے سامنے انسان نے سر نہ جھکایا۔ یہ احسان فراموشی
نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ تو انسان صاحب علم تو ہوگیا مگر بندۂ پروردگار
نہ ہو سکا۔ ایک رُخ کمال کا اور ایک رُخ کمزوری کا!! تیسرا رُخ انسان
کی زندگی کا ہے جہاں انسان کا معاملہ پروردگار سے نہیں ہوتا ہے بلکہ

انسان کا معاملہ انسانوں سے ہوتا ہے کہ اس انسان کے تعلقات
دوسرے انسانوں سے کیسے ہیں۔ یہ انسان دوسرے انسانوں کے
کبھی کام آتا ہے یا نہیں آتا ہے۔ یہ انسانی شخصیت کا تیسرا رخ ہے
ہیں آپ) میں فقط ایک خاکہ گذارش کر رہا ہوں تفصیلات آپ پڑھ
!! تو یہ دیکھنا پڑیگا کہ ذاتی طور پر انسان کیسا ہے!! انسان کا تعلق اس
خدا سے کیا ہے!! انسان کا تعلق بندگان خدا سے کیا ہے؟!! اور یہ تین
وہ ہیں کہ جنہیں اگر کوئی باکمال تلاش کرینگے تو دنیا میں شاید ہی کوئی
ایسے اللہ والے تو ملیں گے جو نذر محراب و مصلےٰ ہو گئے مگر اپنے بچوں
فکر نہیں رہی تو معاشرہ کی فکر کیا ہو گی!! ایسے اللہ والے تو ملیں گے
کسی غار میں ہیں کسی پہاڑ پر ہیں۔ کسی صحرا میں ہیں، کسی بیابان
ہیں سجدے میں پڑے ہوئے ہیں لیکن دنیا کی کوئی خبر نہیں ہے
انسانیت تباہ ہو گیا یا آباد ہو گیا۔ دنیا برباد ہو گئی یا آباد ہو گئی گھر باقی
گیا انہیں اس سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ وہ ہیں کہ جنکی زندگی کا ایک
تو بہت حسین ہے لیکن ایک رُخ انتہائی ذلیل ہے اور ایسے بھی لوگ
گے جنھوں نے زندگی کو وقف کر دیا ہے سوشل ویلفیر کے لئے۔
خدمت کے لئے معاشرے کے کام اور خلق خدا کے لئے لیکن خدا
نہیں آئیں گے جب پوچھا کہ بھائی آپ کو مسجد میں نہیں دیکھا



کیا بتائیں لوگوں کی خدمت سے فرصت ہی نہیں ملتی ہے۔ نالائقی کی انتہا
ہے کہ خدمت مخلوق کی فرصت ہے اور خدمت خالق کی فرصت نہیں
ہے بندگان خدا کا کام ہو رہا ہے مگر خدا نے جو فریضہ انسان کے حوالے
کیا ہے اس کی فرصت نہیں ہے تو یہ اگر مخلوقات کی خدمتوں میں دیکھا جائے
تو یہ بہترین دکھائی دیں گے لیکن اللہ سے تعلقات کو دیکھا جائے تو بد
ترین نظر آئیں گے۔ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو بظاہر سجدے میں ادھر
پڑے ہوئے ہیں اور معاشرے میں ادھر کام آرہے ہیں لیکن اندر جو دیکھا
تو سب ریاکاری ہے یعنی ایسے بھی ہیں جو سجدے بھی کر رہے ہیں صرف
رمضان کے روزے نہیں۔ سال بھر کے روزے۔ نمازیں۔ تلاوت۔ صدقات۔
خیرات۔ یتیموں کی پرسش۔ بیواؤں کی خدمت۔ سارا کام انجام دے رہے
ہیں مگر جب اندر جھانک کے دیکھا تو سوائے جذبۂ شہرت۔ سوائے ریاکاری
سوائے دنیاداری کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ سجدہ بھی کیا تو دنیا کو دکھانے کے
لئے اور خلق خدا کا کام بھی انجام دیا تو وہ بھی دنیا کو دکھانے کے لئے۔ اس
کے ہوئے کہ زندگی کے دو پہلو کامیاب ہیں لیکن تیسرا رُخ انتہائی
اور انتہائی تاریک ہے!! تلاش کرو اس انسان کو جو ہر رُخ سے باکمال
یہاں میری گفتگو بالکل صریح اور واضح ہے۔ بلاتکلف کسی انسان
مت کرو۔ اپنا اپنا جائزہ لو۔ ہر آدمی اپنا حساب کرے۔ اپنی ذات

کی منزل میں کیسا ہے۔ اپنے خدا سے کیسے تعلقات رکھتا ہے اور بندگان
خدا کی کتنی خدمت کرتا ہے۔ اگر انصاف سے انسان جائزہ لے گا تو کوئی
ایک انسان بھی اپنے کو باکمال نہ پائے گا۔ کوئی خدا کے کام آیا تو بندوں
کے کام نہ آیا۔ کوئی بندوں کے کام آیا تو خدا کے کام نہ آیا۔ کوئی سب کے
کام آیا تو اپنے ہی کام نہ آیا (غور کیا آپ نے) !! نہ اپنے کو ایسا پایا، نہ ساتھی کو ایسا
پایا، نہ گھر والوں میں دیکھا، نہ محلے والوں میں دیکھا۔ نہ شہر والوں میں دیکھا
حیران بے چارہ دل کی کوئی اوقات ہی نہیں ہے جو تاریخ کی عظیم ترین
کہی جاتی ہیں۔ جو تاریخ کی بڑی شخصیتیں ہر دور میں کہی جاتی ہیں۔ ایک
ایک کے حالات پڑھئے تین میں سے کوئی نہ کوئی پہلو کمزور ضرور نظر
توجہ کریں جن شخصیتوں کو سیاستوں نے پیدا کیا وہ خلق خدا کے کام
آئیں مگر خدا سے غافل ہوگئیں۔ ایک پورا عالم اشتراکیت ایک پورا
دنیائے سرمایہ داری انھیں جب دیکھیں گے۔ تو دنیا کی خدمت کر
ہیں۔ عوام کے کام آرہے ہیں۔ مخلوقات کے کام آرہے ہیں لیکن کیا
اپنے خدا کو بھی یاد کیا؟ ہرگز نہیں (توجہ کریں) تو جو سیاستوں کی
ہیں وہ مخلوقات کے کام آتے ہیں خدا سے غافل ہوجاتے ہیں
دیانتوں کی پیداوار ہیں وہ خدا کے کام آتے ہیں لیکن بندوں
غافل ہوجاتے ہیں۔ ایک سے ایک بڑا زاہد۔ ایک سے ایک بڑا



ایک سے ایک بڑا اللہ والا۔ ایک سے ایک بڑا بھگوان والا۔ ایک سے
ایک بڑا ایشور والا۔ ایک سے ایک بڑا GOD والا۔ جتنے ہیں ادھر کے
ہو کے رہ گئے، ادھر پلٹ کے بھی نہیں دیکھا (توجہ کی آپ نے) تو جو
دیانت کی پیداوار ہیں وہ اُدھر والے ہیں اِدھر والے نہیں ہیں اور جو
سیاست کی پیداوار ہیں وہ اِدھر والے ہیں اُدھر والے نہیں اور جو نفس
کی پیداوار ہیں وہ کسی کے بھی نہیں ہیں۔ یہاں تنہا شیطنت کا قبضہ
ہے اور کچھ نہیں ہے !! ہر جگہ یہ کمزوری نظر آتی ہے اور انھیں کمزوریوں
کو نگاہ میں رکھ کر ایک مرتبہ حسینؑ کی شخصیت کا جائزہ لیا تو جب اس
دنیا میں قدم رکھا تو سر سجدۂ معبود میں رکھا اور جب آخری رات مہلت
لی تو وہ بھی عبادتِ پروردگار کے لئے۔ یہ ابتدا سے انتہا تک حسینؑ کا رابطہ
خدا سے ہے۔ پھر شہادت کے بعد جب پشت اقدس کو دیکھا تو تنہا
تلواروں کے نشان نہیں بلکہ پشت پر بوجھ اٹھانے کا نشان کہ پشت پر
بوریاں لاد کر غریبوں اور یتیموں کے دروازوں پر پہونچایا کرتے تھے یہ
بندگان خدا کا خیال ہے۔ اور اگر حسینؑ کے نفس کی پاکیزگی کا جائزہ لینا ہے
تو ان کی دعائیں پڑھ کے دیکھو کہ کیا کوئی گنہگار خدا کے سامنے اپنے
کو ایسا پیش کرے گا جیسے امام معصوم نے اپنے کو پیش کیا ہے تاکہ دنیا
کو ایک ایسا باکمال مل جائے۔ (توجہ کریں) یہ ساری دنیا میں جو بڑبہا

برس اور صدیوں سے ذکر حسینؑ برابر دہرایا جارہا ہے وہ اسی لئے ہے کہ انسانیت کو ان باتوں کی احتیاج ہے اور قیامت تک ان باتوں کی محتاج رہے گی۔ نفس کی پاکیزگی کی محتاج۔ خدا سے رابطہ کی محتاج۔ مخلوقات کے خیال کی محتاج۔ لہٰذا ذکر حسینؑ کو دہراتے رہو تاکہ انسانیت میں یہ تینوں جذبات پروان چڑھتے رہیں ورنہ جو حسینؑ سے غافل ہوگیا نہ پاکیزہ نفس ہو سکتا ہے۔ نہ خدا کے کام آسکتا ہے۔ نہ بندگان خدا کے کام آسکتا ہے۔ صلوٰات!

یہ فرزند رسول الثقلینؐ کی جامع شخصیت ہے جس کی تفصیلات کے لئے عمر درکار ہے۔ اگر انسان ان خصوصیات کا مطالعہ کرنا چاہے بس میں نے آپ کے سامنے ایک بات گذارش کر دی ہے اور یہ وہ منزل ہے جہاں اس گھرانے کے علاوہ کوئی نہ ملیگا۔ اتنی جامع ہستی کہ جہاں تینوں رُخ زندگی کے انتہائی کامل، انتہائی اکمل، انتہائی مکمل ہوں ایسی ہستیاں سوائے پیغمبرؐ کے گھرانے کے اور کہاں نظر آئیں گی۔ نفس دیکھو تو ایسا پاکیزہ کہ خدا خریدنے کے لئے تیار ہو جائے۔ پروردگار سے رابطہ دیکھو تو سر کٹ جائے مگر سجدہ نہ چھوٹنے پائے۔ بندگان خدا کا خیال دیکھو تو آخری سانس تک آخری لمحات تک بندگان خدا پر نگاہ ہے۔ سجدہ اپنی جگہ پر ہے مگر خلق خدا کا خیال بھی انسان کے فرائض میں سے ہے!! یہ حسینؑ کی زندگی کا خلاصہ ہے جو میں نے چند لفظوں میں آپ کے سامنے عرض کر دیا اور انھیں تینوں باتوں اور تینوں حقیقتوں کے لئے فرزند رسول الثقلینؐ نے اتنی عظیم قربانی دی ہے کہ جیسی قربانی تاریخ انسانیت میں نہ اس کے پہلے نظر آئی اور نہ اس کے بعد نظر آئی کیا قربانی اور کیسی قربانی۔ کتنی عظیم قربانی فرزند رسولؐ نے پیش کی ہے۔ حسینؑ سے پہلے ایسا نہیں ہے کہ قربانیوں کی تاریخ میں کوئی نام نہیں آیا ہے ایسا نہیں ہے کہ کربلا سے پہلے اللہ کی راہ میں کسی نے کوئی قربانی نہیں دی ہے۔ قربانیاں بہت ہیں۔ ہابیل سے سلسلہ شروع ہوا اور راہ خدا میں قربانیاں پیش ہوتی رہیں۔ پیغمبر اسلامؐ کے دور میں مجاہدین بدر کام آئے۔ مجاہدین احد میں کام آئے۔ مجاہدین میدان جہاد میں کام آئے مگر آجتک جو قربانیاں پیش ہو رہی تھیں وہ ہر انسان اپنی قربانی پیش کر رہا تھا۔ احد میں حمزہ نے اپنے کو پیش کر دیا۔ جنگ موتہ میں جعفر نے اپنے کو پیش کر دیا۔ ہر مقام پر انسان صرف اپنی قربانی پیش کر رہا تھا مگر جب قربانی حسینؑ بن علیؑ کی منزل میں آئی تو حسینؑ نے تنہا اپنی قربانی نہیں پیش کی بلکہ اب جو وطن سے نکلنے لگے تو ساتھیوں کو ساتھ لیا۔ چاہنے والوں کو ساتھ لیا۔ انصار کو ساتھ لیا۔ دل کے ٹکڑوں کو ساتھ لیا۔ گود کے پالوں کو ساتھ لیا۔ ایک پورا مجموعہ حسینؑ نے تیار کیا ہے راہِ خدا میں

قربان ہونے کے لئے تاکہ تاریخ قربانی جب کوئی مثال تلاش کرے
تو کہیں ملے یا نہ ملے حسینؑ کے گھرانے میں مل جائے۔ حسینؑ سے پہلے
اور حسینؑ کے بعد اللہ والوں کی تاریخ قربانی پڑھو اور ڈھونڈو کوئی ہے
چھ مہینے کا بچہ جو کربلا سے پہلے یا کربلا کے بعد راہ خدا میں یوں قربان ہو گیا
ہو؟!! کربلا سے پہلے یا اس کے بعد کوئی ایسی تاریخ جہاں جوان بیٹے کو
کڑیل جوان لال کو باپ نے اپنے ہاتھوں سے سجا کے میدان میں بھیجا ہو
!! ہے ایسی کوئی تاریخ جہاں تین دن تک چھوٹے چھوٹے بچے بھوک
اور پیاس کی شدت کا سامنا کر رہے ہوں !! ہے تاریخ انسانیت میں
کوئی ایسی مثال جہاں بوڑھا اور بچہ سب ایک منزل قربانی میں ہوں
!! ہے تاریخ انسانیت میں کوئی مثال کہ جہاں شہادت کے بعد لاشوں پر
گھوڑے دوڑائے جائیں !! اور عزیزو! اگر کہیں کوئی مثال مل جائے تو
ہے کوئی ایسا واقعہ کہ جہاں مردوں کے شانہ بہ شانہ قربانی دینے کے لئے
عورتیں کھڑی ہو جائیں !! جہاں خواتین بھی راہ خدا میں قربانی دینے کے لئے
آمادہ ہو جائیں !! یہ تنہا کربلا ہے کہ جب حسینؑ چلنے لگے تو قبر پیغمبرؐ سے
آواز آئی جاؤ میرے حسینؑ جاؤ۔ بیٹا جاؤ سر کٹاؤ۔ تم قربانی نہ دوگے تو
میرا دین باقی نہ رہ سکے گا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَّرَاکَ قَتِیْلًا اے حسینؑ
مشیت پروردگار یہ ہے کہ تم راہ خدا میں قربان ہو جاؤ!! یہ سننا تھا حسینؑ



نانا کی قبر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب جانے کا ارادہ کر رہے ہیں کہ ایک
مرتبہ قبر سے آواز آئی مگر میرے حسینؑ تنہا نہ جانا۔ بیٹا اکیلے نہ جانا۔ اپنے ساتھ بہنوں
اور بیٹیوں کو لے کے جانا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَّرَاهُنَّ سَبَایَا مشیت پروردگار
یہ ہے کہ یہ قیدی بنیں۔ یہ راہ خدا میں اسیر ہوں یہ تمہارے بعد تمہارے
مقصد کا اعلان کریں اس لئے اب جو حسینؑ چلے تو مکمل تیاری کے ساتھ
چلے۔ بہن زینبؑ سفر کی تیاری کرو۔ دربار ولید سے واپس آنے کے
بعد حسینؑ نے حکم دیا بہن سفر کی تیاری کرو۔ اب یہ مدینہ رہنے کے
لائق نہیں ہے۔ اب ہمیں وطن چھوڑنا ہے۔ تیاری ہو رہی ہے۔ صبح
کا وقت آیا سامان تیار ہو چکا ہے۔ قافلہ چلنا چاہتا ہے۔ سنتے رہے
ہیں آپ۔ حسینؑ نے سفر کی تیاریوں کو مکمل کرنے کے بعد اب چاہا کہ
اپنے قافلے کو آگے بڑھائیں مگر آج قافلے کی شان کچھ اور ہے۔ آج
مولا کی شوکت کا انداز کچھ اور ہے۔ ہاشمی جوان موجود ہیں جو رات
مولا کے ساتھ دربار تک گئے تھے۔ ۳۰ ہاشمی جوان تلواریں لئے ہوئے
حسینؑ نے فرمایا تم دربار کے دروازے پر ٹھہر جانا۔ اگر میری آواز بلند
ہو جائے تو دربار کے اندر آجانا۔ میں تمہیں اجازت دے رہا ہوں۔ اور
مولا کی آواز بلند ہوئی۔ کس کی مجال ہے کہ مجھے قتل کریگا۔ مجھے
ڈرایا جا رہا ہے۔ تو ایک مرتبہ دیکھا کہ ہاشمی جوان دروازہ کھول

کر دربار میں داخل ہو گئے۔ آگے آگے حسینؑ کا شیر آگے آگے ابوالفضل
العباسؑ۔ آقا کس نے گستاخی کی ہے حسینؑ نے قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھ دیا
عباسؑ! بس یہ جگہ جنگ کرنے کی نہیں ہے۔ حجت تمام ہو چکی ہے۔
واپس آئے اور ہاشمی شیر جو رات مولا کے ساتھ گئے تھے اب آج صبح
سیدانیوں کے پردہ کا انتظام کر رہے ہیں۔ آواز آ رہی ہے ہٹو ہٹو۔
پیچھے ہٹو۔ دور ہٹو۔ سیدانیوں کی سواری کا وقت آگیا ہے۔ ناقے لائے
جا رہے ہیں۔ ناقے درِ دولت پر بٹھائے جا رہے ہیں۔ ہاشمی جوان پردے
کا انتظام کر رہے ہیں اور سیدانیاں سوار ہو رہی ہیں!! راوی کہتا ہے
کہ میں اسی دن واردِ مدینہ ہوا تھا میں نے دیکھا کہ مدینہ پر اداسی چھائی
ہوئی ہے۔ مدینہ والے پریشان ہیں میں نے کہا بھائیو خیر تو ہے کیا
کوئی تازہ افتاد۔ تازہ مصیبت؟!! کہا ہاں آج جانِ مدینہ مدینہ چھوڑ کر جا رہا
ہے۔ نبیؐ کا مدینہ ویران ہو رہا ہے۔ حسینؑ وطن چھوڑ کے جا رہے ہیں
کہا میں بھی تو چل کے دیکھوں۔ مولا کی سواری کا انداز کیا ہے!! کہتا
ہے کہ میں دور کھڑا ہوا اس منظر کو دیکھ رہا تھا ایک ناقہ دروازے پر
لا کے بٹھایا گیا۔ محمل ہے پردہ محمل ہے۔ سواری کا انتظام ہے۔ پردے
کا مکمل انتظام ہے۔ ہاشمی جوان مصروفِ اہتمام ہیں۔ میں نے دو
دیکھا کہ ایک معظمہ چادر لپیٹے ہوئے بیت الشرف سے برآمد ہوئیں ا



آ کے محمل میں سوار ہو گئیں میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ معظمہ کون ہیں جو
سوار ہوئی ہیں۔ کہا یہ ام فروہ ہیں اور یہ کمسن شہزادہ جو پردہ کا اہتمام کر رہا تھا
یہ یتیم حسنؑ قاسمؑ ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک ناقہ اور لا کے
بٹھایا گیا۔ ایک معظمہ محمل میں سوار ہوئیں ایک جوان نے آ کے پردہ محمل اٹھایا
یہ کون؟ سمجھ گئے آپ۔ ام لیلیٰ سوار ہوئیں۔ کڑیل جوان بیٹے نے ماں کے
لئے پردہ کا انتظام کیا۔ غیرت دارو! اس کے بعد منزلیں سخت سے
سخت تر ہوتی جا رہی ہیں!! کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک اور ناقہ لا کے
بٹھایا گیا سارے جوان مصروفِ انتظام ہیں۔ ایک معظمہ بیت الشرف سے
برآمد ہوئیں اب جو معظمہ محمل میں سوار ہوئیں تو میں نے پوچھا یہ کون تھیں
سارے جوان مصروفِ انتظام تھے۔ کہا یہ علیؑ کی چھوٹی بیٹی ام کلثوم۔ (نہ
سکو گے عزیزو) عبداللہ کہتا ہے کہ اب تک میں نے دیکھا کہ عباسؑ، علی اکبرؑ
ہاشمی جوان انتظامات میں مصروف ہیں اور حسینؑ کرسی پر بیٹھے
حالات کا جائزہ لے رہے ہیں لیکن اب میں نے دیکھا کہ ایک
جو بیت الشرف سے برآمد ہوئیں تو حسینؑ کرسی سے کھڑے ہو گئے
پوچھا یہ کون معظمہ ہیں۔ کہا زہراؑ کی بڑی بیٹی زینبؑ سوار ہوئیں
انتظام کیا۔ عباسؑ نے پردہ اٹھایا۔ علی اکبرؑ نے سہارا دیا۔ زینبؑ
ہوئیں۔ اے جس نے اپنی سواری کی یہ شان دیکھی ہو۔ جس نے

عباسؑ کا یہ انتظام دیکھا ہو جب کربلا سے قافلہ چلنے لگا تو ایک مرتبہ زینبؑ
نے فرات کا رُخ کر کے آواز دی۔ بھیا عباسؑ اے میرے غیرت دار [illegible]
تمھیں تو یاد ہوگا کہ جب زینبؑ مدینہ سے چلی تھی تو تم نے بازو تھام کر
سوار کرایا تھا۔ عباسؑ بہن جا رہی ہے میرے شیر زینبؑ سوار ہو رہی
ہے آؤ میرے بھیا بہن کو سہارا دو۔ عجب نہیں کہ لاشہ تڑپ [illegible]
شہزادی مشیت نے مجبور کر دیا ہے۔ شانے قلم ہو گئے ہیں اب [illegible]
تھام کر سوار کرنے کے قابل نہیں رہ گیا ہے۔ جائیے شہزادی [illegible]
خدا حافظ۔ غلام کی کوتاہی کا خیال نہ کیجئے گا۔ آپ پشت ناقہ پر [illegible]
نوکِ نیزہ پر ساتھ ساتھ چلوں گا اور کسی لمحہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں [illegible]

سَیَعْلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَنْقَلِبُون



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

# مجلس ۳

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ
الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ الَّذِیْنَ اَذْہَبَ اللّٰہُ عَنْہُمُ الرِّجْسَ وَطَہَّرَہُمْ
تَطْہِیْرًا اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ
حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْن

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اللہ اسے دوست
رکھے جو حسینؑ سے محبت کرے!! سرکارِ دوعالم کے اس ارشادِ گرامی کی
روشنی میں جو سلسلۂ کلام آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا اس کے تیسرے
دن پھر کچھ باتیں شخصیت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
[illegible] کرنا ہے۔ کل میں نے جو بات خاتمہ کلام میں آپ کے سامنے
[illegible] کی وہ یہ ہے کہ انسان کی شخصیت کا کمال تین اعتبارات سے

پہچانا جاتا ہے۔ ذاتی طور پر وہ انسان کن فضائل و کمالات کا مالک ہے۔ اسکا ارتباط اور تعلق اس کے مالک اور خالق سے کیسا ہے؟ اس کا رابطہ اس کے افراد نوع اور برادران انسانیت سے کیسا ہے؟ اگر کوئی انسان ان تینوں مراحل پر درجۂ کمال پر فائز ہو تو بھی انسان وہ انسان ہوگا جسکی شخصیت واقعاً شخصیت کہے جانے کے قابل ہے۔ ورنہ اگر انسان کسی مرحلہ پر بھی ناقص ثابت ہوگیا تو ایسا انسان کتنی ہی بڑی حیثیت کا مالک ہو جائے واقعاً باکمال شخصیت کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔ آج ایک دوسری بات اسی ذیل میں گذارش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مالک کائنات نے انسان کو دو اجزاء سے مرکب بنایا ہے۔ ایک انسان کا یہ ظاہری بدن ہے جو ہر ایک کی نگاہ کے سامنے ہے اور ایک انسان کی روح اور اسکا نفس ہے جو کسی انسان کی نگاہ کے سامنے نہ آیا ہے نہ آنے والا ہے۔ جب کبھی انسانی کمالات کا جائزہ لینا ہوگا اور انسان کی مکمل شخصیت کا اندازہ کرنا ہوگا تو اسے دونوں اعتبار سے دیکھنا ہوگا کہ جسمانی اعتبار سے وہ کتنا باکمال ہے اور روحانی اعتبار سے کن کمالات کا مالک ہے؟ یہ صحیح ہے کہ روحانی کمالات پر جسمانی حالات اکثر اوقات اثر انداز نہیں ہوتے اور ہو سکتا ہے کہ انسان شکل و صورت کے اعتبار سے انتہائی کریہہ المنظر ہو لیکن اپنے دور میں نوبل پرائز پانے کا اہل ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ انسان ظاہری حلیے کے



اعتبار سے کوئی حیثیت نہ رکھتا ہو لیکن واقعیت کے اعتبار سے انتہائی باکمال انسان ہو۔ ظاہر ہے کہ قانونی اعتبار سے نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی انسان کا قد چھوٹا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسکی شخصیت بھی چھوٹی ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی انسان طویل القامت ہوگیا ہے تو اس کی شخصیت کا قد بھی اتنا ہی بلند ہوگیا ہے؟ جسمانی دنیا کے حالات الگ ہیں اور روحانی و معنوی دنیا کے الگ۔ مگر سرکار دو عالم ہی کے ارشاد گرامی کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہرحال پروردگار عالم کا یہ بھی ایک فضل و کرم ہوتا ہے کہ مالک کسی انسان کو جیسے روحانی اور معنوی اعتبار سے باکمال بنائے اسے جسمانی اور ظاہری اعتبار سے بھی باکمال بنا دے۔

اسی لئے اگر آپ عالم اسلام میں فقہ کی کتابیں پڑھیں گے تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ یہاں ایک مسئلہ ہے جو نماز جماعت کے ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے کہ اگر کسی مقام پر دو ایسے انسان جمع ہو جائیں جو نماز جماعت پڑھانے کے اہل اور امام جماعت بننے کے قابل ہوں اور ان میں آپس میں اختلاف ہو جائے ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ اس جماعت کی نماز میں پڑھاؤں گا۔ دوسرے کا کہنا یہ ہے کہ اس جماعت کی امامت میں کروں گا۔ ظاہر ہے کہ ائمہ جماعت میں اگر کوئی اختلاف ہوگا تو کسی دنیاداری کی بنیاد پر نہ ہوگا ورنہ یہ اختلاف دنیاداری کی بنیاد پر ہوگا تو انسان خود ہی فاسق ہو جائے گا بلکہ شاید

یہ سوال اس بنیاد پر پیدا ہوگیا ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہے کہ جتنا ثواب
مالک کائنات نماز جماعت پڑھنے والوں کو عنایت کرتا ہے اسی اعتبار سے
نماز جماعت پڑھانے والے کو اجر و ثواب دیتا ہے۔ شاید ہزار مومنین کا
ثواب ایک طرف ہو اور تنہا ایک امام جماعت کا ثواب ایک طرف ہو اور
اگر ایسا ہو تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے اس لئے کہ ماموین نہ اپنی نماز
کے ذمہ دار ہوتے ہیں نہ امام کی نماز کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ نماز جماعت کا
قانون یہ ہے کہ اگر آپ فرادیٰ نماز پڑھتے ہیں تو اپنے سورۂ حمد کے
آپ ذمہ دار ہیں اپنے انا اعطینا۔ قل ھو اللہ کے آپ ذمہ دار
ہیں۔ اپنی رکعتوں کو یاد رکھنے کے آپ ذمہ دار ہیں! اپنے قیام و قعود کے
آپ ذمہ دار ہیں لیکن جب آپ جماعت میں شامل ہوگئے تو نہ حمد کے
ذمہ دار رہ گئے نہ انا اعطینا قل ھو اللہ کے ذمہ دار رہ گئے۔ حد یہ ہے
کہ اب تو رکعتوں کو بھی یاد رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام کھڑا ہو جائے
تو کھڑے ہو جائیے اور امام بیٹھ جائے تو بیٹھ جائیے۔ وہ رکعت کو پہلی قرار
دے تو پہلی سمجھئے وہ رکعت کو آخری قرار دے تو آخری سمجھئے۔ اس
شان امامت بھی یہی ہے کہ امام امام ہوتا ہے چاہے کھڑا ہو جائے چاہے
بیٹھ جائے۔ ظاہر ہے کہ اس جماعت پڑھنے والے کی کوئی ذمہ داری
سر نہیں ہے لیکن جس نے امامت کی ذمہ داری کو تھوڑی دیر کے لئے



سنبھال لیا وہ اپنی نماز کا بھی ذمہ دار ہے کہ اپنی نماز کو یاد رکھے۔ اپنی نماز کو
باقاعدہ طریقہ سے ادا کرے۔ اپنی نماز کے آداب و شرائط کا خیال رکھے
اور اس کے بعد جو پیچھے پڑھنے والے ہیں ان کی بھی ذمہ داری ہے۔ وہ حمد
نہ پڑھیں گے آپکو پڑھنا ہے، وہ سورہ نہ پڑھیں گے آپ کو پڑھنا ہے گویا کہ
ایک ذمہ داری تو ساری جماعت کے حمد و سورہ کی امام کے سر آگئی اور
اس کے بعد مزید ذمہ داری یہ ہے کہ جب کوئی یا اللہ کہہ دے تو گویا یہ وہ زنجیر
ہے جس میں اس نے آپکو گرفتار کر لیا ہے اب جبتک دوبارہ اللہ اکبر کی آواز
نہ آئے کہ آدمی رکوع میں شامل ہوگیا ہے اسوقت تک آپ انتظار
کریں یعنی اپنی ذمہ داری بھی ہے اور جماعت کی ذمہ داری بھی ہے اور یہ
اللہ پروردگار ہے کہ جسکی جیسی ذمہ داری ہوگی اس کا ویسا ہی اجر
ثواب ہوگا۔ جو کسی بات کا ذمہ دار نہ ہو اس کا ثواب اور ہوگا جو پوری
جماعت کا ذمہ دار ہو جائے اس کا اجر و ثواب اور ہوگا۔ اگر یہ بات عالم اسلام
کی سمجھ میں آتی ہے کہ جو دو رکعت کا امام ہو جائے نماز وہ بھی وہی پڑھ رہا
ہے جو سارے لوگ پڑھ رہے ہیں۔ ہزار آدمی شریک جماعت صبح میں
سب کی نماز وہی صبح کی نماز ہے۔ سب کی نماز وہی دو رکعت
سب کا قیام ویسا ہی ہے۔ سب کی قرأت ویسی ہی ہے۔ سب کا رکوع
ویسا ہی ہے۔ سب کا سجدہ ویسا ہی ہے۔ مگر سب کا اجر ویسا نہیں ہے

جیسا امام کا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ عمل ایک جیسا ہوسکتا ہے مگر امام
کا اجرا اور ہوتا ہے قوم کا اجرا اور ہوتا ہے۔ تلوار سب چلاتے ہیں مگر
امت کی تلوار کا ثواب اور ہوتا ہے اور امام کی تلوار کا ثواب اور ہوتا ہے
یہ سب مل کر عبادت ثقلین میں شامل ہوتے ہیں اور وہ اکیلا عبادِ ثقلین
پر بھاری ہوجاتا ہے۔ صَلوَات

(تو میں یہ گذارش کر رہا تھا) کہ یہ مسئلہ عالم فقہ میں پایا جاتا ہے کہ
اگر اختلاف ائمہ پیدا ہو جائے اور ان کی خواہش یہ ہے کہ زیادہ ثواب
مجھے مل جائے اور انکی خواہش یہ ہے کہ زیادہ ثواب مجھے مل جا[ئے]
تو اب ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ دونوں کو امام بنا دیا جائے بلکہ دو میں
کسی ایک کو مقدم کرنا ہوگا۔ اب اس مقدم کرنے کے اسباب کیا ہو[ں]
بہت سے اسباب عالم فقہ میں پائے جاتے ہیں۔ میں ساری باتیں
سنانا چاہتا ہوں۔ ایک مسئلہ جو میرے موضوع سے تعلق ہے وہ ...
کہ اگر فرق علم قائم ہوجائے کہ ایک کا علم زیادہ ہے دوسرے کا علم ...
تو چونکہ مسئلہ مسائل کا ہے۔ شریعت جاننے کا ہے۔ خدا کی بارگاہ ...
اور بندگی کا ہے لہٰذا جسکا علم بہتر ہو اسے مقدم کر دیا جائے لیکن اگر
فیصلہ کرنے والا نہ ہو کہ علم میں کون بہتر ہے یا دونوں کا علم ایک ...
کہا گیا کہ عدالت اور تقوی کو دیکھا جائے جس کا تقوی زیادہ ہو ا[سے مقدم]



کر دیا جائے اس لئے کہ صاحب تقویٰ پر اعتبار زیادہ ہوسکتا ہے۔ اِن
سارے مراحل سے گذرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ اگر علم میں برابر ہوگئے،
تقویٰ میں برابر ہوگئے، ہر اعتبار سے برابر ہوگئے تو آخر میں دیکھا جائے گا
فالاَصبَحُ وَجْھًا زیادہ حسین وجمیل کون ہے؟ ظاہر ہے کہ یہاں کوئی مسئلہ
شادی کا سطے نہیں ہو رہا ہے۔ یہاں نماز جماعت ہو رہی ہے مگر یہ کہا گیا
کہ جسکی شکل وصورت۔ صباحت و وجاہت زیادہ بہتر ہو اسے مقدم کر دیا
جائے کیوں؟ یہی ایک فقرہ ہے جو میرے موضوع سے متعلق ہے اس لئے
کہ انسان کا حسین وجمیل ہونا بھی اس بات کی علامت ہے کہ پروردگار عالم
کی نگاہ کرم اس پر اتنی ہے کہ اس نے معنوی علم وفضل اور تقوی وعدالت کے
ساتھ صباحت وجہ بھی عنایت فرما دی ہے۔ حسن صورت بھی عنایت فرما دیا
ہے تو یہ حسن صورت اللہ کی عنایت و مہربانی کی ایک علامت ہے۔ اب
پروردگار عالم کبھی ایسا ہے کہ یہ مہربانی اس لئے کرتا ہے کہ انسان واقعاً
مہربانی کا حقدار ہے اور کبھی خدا بہت سی مہربانیاں اس لئے کرتا ہے
کہ ... مہربانی کے بعد کرتے کیا ہیں۔ ہمیشہ یہ خیال نہ کریں کہ اللہ نے
اگر آپ کو مال دیدیا ہے تو اس لئے کہ آپ کی اللہ سے رشتہ داری قائم
ہوگئی ہے ورنہ آپ سے پہلا سینیر رشتہ دار تو قارون تھا، آپ سے
پہلا رشتہ دار تو فرعون تھا جسے اتنا مل گیا کہ سارے صاحبان ایمان

میں کسی کو نہ ملا۔ تو کبھی خدا اس لئے بھی دیتا ہے کہ خدا کو اپنے بندہ
سے خاص محبت ہے لہذا اس نے مال دیدیا۔ دنیا دیدی۔ اقتدار
دیدیا۔ ملک عظیم دے دیا۔ سلیمان جیسی حکومت دیدی۔ پیغمبرؐ جیسا اقتدار
دے دیا اور کبھی خدا اس لئے بھی دیتا ہے کہ یہ دیکھیں کہ پانے کے
بعد کرتا کیا ہے اِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ہم کافروں کا گھر
بھر دیتے ہیں۔ ہم انھیں دولت سے نواز دیتے ہیں تاکہ جتنا حوصلہ
گناہ کرنے کا ہو۔ ساری حسرت نکال لیں۔ کسی کافر کو یہ خیال نہ رہ
جائے کہ کاش پیسہ ہوتا تو یہ حرام بھی کر لیتے۔ کاش دولت ہوتی تو
وہ نالائق بھی کر لیتے۔ کاش مال ہوتا تو بندوں کا قتل عام کرا دیتے۔
اللہ نے کہا دولت دیدی ہے۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ دولت پانے
کے بعد تمہارا حال کیا ہوتا ہے لہذا یہ بھی ہوتا ہے وہ بھی ہوتا ہے۔
لیکن بہر حال پروردگار عالم کا یہ کرم تو یقیناً ہے چاہے برائے امتحان
ہو۔ اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ پروردگار عالم کی ایک مہربانی
کہ اللہ معنوی کمالات کے علاوہ انسان کو ظاہری حسن و جمال سے بھی
نوازدے اور جسکی بہترین علامت یہ ہے کہ خدا نے کسی نبی کو نہ کریہ
بنایا ہے اور نہ بدصورت نہ ایسا بنایا کہ جسکو دیکھ کے لوگوں کو نفرت
پیدا ہو جائے کہ نبی بنا کے بھیجا اس لئے ہے کہ لوگ اس کی طرف



متوجہ ہوں۔ لوگ اس کی اطاعت کریں۔ ہر ایک کو حسین بنایا
جمیل بنایا۔ شکیل بنایا۔ اچھے سے اچھا بنایا لیکن سب کے درمیان
ایک ہی کی شہرت زیادہ ہے منزل حسن و جمال میں نہ کہیں یعقوبؑ کا ذکر
آیا ہے نہ کہیں ایوب کا تذکرہ آتا ہے۔ نہ کہیں آدمؑ کا نام کسی نے لیا ہے
نہ کسی نے نوح کا نام لیا ہے۔ نہ کوئی ابراہیم کا ذکر کرتا ہے۔ نہ کوئی اسمٰعیل
کا ذکر کرتا ہے۔ تو انمیں کوئی ایسا نہیں تھا جو شکل و صورت میں نقص
رکھتا ہو لیکن بہر حال ایک کو خدا نے ایسا جمال دیدیا۔ ایسا حسن دیدیا
کہ انبیاء کے درمیان اسی کا حسن و جمال محل ذکر میں آتا ہے۔ نہ حسن آدمؑ
کا نام آتا ہے۔ نہ حسن ابراہیم کا نام آتا ہے۔ اگر نام آتا ہے تو حسن یوسفؑ
کا نام آتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ پروردگار عالم کا دیا ہوا یہ شرف
اور اللہ کی یہ عنایت ایسی ہے جو انسان کو قیامت تک قابل ذکر بنا دیتی ہے
انسان کے حسن و کمال کے چرچے ہوتے رہیں گے۔ اتنا چرچا ہوتا ہے
کہ جب مسلمان نے وجد میں آکے اپنے پیغمبرؐ کی تعریف کی تو وہاں بھی
اسے کچھ نہ ملا سوائے اس کے کہ "حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری"
سرکار آپکے پاس یوسف کا حسن ہے۔ یہ کہنا ہی اس بات کی
علامت ہے کہ پیغمبرؐ سے یوسفؑ کو بہتر سمجھ رہا ہے ابھی تک یہی تصور
ہے اگر انھیں کا حسن اس قابل بنا کہ جسکا ذکر کیا جائے۔ یہ ان کے

جیسے ہوگئے۔ یہی کمال ہے کہ انمیں یوسف کا جمال پیدا ہوگیا ہے تو
پروردگار عالم نے جو عنایتیں انسان کی شامل حال کی ہیں ان میں بہر حال
صباحت وجہہ یا انسان کا حسن وجمال بھی ہے لہٰذا جب کسی انسان
کی شخصیت کا تجزیہ کرنا ہوگا تو جہاں اس کے معنوی کمالات کو دیکھنا
ہوگا وہاں اس ظاہری عنایت پروردگار کو بھی دیکھنا ہوگا جو مالک نے کسی
بندہ کے شامل حال کی ہے۔ یہ مختصر سی تمہید ہے باقی مسائل پر آپ
خود غور کرلیں گے میں اپنے موضوع کو سمیٹ کے آپ کے سامنے
گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سرکار دو عالم کے فضل و
شرف کا ذکر تاریخ نے کیا تو تنہا پیغمبرؐ کے روحانی کمالات کا ذکر نہیں کیا
بلکہ پیغمبرؐ اسلام کے جسمانی کمالات کا ذکر بھی تاریخ میں آیا ہے۔ دو تین
باتیں تو آپ برابر سنا کرتے ہیں!! پیغمبرؐ اسلام کا سایہ نہیں تھا۔ مگر کیا
روح کا کمال ہے؟ روح کا سایہ تو کسی کے یہاں نہیں ہوتا ہے۔
آپ نے کبھی اپنی روح کا سایہ دیکھا ہے؟ کسی آدمی کی روح کا سایہ
کہیں دکھائی دیا ہے؟ تو یہ جو کمال پیغمبرؐ ہے کہ سرکار دو عالم کا سایہ نہیں
تھا۔ کمال جسم پیغمبرؐ ہے سایہ جسم میں ہوتا ہے۔ سایہ روح میں نہیں ہوتا
ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جب پیغمبرؐ کے شرف کا ذکر کیا تو اس
بات کی وضاحت کردی کہ شخصیت کی عظمت میں جیسے روحانی کمالات



شامل ہوتے ہیں ویسے ہی جسمانی کمال بھی شامل ہوتا ہے اور جسم پیغمبرؐ
کا ایک کمال یہ ہے کہ جسم پیغمبرؐ کا سایہ نہیں تھا اگرچہ جسم تھا۔ جسم جسم ہوتا
ہے جسم کا نام روح نہیں ہوتا ہے اور نہ روح کا نام جسم ہوتا ہے۔
لیکن بہرحال جسم پیغمبرؐ کا امتیاز یہ ہے کہ جسم پیغمبرؐ کا سایہ نہیں تھا!!
دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا انسان ہو چاہے منصور و وانیق جیسا صاحب
اقتدار کیوں نہ ہو مگر مکھی ہر ایک کی ناک پر بیٹھ سکتی ہے۔ مکھی ہر ایک کے
جسم پر بیٹھ سکتی ہے۔ مگر سرکارؐ عالم کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ سرکار دو عالم
کے جسم اقدس پر مکھی نہیں بیٹھ سکتی تھی اس لئے کہ یہ جانور ایسا ہے
جو اپنے بیٹھنے کے واسطے کثافتوں کو تلاش کرتا ہے تو جس نے اپنی جگہ
کثافتوں میں تلاش کی ہو اسکی جگہ منزل تطہیر میں کہاں ملے گی۔ یہ بھی
کمال جسم پیغمبرؐ کا ہے۔ تو سایہ نہ ہونا یہ ایک جسمانی کمال ہے۔ مکھی کا
نہ بیٹھنا یہ دوسرا جسمانی کمال ہے!! سرکار دو عالم کے گھر کے اندر ام المومنین
کی سوئی کھو گئی تھی جیسے ہی پیغمبرؐ گھر میں آئے سوئی مل گئی۔ یہ پیغمبرؐ
کی روح کا اثر نہیں تھا۔ یہ پیغمبرؐ کے چہرے اور اس کے حسن وجمال کی
[illegible] اور روشنی کا اثر تھا کہ اندھیرے میں اجالا ہوگیا تو اس کے معنی
یہ ہوئے کہ شخصیت پیغمبرؐ کا ذکر جب بھی آتا ہے تو معنوی کمالات کے
ساتھ جسمانی کمالات کا ذکر بھی آتا ہے (توجہ فرمائیں) میں آپکو جہاں

لے جانا چاہتا ہوں تو شخصیت میں جہاں معنویات کو دخل ہے وہاں جسمانی خصوصیات کا دخل بھی بہر حال ہوتا ہے اس سے کوئی انسان انکار نہیں کر سکتا ہے۔

تو انسانی شخصیت کی برتری کا اندازہ کرنے کے لئے جسمانی کمالات کو بھی دیکھا جاتا ہے جو پروردگار عالم کی عنایت کی نشانی ہیں اور ان روحانی کمالات کو بھی دیکھا جاتا ہے جو انسان نے اپنے وجود کے اندر پیدا کئے ہیں جسکی اتنی مثالیں میں نے آپ کے سامنے گذارش کر دیں ہیں اب زیادہ سلسلۂ کلام کو آگے نہیں بڑھانا چاہتا ہوں بہر حال انسانی شخصیت میں روحانی کمال کے ساتھ جسمانی خصوصیات کا بھی دخل ہوتا ہے۔ یہ لفظ میں نے پھر دہرایا ہے اس لئے کہ سب سے اپنی ہی بات اور اپنا عقیدہ ہی کہہ سکتا ہوں۔ دوسروں کے عقائد کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہے۔ ہم تو اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ جسمانی خصوصیات کا تذکرہ روحانی کمالات کے ساتھ۔ یہ بھی انسان کی عظمت کی نشانی بن جاتا ہے ورنہ ایک ایسی دنیا بھی ہے کہ جہاں روحانی کا ذکر ہی نہیں آتا ہے اور شخصیت کا کل امتیاز ہوتا ہے کہ چہرہ ایسا زلفیں ویسی۔ ہاتھ ایسے۔ نگاہیں ویسی۔ اس کے علاوہ سوائے شعر اور کنگھی کے آپکو کوئی تذکرہ کہیں نظر نہ آئے گا۔ وہ ایک الگ دنیا



لیکن کیا کہنا سرکارؐ دو عالم کی شخصیت کا کہ جن کے روحانی کمالات کے ساتھ ساتھ پروردگار عالم نے آپ کو جسمانی خصوصیات ایسے عنایت فرمائے کہ جنکا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا ہے اور عالم انسانیت میں کوئی ایسا نہیں ہے جسکا قیاس پیغمبرؐ پر کیا جا سکے!! کتنے ہی انسان ہیں جو ہمکو آپ کو دیکھتے رہتے ہیں مگر ہم کو آپ کو دیکھنے سے کسی کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ ہمارے پاس آ کے بیٹھ جانے سے کسی کے کردار پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ کتنے ہی افراد ہم سے ہاتھ ملاتے ہیں مگر انمیں کوئی خصوصیت نہیں پیدا ہوتی ہے۔ کتنے ہی ایسے ہیں جن کے ہمارے تعلقات ہوتے ہیں مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے یہ کمال اللہ نے جسم پیغمبرؐ کو عنایت کیا ہے کہ ایسا چہرہ دیا کہ جو دیکھ لے وہ مسلمان ہو جائے!! بس وہ جذب رکھا کہ جو بیٹھ جائے وہ صحابی ہو جائے پیروں میں وہ بلندی رکھی کہ جس کے کاندھوں پر رکھ دیں وہ ولی ہو جائے چاہے [illegible] میں سے کیوں نہ ہو۔ یہ پیغمبرؐ اکرم کے جسم اقدس کے کمالات ہیں کہ جس پر نگاہ پڑ جائے بیمار شفایاب ہو جائے۔ جس پر ہاتھ رکھ دیں یتیم [illegible] سے احساس یتیمی نکل جائے۔ یہ پیغمبرؐ کے چہرہ کا کمال ہے۔ یہ [illegible] ہاتھوں کا کمال ہے۔ یہ پیغمبرؐ کے پیروں کا کمال ہے۔ یہ زبان [illegible] کہہ دیں تو وحی پروردگار ہو جائے یہ پیغمبرؐ کی زبان کا کمال ہے

لیکن عزیزو! اتنا کہنے کی اجازت دو کہ اتنے خصوصیات رکھنے کے بعد بھی زبان کو نبیؐ کی زبان کہا جاتا ہے۔ ہاتھوں کو نبیؐ کے ہاتھ کہا جاتا ہے پہلو کو نبیؐ کا پہلو کہا جاتا ہے۔ آنکھوں کو نبیؐ کی آنکھ کہا جاتا ہے۔ اب میں اس بندہ کے بارے میں کیا کہوں جسے خدا نے ایسا شرف دے دیا ہو کہ کچھ اپنا نہ رہ جائے۔ اب اس کی آنکھیں اسکی نہیں عین اللہ ہیں اس کے ہاتھ اس کے نہیں ید اللہ ہیں اِسکا نفس اپنا نہیں نفس اللہ ہے۔ اسکا پہلو اپنا نہیں بلکہ جنب اللہ ہے۔ صلوات

تو اگر انسان کا جسمانی حسن و جمال اور انسان کی ظاہری شکل و صورت بھی انسان کی شخصیت کا ایک حصہ ہے تو سرکار دو عالم کے جمال مقدس کا کیا کہنا۔ پروردگار عالم نے نفس پیغمبرؐ کو جو شرف عطا [illegible] اس کی دنیا میں کہاں مثال ہوگی۔ لیکن اس کے بعد اب آیئے تا[illegible] حسینؑ بن علیؑ پڑھئے۔ ایک نہیں متعدد کتابیں میری نگاہ کے سامنے ہیں۔ متعدد حوالے میری نگاہ کے سامنے ہیں کہ جہاں [illegible] بدل بدل کے مورخین نے اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ حسی[illegible] کان اشبہ الناس برسول اللہ۔ ساری کائنات انسانیت [illegible] سب سے زیادہ پیغمبرؐ سے مشابہ حسینؑ تھے۔ بعض روایات میں امام [illegible] اور امام حسینؑ دونوں کو شامل کر کے یہ بیان کیا گیا ہے کہ سرکار [illegible]



کی خدمت میں تقریباً جب پیغمبرؐ کی حیات کا آخری دور تھا تو ان آخری لمحات میں صدیقہ طاہرہ آئیں اور آگے گذارش کی بابا آپ تو دنیا سے جا رہے ہیں یہ بتایئے کہ اپنی جگہ پر اپنے بچوں کو کیا دے کے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ فاطمہؑ زہرا کا سوال بابا سے یہ نہیں تھا کہ کتنا مال چھوڑے جا رہے ہیں۔ کتنا بینک بیلنس چھوڑا ہے۔ کتنی پراپرٹی بچوں کے لیۓ چھوڑی ہے۔ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے یہی دو فرزند دیئے جنکو میرا فرزند قرار دیا گیا ہے لہٰذا جب میں دنیا سے جاؤنگا تو میں اپنے حسن و جمال کا وارث بنا کے جاؤں گا۔ چنانچہ پیغمبرؐ نے اپنی چار صفتوں [illegible] کیا۔ کہا یہ دو صفتیں ہیں جنکو میں حسنؑ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں اور دو صفت وہ ہیں جنکو میں حسینؑ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں۔ جنکو [illegible] میں اس شکل میں بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام سے حسنؑ [illegible] کر کمر تک زیادہ مشابہ تھے اور استقامت کے اعتبار سے پیغمبرؐ [illegible] زیادہ مشابہ تھے۔ بہر حال وارث پیغمبرؐ ہونے کے اعتبار سے [illegible] پیغمبرؐ ہیں اور ذاتی کمالات کے اعتبار سے بھی اشبہ الناس [illegible] اللہ پیغمبرؐ سے سب سے زیادہ مشابہ حسینؑ بن علیؑ ہیں۔ یہ تو [illegible] ہوئی سند ہے اپنے بیٹے کو جو آپ سنتے رہتے ہیں۔ [illegible] ساری دنیا میں پیغمبرؐ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے اور ہونا

بھی چاہیئے بالاخر علی اکبرؑ حسینؑ ہی کے بیٹے تو ہیں۔ جیسے باپ ساری کائنات میں سب سے زیادہ پیغمبرؐ سے مشابہ تھا اسی طرح اس کا بیٹا بھی اسی کمال کا مالک ہے غیر کے گھر میں ایسا فرزند پیدا ہو جائے تو تعجب ہوگا اس گھر میں پیدا ہو جائے تو کیا حیرت کی بات ہے۔ صلواۃ

تو اگر پیغمبرؐ اسلام کے جسمانی خصوصیات کو تاریخ نے پہچنوا دیا ہے اور دنیا نے پہچان لیا۔ ہے تو وہ انسان جو اشبہ الناس برسول اللہ سب سے زیادہ پیغمبرؐ سے مشابہ ہوگا اس کے کمال کا کیا کہنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا ہے کہ کوئی پیغمبرؐ سے اتنا مشابہ نہیں تھا جتنا نواسۂ رسولؐ حسینؑ بن علیؑ تھے!! یہ میری گفتگو کا ایک رُخ تھا۔ دوسرا رُخ معنوی اور روحانی اعتبار سے شخصیت کا کمال ہے اور اس سلسلہ میں میں دو باتیں گذارش کرنا چاہتا ہوں معنوی کمالات کی بھی دو قسمیں ہیں بعض کمالات وہ ہیں جو صرف بندوں کی حد تک محدود ہیں کہ اگر یہ کمال بندے میں پیدا ہو جائیں تو اس سے زیادہ باکمال کوئی بندہ نہیں ہے لیکن بعض کمالات معنوی ایسے ہیں جو بندہ سے لے کر خدا تک ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ بندہ میں پائے جاتے ہیں تو اسکی اوقات کے مطابق اور خدا میں پائے جاتے ہیں تو اس کی ذات کے مطابق۔ مثال کے طور پر



کے صفات میں بچوں نے دینیات میں پڑھا ہے کہ خدا عالم ہے تو عالم اسے بھی کہا جاتا ہے جو عام طور پر علم رکھتا ہو۔ خدا قادر ہے تو قادر اسے بھی کہا جاتا ہے قادر آپ کو بھی کہا جاتا ہے۔ خدا متکلم ہے۔ متکلم وہ بھی ہے متکلم بندہ بھی ہے۔ خدا صادق ہے۔ سچا وہ بھی ہے سچا یہ بھی ہے خدا مُدرک ہے۔ ادراک وہاں بھی ہے ادراک یہاں بھی ہے۔ خدا مرید ہے ارادہ وہاں بھی ہے ارادہ یہاں بھی ہے مگر اتنا بنیادی فرق بہر حال ہے کہ خدا کا علم اس کی ذات کے مطابق ہے اور بندہ کا علم اس کی اوقات کے مطابق ہے۔ خدا کی قدرت اس کی ذات کے مطابق ہے بندہ کی قدرت اس کی اوقات کے مطابق ہے۔ خدا کی حیات اس کی ذات جیسی ہے بندہ کی حیات اس کی اوقات جیسی ہے۔ یہ دو لفظیں یاد رکھئے گا ورنہ خدا جانے کسکو خواب میں کہاں شرک دکھائی دے جائے یہ سارے معنوی کمالات وہ ہیں جو خدا میں بھی ہیں اور بندہ میں بھی ہیں اور شاید اسی لئے اسلام نے اپنے عقائد کو بیان کرنے میں جب اپنے معبود کا تعارف کرانا چاہا تو ان کمالات کا ذکر کر دیا تاکہ انسان کو یہ تو معلوم رہے کہ کمال کہتے کسے ہیں۔ ہم نے صفات الٰہی کو پڑھایا ہمارے بچوں نے دینیات کی پہلی کتاب پڑھی تو یہ معلوم ہوگیا کہ کمالات کی ایک فہرست ہے ان کمالات میں علم شامل ہے ان کمالات میں قدرت شامل ہے۔ ان کمالات میں حیات

شامل ہے۔ ان کمالات میں ادراک شامل ہے۔ ان کمالات میں ارادہ شامل ہے۔ ان کمالات میں تکلم شامل ہے۔ ان کمالات میں صداقت شامل ہے۔ ہم نے خدا کو پہچانا تو انھیں کمالات کے ذریعہ کہ خدا قدیم ہے۔ عالم ہے۔ عادل ہے۔ حی ہے۔ مدرک ہے۔ مرید ہے۔ متکلم ہے۔ صادق ہے۔ گویا ان صفات کے دوہرے فائدے تھے۔ ایک فائدہ تو یہ تھا کہ ان صفات سے کمال خدا پہچان لیا اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان صفات کو پڑھ کے یہ معلوم ہوگیا کہ کمال کسے کہتے ہیں۔ گویا علم کمال ہے جہالت نہیں۔ قدرت کمال ہے عاجزی نہیں۔ حیات کمال ہے موت نہیں۔ ادراک کمال ہے اندھا ہونا نہیں۔ ارادہ کمال ہے عاجزی نہیں۔ متکلم ہونا کمال ہے گونگا ہونا نہیں۔ صادق ہونا کمال ہے جھوٹا ہونا نہیں۔ اس طرح معرفت خدا بھی حاصل ہوگئی اور معرفت کمال بھی حاصل ہوگئی۔ گر یہ معنوی کمالات وہی جنھیں ہم نے وہاں سے پہچانا۔ اب اس کے بعد جب اپنی دنیا میں آئے یہ دیکھا کہ کمال کسے کہتے ہیں تو علمائے نفس نے نفسانی کمالات کی ایک طویل فہرست بیان کر دی۔ میں سب گذارش نہیں کرونگا۔ صرف ذات نے سات باتوں کا ذکر کیا ہے تو یہاں بھی اتنا ہی مختصر تذکرہ کروں گا کہ دونوں عدد مل کے مکمل طور پر بابرکت ہوجائیں۔ صلوات

بندوں کی دنیا میں جو کمالات انسان میں پائے جاتے ہیں ان میں



سب سے بڑا کمال جس سے بڑا کوئی کمال نہیں ہے اسکا نام ہے قوت ارادہ ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہمارے پاس دنیا کی ہر خوبی آگئی مگر ارادوں کی قوت نہیں آئی اور اسی لئے اسلام نے قوت ارادی کا اتنا تحفظ کیا ہے کہ ہر وہ چیز جس سے انسان کے ارادہ کی قوت کمزور پڑتی ہو اسے مکروہ یا حرام بنا دیا کہ وہ کوئی ایسا مسلمان نہیں دیکھنا چاہتا ہے کہ جس کے ارادہ میں دم نہ ہو۔ یہ روز عاشور فاقہ کیوں مستحب ہے؟ یہ فاقہ کا مطالبہ روز عاشور کیوں ہے اس لئے کہ حالات اتنے سنگین ہیں کہ انسان رات بھر کا جاگا ہوا ہے سوگوار ہے، عزادار ہے آنسو بہا رہا ہے زحمتیں برداشت کر رہا ہے گرمی کا زمانہ بھی ہوسکتا ہے آفتاب کی تمازت بھی ہوسکتی ہے! ایسے وقت میں انسان کا جی چاہتا ہے کہ پانی پی لے مگر اسلام نے فاقہ کا مطالبہ کر دیا تاکہ بندوں میں ارادہ کی قوت پیدا ہو۔ اسی طرح ایک مہینہ کا روزہ واجب کر دیا تاکہ بندہ میں ارادہ کی قوت پیدا ہو کر لاکھ بھوک لگے روزہ دار کھانا نہیں کھا سکتا لاکھ پیاس کا احساس کیوں نہ ہو روزہ دار پانی نہیں پی سکتا ہے۔ یہ ایک مہینہ کا روزہ درحقیقت انسان کے ارادہ کی قوت کی تربیت ہے تاکہ مسلمان میں یہ عزم پیدا ہوجائے کہ کھانا ملے یا نہ ملے اسلام مجروح نہیں ہوسکتا ہے پانی ملے یا نہ ملے اسلام زخمی نہیں ہوسکتا ہے اس کے بعد ایک تربیت

اپنی بارگاہ میں بلا کے مسلمان کو دی ہے جس کا نام ہے حج بیت اللہ
وہ بھی انسان کے ارادہ کی تربیت ہے کہ خوشبو آ رہی ہے سونگھو نہیں
بدبو آ رہی ہے ناک بند نہ کرو۔ جانور ستا رہے ہیں ہٹاؤ نہیں۔ دھوپ
لگ رہی ہے سایہ میں مت جاؤ۔ اتنا بڑا مجمع ساری کائنات سے لاکھوں
میں اکٹھا ہو گیا ہے مگر اپنے ڈریس کی فکر مت کرو۔ یہ کیا ہے یہ سب قوت
ارادی کی تربیت ہے یعنی بندہ خدا کی بارگاہ میں ایسی بندگی پیش کرنا چا
ہے جہاں کسی کا خیال نہیں سوائے حکم پروردگار کے۔ اور اس کے مقا
میں خدا نے شراب کو حرام کیا؟ کہ شرابی ہر وقت یہ سمجھتا ہے کہ بڑا مزہ آتا
بڑی لذت ہے۔ بڑا نشاط ہے۔ بڑی کیفیت ہے۔ بڑا سرور ہے۔ گویا ایک
حماقت کے سینکڑوں نام ہیں لیکن آخر میں نتیجہ کیا ہے کہ جب کسی نے کہا
دیجئے۔ کہنے لگے چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی ۔ وہ کافر نہیں
لگی ہوئی ہے یہ آدمی کافر ہو گیا ہے ورنہ اگر کہیں روح اسلام اس کے ا
ہوتی تو جس دن خدا نے کہہ دیا چھوڑ دو۔ چھوڑ دیتا (توجہ کر رہے ہیں)
چیز جو انسان کے ارادہ کی قوت کو کمزور بنا دے اسلام نے اسے یا
بنایا ہے یا کم سے کم مکروہ قرار دیا ہے۔ کیوں! ہم ارادوں کی قوت کو اتنا
بنا چکے ہیں کہ دو ہفتے کسی کو سگریٹ پلا دیجئے اور اس کے بعد کہئے
اب چھوڑ دیجئے۔ تو کہنے لگتا ہے کہ اب نہیں چھوٹ سکتی ہے تو جب ا



ارادہ میں اتنا دم بھی نہیں ہے تو آپ کس بات کے مسلمان ہیں؟۔ یہ
کون سی ایسی چیز ہے کہ بغیر اس کے مر جائیں گے۔ یہ روٹی تو نہیں ہے۔
یہ پانی تو نہیں ہے۔ کہ کھانا نہ کھائیں گے تو مر جائیں گے۔ پانی نہ پئیں گے
تو مر جائیں گے۔ صرف ایک ارادہ کرنا ہے ابھی سوچ لیجئے نہیں تو نہیں ۔
ابھی سوچ لیجئے ہاں تو ہاں۔ لیکن ہر طرف سے اعلان ہو رہا ہے کینسر کا خطرہ
ہے۔ بیماری کا اندیشہ ہے۔ مر جاؤ گے۔ قیامت آجائے گی۔ مگر کوئی اثر
نہیں ہے تو کیا انسان کینسر میں مبتلا ہونا چاہتا ہے۔ کیا کینسر میں مرنا چاہتا
ہے! پاگل ہو گیا ہے۔ نہیں ایک عادت نے ارادہ کو اتنا کمزور بنا دیا ہے
چھوڑنے کی ہمت نہیں رہ گئی ہے۔ آپ جہاں چاہئے اپنی زندگی کا جائزہ
لیجئے۔ کوئی چائے کا عادی ہے کہ اب ایک پیالی چائے نہ ملے تو اونگھ
ہیں۔ تو کیا مسلمان ایسا ہی ہوتا ہے کہ یہاں بیداری چائے سے پیدا
اسلام نے ایسا ہی مسلمان بنایا ہے؟ یہ تو چائے کے بنائے ہوئے
ہیں۔ اسلام نے ایسا کوئی مسلمان نہیں بنایا تھا جسے شراب مل جائے
ہو جائے اور شراب نہ ملے تو اونگھنے لگے۔ اسلام چاہتا ہے کہ
کے اندر اتنی قوت ارادی ہو کہ جس چیز کو چھوڑنا چاہے اسی وقت
ایک لمحہ کی تاخیر نہ ہونے پائے اور صدر اسلام میں ایسے
موجود تھے کہ جیسے ہی شراب کے حرام ہونے کا قانون آیا سب نے

شراب کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ کب کے پینے والے اور کیسے کیسے پینے والے تھے مگر جن کے پاس ارادہ کی کوئی طاقت رہ گئی تھی یا اسلام کے عقیدہ نے ارادہ کی قوت پیدا کر دی تھی انھوں نے چھوڑ دیا اور جنکا اسلام بھی خالی زبانی تھا وہ تاویلیں تلاش کرتے رہ گئے۔ اللہ نے یہی تو کہا ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ بہر حال انسان کی سب سے بڑی صفت اور اس کا سب سے بڑا روحانی کمال یہ ہے کہ اس کے پاس ارادہ کی قوت ہو آپ جہاں تک چاہیئے اپنی زندگیوں کا حساب لگا لیجئے آپکو اندازہ ہو جائے گا کہ ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہمارے پاس ہو سکتا ہے کہ لشکروں کی طاقت ہو۔ پیسے کی طاقت ہو۔ خاندان کی طاقت ہو۔ دوستوں کی طاقت ہو مگر یہ سب بیکار ہیں اگر ارادہ کی طاقت نہیں ہے۔ اگر میری بات واضح نہیں ہے تو ایک جملہ گذارش کر رہا ہوں جس سے سب واضح ہو جائے گی کہ اگر انسان میں ارادہ کی طاقت ہے تو ساری طاقتیں الگ ہو جائیں وہ ثابت قدم رہ سکتا ہے لیکن اگر ارادہ کمزور ہے تو جب تک طاقتیں سہارا دیتی رہیں گی آگے بڑھتا رہے گا اور جہاں سہارا دینے والوں نے ساتھ چھوڑ دیا پھر نظر نہ آئے گا۔ آپ ایک دن ہی میدان میں وہ منظر دیکھ لیجئے کہ جب لشکر میدان سے چلا تو سردار بھی چل دیا۔ کیوں اس لئے کہ سردار بھی لشکر ہی جیسا ہے نہ ان کے پاس ارادہ کی



طاقت ہے نہ ان کے پاس ارادہ کی طاقت ہے مگر جس کے پاس ارادہ کی طاقت تھی جب نبی نے علم دے دیا تو مڑ کے بھی نہ دیکھا کہ لشکر آرہا ہے یا نہیں۔ صلوات

(بس عزیزان محترم میں بات کو سمیٹنا چاہتا ہوں۔ آپ اہل نظر ہیں تفصیلات کو خود پہچان لینگے) تو انسانی زندگی کا انسان کے معنوی کمالات کا پہلا رُخ ہے قوت ارادہ۔ اسی سے ایک دوسری طاقت پیدا ہوتی ہے جسکا نام ہے صبر۔ صبر بھی وہی کر سکتا ہے جس کے پاس ارادہ کی طاقت ہو۔ پھر اسی طاقت سے تیسرا کمال پیدا ہوتا ہے جسکا نام ہے شجاعت کہ میدان میں بھی وہی آگے بڑھ سکتا ہے جس کے پاس ارادہ کی طاقت ہو اور اسی سے چوتھا کمال پیدا ہوتا ہے جس کا نام ہے صلابت رای۔ رائے کا ٹھوس ہونا ہے جو کہدیا وہ کہدیا۔ جو طے کر لیا وہ طے کر لیا اور اسی ارادہ سے پانچواں کمال پیدا ہوتا ہے جس کا نام ہے صراحت لہجہ کہ انسان واضح طور پر بات کہہ سکے۔ نہ لگی نہ لپٹی۔ نہ تکلف نہ مروّت۔ جو بات ہے بے تکلف اسے کہدیا جائے اور اسی کا آخری کمال ہے انکار باطل کہ حق کا علی الاعلان اظہار کیا جائے اور باطل کا علی الاعلان انکار کیا جائے!! یہ سات کمالات ہیں جو انسان کے نفس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ قوت ارادہ ایک کمال ہے۔ صبر دوسرا کمال ہے۔ شجاعت تیسرا کمال ہے۔

صلابت رائے چوتھا کمال ہے۔ صراحت لہجہ پانچواں کمال ہے۔ انکار باطل
کی طاقت چھٹا کمال ہے۔ اظہار حق کی قوت یہ ساتواں کمال ہے۔ تو
سات کمالات ہم نے اُدھر سے سیکھے سات کمالات علما، نفس سے سیکھے
اگر یہانتک آپ کے ذہن میرے ساتھ چلے ہیں تو اب تفصیلات میں جانے
کی ضرورت نہیں ہے اب آیئے شخصیت حسینؑ کا جائزہ لیں اور کمال حسینؑ
کو پہچانیں۔ اب جو کمالات کی منزل میں حسینؑ کو سامنے رکھ کے دیکھا
تو ایک ایک کمال کو ملایئے !! وہ عالم تھا تو اتنا علم دے دیا کہ گہوارہ سے
لوح محفوظ کا مطالعہ کرلے۔ وہ صاحب اختیار تھا تو اسے اتنی طاقت
دیدی کہ کائنات کو جب چاہے زیر و زبر بنا دے۔ وہ زندہ تھا تو ایسی
حیات دے دی کہ سر کٹ جائے حیات میں فرق نہ آنے پائے۔
مدرک تھا بغیر کان کے سنتا تھا اور بغیر آنکھ کے دیکھتا تھا تو بندے کو
ایسا بنا دیا کہ چاہے مادی طاقتیں ساتھ نہ دیں لیکن ادراک میں فرق
نہ آنے پائے۔ وہ مرید تھا تو بندے کو ایسا ارادہ والا بنا دیا کہ اس
ارادہ کی راہ میں کوئی چیز حائل نہ ہوسکے۔ وہ متکلم تھا تو ایسا
بنا دیا کہ نیزہ پر سر آجائے تو تلاوت قرآن کرے۔ وہ صادق تھا تو
سچا بنا دیا کہ دشمن بھی اسکی صداقت لہجہ کا اقرار کرے۔ صلوات
تو عزیزان محترم اگر کمالات کو اُدھر سے دیکھنا ہے تو پروردگار نے



اپنے کمالات کا ایک نمونہ عالم انسانیت میں حسینؑ بن علیؑ کی شخصیت کو
قرار دیا ہے اور اگر یہاں کے کمالات نفس کا جائزہ لینا ہے تو پوری
تاریخ کربلا حسینؑ کے کمالات کے کھلا ہوا اعلان ہے۔ ایسی قوتِ ارادی کہ
طے کرلیا دنیا کی کوئی طاقت اس ارادہ سے حسینؑ کو روک نہیں سکی
[illegible] سا زور تھا جو درمیان میں نہیں آیا۔ خزانوں نے روکا، فوجوں نے روکا
[illegible] عمر نے نہیں روکا۔ یا سن وسال نے نہیں روکا۔ یا مشوروں نے نہیں
[illegible] یا اندیشوں نے نہیں روکا۔ ہر ایک روکنے کے لئے سامنے دیوار بن
کر کھڑا ہوگیا ہے مگر حسینؑ کے ارادہ کی قوت میں کوئی فرق نہیں آیا
[illegible] کہا ہے یہ قوت ارادی ہے جو کمال نفس کی منزل میں ہے کمال
[illegible] ت ہے اس کے بعد اگر صبر کو دیکھنا ہے تو صبر ایوبؑ بھی ایک منزل
[illegible] کا ہوا ہے۔ صبر ابراہیمؑ ایک منزل پر ٹھہرا ہوا ہے کہ جہاں صرف
[illegible] کی ناتمام قربانی پیش کی ہے لیکن صبر حسینؑ کا جواب کہاں ہوگا۔
[illegible] گھر لٹانے کے بعد بھی قوت صبر میں کوئی فرق نہیں آنے پایا ہے۔
[illegible] کا کمال دیکھنا ہے تو سب نے تو اسوقت جہاد کیا ہے جب
[illegible] افراد تھے۔ جب کم سے کم حسینؑ کا سہارا تھا لیکن حسینؑ
[illegible] کٹ گئے ہیں جب کوئی سہارا نہیں رہ گیا تھا یہ کمالِ شجاعت
[illegible] تھا۔ پھر اگر حسینؑ کی صراحت لہجہ کو دیکھنا ہے تو جہاں سارا

عالم اسلام خاموش سر جھکائے بیٹھا تھا وہاں سوائے حسینؑ کے کو
والا نہیں تھا جب شام کے حاکم نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو
ولیعہد بنانا چاہا اور یہ چاہا کہ زندگی میں یزید کے واسطے بیعت لے ل
تو بیعت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پہلے دربار شام میں بیعت لی گئی جو اس
اپنا علاقہ تھا اور جہاں بیعت کرنے والوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ سبھی
کی روٹی پر پل رہے تھے اس کے بعد یہ فکر پیدا ہوئی کہ ابھی عا
کے تین مرکز باقی رہ گئے ہیں۔ کوفہ والوں کو کیسے ہموار کیا جا
والوں کو کیسے بیعت یزید میں شامل کیا جائے ۔ مکہ والوں کو
قابو میں لایا جائے۔ لہٰذا اس کے انتظامات ہوئے۔ میں ان تفا
میں نہیں جانا چاہتا۔ کتابوں میں تفصیلات آپ خود پڑھ لیں
ہوا وہاں سے کہ جہاں مغیرہ بن شعبہ نے چند افراد کو بھیجا حاکم شا
بیعت یزید کا اظہار کرنے کے لئے اور انھیں تیس ہزار انعام د
تاکہ وہاں جا کے کہیں کہ حضور ہماری نگاہ میں یزید سے بہتر عا
ذمہ دار کوئی نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں آپ اسکی خلافت کا ا
ہم اسکی بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور جب دو آدمیوں
کے بھیجا تو اپنے بیٹے کو ساتھ بھیجا جیسے قربانی کے جانور کو
لے کر جا رہا ہے اور کیا حسینؑ تاریخ اسلام ہے اور کتنی بھی



کہ جیسے ہی شام کے حاکم کے سامنے مغیرہ کا بیٹا ان دو آدمیوں کو لے کر
پہونچا حضور یہ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ اپنی زندگی
میں اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولیعہد اور مسلمانوں کا حاکم بنا دیں تو زیادہ مناسب
رہے گا تاکہ آپ کے بعد کوئی جھگڑا اور فتنہ و فساد نہ ہونے پائے اس لئے
کہ پورے عالم اسلام میں یزید جیسا صاحب فضل، صاحب کرامت، صاحب
کمال، صاحب صلاحیت کوئی نہیں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ اسکی
خلافت کا اعلان کر دیں اور ہم لوگ اپنی قوم کا پیغام لے کے آئے ہیں
جیسے ہی آپ اعلان کریں گے ہم سب بیعت کے لئے تیار ہیں۔ یعنی سارا
کوفہ آپ کے قبضہ میں آجائے گا۔ خالی آپ کے اعلان کرنے کی دیر ہے
وہ بھی کتنا سمجھدار، ہوشیار تھا کہ اس نے مغیرہ کے بیٹے سے صرف ایک
سوال کیا جو تاریخ میں موجود ہے اس لئے کہ تاریخ بڑی غیرت دار ہے
سوال یہ ہے کہ بکم اشتری ابوک دینھما یہ بتاؤ کہ تمھارے
باپ نے ان دونوں کا دین کتنے میں خریدا ہے!! ایک لفظ ہے تاریخ
میں اسے یاد رکھیےگا کام آئے گا۔ تمھارے باپ نے ان دونوں کا دین
کتنے میں خریدا ہے!! اس نے کہا "ثلاثین" تیس ہزار میں!! حاکم شام نے
کہا کیا ذلیل آدمی ہے جو دین بیچ ڈالے تیس ہزار میں۔ کتنا معمولی وہ
دین ہے جو تیس ہزار میں بک جائے یعنی بجائے اس کے کہ قدردانی

کرتا کر آئے ہیں اپنے بیٹے کو حاکم اسلامی بنانے کے واسطے۔ اس نے
اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا کہ یہ خالی دین کا سودا ہوا ہے اور کچھ نہیں
ہے لیکن نہ جانے قدرت کا کیا انتظام تھا کہ یہ بات تو کسی لفظ میں پوچھی
جا سکتی تھی۔ اشاروں میں پوچھ لیتے کہ انھیں کچھ دیا گیا ہے یا انھیں کچھ دینا
ہے۔۔ یہی پوچھ لیا جاتا کہ اتنی دور سے آئے ہیں کچھ سفر خرچ کے طور پر تمھارے
باپ نے انکو دیا ہے یا نہیں دیا ہے؟ اگر نہیں دیا ہے تو بیچاروں کی جیب
میں کچھ نہ ہوگا ہمیں کچھ دس پانچ درہم دے دیں۔ کچھ نہیں صاف سوال
کہ یہ بتاؤ تمھارے باپ نے انکا دین کتنے میں خریدا ہے (میں اس لفظ
کو بلا وجہ نہیں دہرا رہا ہوں) میرے بچے میرے تمام سننے والے اس حقیقت
کو پہچانیں یعنی بیعت یزید ایک مسئلہ ہے جسکو حاکم شام بھی دین [illegible]
سودا کہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دین بیچنا ہے تو یزید کی بیعت [illegible]
اور دین بچانا ہو تو بیعت سے انکار کرو۔ صحابیت زادوں کا کام تھا [illegible]
علیؑ کے لال کا کام تھا دین کا بچانا۔ صلوات

اس کے بعد جب شام کا حاکم مکہ اور مدینہ کی طرف متوجہ ہوا [illegible]
ہے کہ وہاں بھی پانچ آدمی اتنے بڑے بڑے تھے جن کے بارے [illegible]
تھا کہ یہی کچھ بول سکتے ہیں باقی سب تو معلوم ہیں لہذا ان پانچ [illegible]
کے لئے کوئی انتظام ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب محفل میں داخل [illegible]



ساتھ جو محافظ باڈی گارڈ لے کر آیا ہے۔ ہر آدمی کے سرہانے دو محافظ مع
تلوار کے کھڑے کر دیئے اور اشارہ کر دیا کہ میں بیعت یزید کا مسئلہ چھیڑنے
جا رہا ہوں اگر کوئی سانس بھی لے لے چاہے ہاں کہے چاہے نہیں۔ تو
گلا کاٹ دیا جائے۔ اب ہر ایک دیکھ رہا ہے کہ ہمارے سر پہ دو تلواریں لٹک
رہی ہیں۔ دو آدمی تلوار لئے کھڑے ہیں اس کے بعد اعلان کیا۔ مسلمانوں کا
مجھ سے مطالبہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں مسلمانوں کے مستقبل کا انتظام
کر کے جاؤں یہ لوگوں کا تقاضا ہے۔ لوگوں کی خواہش ہے۔ اور لوگوں
نے بیعت بھی کر لی ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو بھی باخبر
کر دوں کہ میں نے اپنے بیٹے یزید کو عالم اسلام کا حاکم بنا دیا ہے!!! اب جو
بھی سر اٹھانا چاہتا ہے اسے تلوار دکھائی دے رہی ہے اور جنکا حال یہ ہو
[illegible] کی تلوار کے خوف سے محفل پیغمبرؐ میں سر نہیں اٹھتا ہے تو اگر تلوار
[illegible] سر کے اوپر ہو تو اس قوم کا سر کہاں اٹھے گا۔ سب خاموش ہیں
[illegible] یزید طے ہو گئی۔ اب اس کے بعد وہاں سے نکل کے جب دوسرے
[illegible] تو اعلان کر دیا کہ عالم اسلام کے جو بڑے بڑے لوگ تھے سب
[illegible] بیعت کو قبول کر لیا ہے اور کسی ایک نے انکار نہیں کیا ہے۔
[illegible] المسلین ہو گیا ہے لیکن جب فرزند رسول الثقلین نے یہ منظر
[illegible] کی بزدلی اور قوت ارادہ کی کمزوری سے حاکم شام نے یہ

فائدہ اٹھایا۔ کہ یزید کو عالم اسلام کا حاکم بنانا چاہتا ہے۔ تو بھی وقت تھا
صراحت لہجہ کے اظہار کا۔ اظہار حق کا، انکار بیعت کا مسئلہ بعد میں آنے کا
بیعت کا مطالبہ ہوگا۔ انکار بیعت سے پہلے لہجہ کی صراحت کا موقع تھا
امام حسینؑ نے واضح لفظوں میں کہہ دیا کیا یزید حاکم بنایا جائے گا؟ کون
یہ کس یزید کا ذکر ہو رہا ہے؟!! اما یزید یہ یزید جسکو لوگ جانتے ہیں
یہ یزید جو تیرا بیٹا ہے؟ یہ تو فاسق ہے۔ یہ شارب الخمر ہے۔ یہ لاعب القرد
بندر نچانے والا ہے۔ یہ تو ایسا ہے۔ یہ تو ویسا ہے۔ کیا ایسا انسان حاکم
عالم اسلام ہو سکتا ہے!! جہاں کسی بھی زبان میں جنبش نہیں ہو سکتی
تھی جہاں کوئی سانس نہیں لے سکتا تھا۔ تنہا ایک حسینؑ بن علیؑ تھے
جنھوں نے اس حقیقت کا اعلان کیا اور ہر نتیجہ سے بے پرواہ ہو کے
اعلان کیا یہ جو ہم واقعات کربلا کے ذیل میں انکار بیعت کی صدا سنتے ہیں
یہ تو بہت بعد کا مرحلہ ہے۔ سب سے پہلے عالم اسلام کے سامنے کوئی
یہ کہنے والا پیدا ہو کہ بلا وجہ منکر نہیں ہوں (بس میں بات تمام کر رہا
ہوں) ورنہ تنہا اگر انکار بیعت ہوتا تو لوگ کہتے کہ ضد تھی۔ خاندانی ضد
تھی۔ بنی ہاشم و بنی امیہ کا جھگڑا تھا لہٰذا انہیں ماننا چاہتے تھے
حسینؑ نے کہا میرے نہ ماننے کی بنیاد یہ ہے کہ یہ فاسق ہے۔ حاکم نہیں
ہو سکتا ہے۔ یہ شرابی ہے حاکم نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ بے دین ہے۔ حاکم



تاکہ فیصلہ عالم اسلام میں ہو جائے اور دونوں اسلام الگ
وہ اسلام جسمیں فاسق حاکم نہیں ہو سکتا ہے۔ شرابی حاکم
بے ایمان حاکم نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اسلام جسمیں ہر ایک کے
کی گنجائش ہے تاکہ مستقبل حسینؑ کے دین کو الگ کر دے اور
کے دین کو الگ کر دے۔ صلوات

حق و باطل کا ایسا فیصلہ ہو جائے کہ مستقبل میں خواجہ اجمیر کو یہ کہنے
۔ دین است حسینؑ۔ دین پناہ است حسینؑ۔ حسینؑ نے دین کو
ورنہ دین تو بک رہا تھا۔ دین تو مٹ رہا تھا۔ دین تباہ ہو رہا تھا
سولؐ الثقلین نے اس دین کو بچالیا اور جب بچانے کے لئے اٹھے
نے اشارہ کیا تھا کہ اس جذبہ کے ساتھ اس حوصلہ کے ساتھ کہ جسکو
پہلے سب انھیں کمالات کے مرقع تھے۔ سب انھیں کمالات
تھے۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ مردوں میں قوت صبر زیادہ ہوتی
مردوں میں قوت ارادی زیادہ ہوتی ہے مردوں میں شجاعت
ہوتی ہے۔ عورتوں میں اتنی ہمت نہیں ہوتی ہے۔ مگر حسینؑ جن کو
لائے تھے اور فرزند رسولؐ نے جنکا انتخاب کیا تھا وہاں چاہے
ن کی تاریخ پڑھو چاہے عورتوں کی تاریخ پڑھو وہی شجاعت قلب وہی
صبر۔ وہی قوت ارادہ۔ میں ان شہزادیوں کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جو

علیؑ و فاطمہؑ کی گود کی پلی تھیں ______ میں ان کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جو حسینؑ کی ہمشیر سمجھی جاتی تھیں۔ میں ان عورتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جنکا اس خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر خاندان کی وابستگی نے اور حسینؑ کی خدمت نے اتنی قوت ارادی پیدا کر دی اور صبر و شجاعت کا وہ حوصلہ پیدا کر دیا جو کائنات میں کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ ابھی کل ہی تو کلمہ پڑھا ہے۔ ابھی چار دن پہلے ہی تو عالم اسلام میں قدم رکھا ہے مگر حسینؑ کے ساتھ رہنے کا اور چند روزہ ساتھ کا یہ اثر ہے کہ خواتین کی کیفیت کچھ اور ہو گئی ہے کہ جہاں مردوں کی ہمتیں، حوصلے جواب دے جائیں، وہاں خواتین کے حوصلے دیکھنے کے قابل ہیں۔ وہ ماں جو اپنے لال کا عقد کرنے کے بعد بہو کو لیکر اپنے گھر جا رہی ہے۔ سوچئے ایک طرف جوان بیٹے کا حوصلہ۔ ایک طرف خاتون کے جذبات اور ایک طرف ماں کی ماتنا۔ یہ چھوٹا سا قافلہ اس شان سے جا رہا ہے مگر ایک مقام پر قافلہ ٹھہرا تو جیسے ہی ماں کی نگاہ پڑی کہ ایک قافلہ اور بھی ہے۔ یہ تو صرف تین آدمیوں کا قافلہ ہے مگر یہ دوسرا قافلہ تو ایک بڑا قافلہ دکھائی دیتا ہے۔ اسمیں عورتیں بھی ہیں۔ بچے بھی ہیں۔ بزرگ بھی ہیں۔ گرمی کا زمانہ۔ ریگستان کا سفر۔ یہ قافلہ کہاں جا رہا ہے؟ بیٹا ذرا جا کے دریافت کرو کہ یہ کون لوگ ہیں جو اس گرمی کے زمانہ میں گھر سے نکل



پڑے ہیں؟ یہ کہاں جا رہے ہیں؟ بیٹا آیا صورت حال کو دریافت کیا۔ جب پلٹ کے آیا۔ کہا اماں بڑے غضب کی خبر لے کے آیا ہوں۔ زمانہ اتنا منقلب ہو گیا ہے کہ یہ نبیؐ کے نواسہ کا قافلہ ہے۔ امت نے نواسے کو نانا کے مدینہ میں رہنے نہیں دیا۔ اب حسینؑ وطن چھوڑ کر نکل پڑے ہیں حرم خدا میں پناہ نہیں ملی ہے۔ اب یہ قافلہ کہاں جا رہا ہے؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا ہے۔ کہا یہ نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہے۔ یہ پیغمبرؐ کا نواسہ ہے؟ یہ اس کا قافلہ ہے کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔ کہا ہاں اماں یہ حسینؑ بن علیؑ کا قافلہ ہے۔ کہا بس میرا قافلہ بھی اب کہیں نہیں جائیگا۔ چلو بیٹا چلو اب حسینؑ کی خدمت میں (بس ارباب عزا آپ متوجہ ہو گئے میں چند لمحوں میں بیان تمام کرنا چاہتا ہوں۔) یہ چھوٹا سا قافلہ حسینؑ کے قافلہ سے مل گیا۔ یہاں تک کہ دوسری محرم آگئی جب یہ قافلہ حسینی سرزمین کربلا پر وارد ہو گیا تو یہ قافلہ بھی ساتھ رہا۔ مصائب بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہر مصیبت میں یہ قافلہ ساتھ ہے۔ پانی بند ہوا پیاس میں ساتھ۔ نرغۂ اعدا میں گھر گئے مصائب میں ساتھ۔ یہانتک کہ جب عاشور کی رات آئی اور حالات نے یہ فیصلہ کر دیا کہ شاید کل کا دن زندگی کا آخری دن ہوگا تو ماں نے اپنے بیٹے کو سمجھانا شروع کیا۔ بیٹا دیکھو اس بات کا خیال رکھنا کہ شاید کل قربانی کا دن ہے۔ اے میرے لال یہ بنی ہاشم کے جوان

یہ حسینؑ کی گود کے پالے۔ ہاشمی گھرانے کے بچے۔ اگر ان میں کوئی ایک
بھی تم سے پہلے کام آگیا تو بیٹا میں بیؐ کی بیٹی کو منھ دکھانے کے قابل نہ
رہ جاؤنگی۔ اس کا خیال رکھنا کہ جب قربانی کا وقت آجائے تو بیٹا پہلے تم
قربان ہوجانا۔ لو عزیزو اسی عالم میں عاشور کی رات گذر گئی (بس چند
لمحے مجلس تمام کررہا ہوں) عاشور کی رات تمام ہوئی اب جو صبح کو قربانی کا
ہنگام آیا تو ایک مرتبہ ماں نے اپنے لال سے کہا بیٹا اب قربانی کا وقت
آگیا ہے۔ خبردار بنی ہاشم کا کوئی بچہ میدان میں نہ جانے پائے۔ تم چلے
جاؤ۔ جاؤ مولا کے سامنے اجازت لو اور میدان میں جاکے قربان ہوجاؤ
اک جوان حسینؑ کے سامنے دست ادب جوڑ کے کھڑا ہوگیا۔ بیٹا خیر تو ہے
کیوں آئے ہو؟ کہا مولا مرنے کی اجازت لینے آیا ہوں۔ مولا میدان کی اجازت [illegible]
لینے آیا ہوں۔ جوان کڑیل جوان اکیس سال کی عمر۔ حسینؑ جانتے ہیں
کہ اس کی زوجہ اس کے ساتھ ہے۔ ابھی یہ شادی کرکے آرہا ہے۔ اور [illegible]
کے دل میں ایک پوری زندگی کی تمنائیں اور آرزوئیں ہیں۔ فرمایا بیٹا [illegible]
نے کیا ارادہ کرلیا ہے۔ کہا مولا بس اجازت دیدیں۔ میں یہ نہیں چاہتا
کہ مجھ سے پہلے کوئی قربان ہوجائے۔ آقا مری ماں نے کہا ہے کہ جاؤ [illegible]
مولا سے اجازت لو۔ خبردار ہاشمی گھرانے کا کوئی بچہ نہ جانے پائے [illegible]
تم جاکے قربان ہوجاؤ۔ بالآخر مولا نے اجازت دیدی۔ بیٹے نے آکے ما[illegible]



کو خبر سنائی۔ ماں نے اپنے لال کو کلیجے سے لگا لیا۔ شاباش میرے لال
جاؤ اب ماں کے سرخرو ہونے کا وقت آگیا ہے۔ جاؤ بیٹا جاؤ۔ ماں
نے اپنے لال کو رخصت کیا۔ بیٹا میدان میں آیا جہاد کرتا رہا۔ زخمی ہوا خون
میں نہایا پلٹ کے میدان سے خیمہ میں آیا۔ ماں کے سامنے آکے کھڑا
ہوگیا۔ کہا اماں آپ مجھے دیکھ رہی ہیں میں زخم کھا کے آیا ہوں خون
میں نہا کے آیا ہوں ھَل رَضِیتِ عَنّا یا اُمّاہ اب تو آپ خوش
ہوگئیں۔ اب تو آپ راضی ہوگئیں!! ماں نے منھ پھیر لیا بیٹا پھر سامنے
آیا۔ اماں میں آپ کے لئے خوشخبری لیکے آیا ہوں آپ کا بیٹا جہاد
[illegible] کرکے آیا ہے۔ آپکا بیٹا زخمی ہوکے آیا ہے۔ آپکا لخت جگر خون میں
[illegible] کے واپس آیا ہے۔ کہا بیٹا کیا میں نے تجھے زندہ واپس آنے کیلئے
[illegible] تھا! یہ ماں اسوقت تک راضی نہ ہوگی جب تک تو حسینؑ کے
[illegible] پر قربان نہ ہوجائے گا بس عزیزو دو تین جملے۔ یہ سنا تھا کہ ماں
[illegible] آخری سلام کیا۔ چلا۔ جب در خیمہ کے قریب آیا تو دیکھا کہ زوجہ
[illegible] کھڑی ہے۔ والی میدان میں جا رہے ہو۔ میری ایک بات
[illegible] پیچھے ہی ماں نے دیکھا کہ شوہر و زوجہ میں گفتگو ہو رہی ہے
[illegible] باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ یہ قربانی دینے کا وقت ہے
[illegible] باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ زوجہ نے کہا وہب میں تم

جاؤ جاؤ شوق سے کچھ کہنا نہیں چاہتی۔ تمہیں روکنا نہیں چاہتی۔ جاؤ شوق سے جاؤ ایک بات پہلے سُن لو۔ کہا مومنہ جلدی بتا کیا کہنا چاہتی ہے کہا کچھ اور نہیں کہنا ہے فقط ایک بات کہنا ہے تم تو جارہے ہو ابھی شہید ہو جاؤ گے جنت میں چلے جاؤ گے میری نجات کا ذمہ دار کون ہوگا میری جنت کا ذمہ دار کون ہوگا؟ وعدہ کرلو کہ میرے بغیر جنت میں قدم نہ رکھو گے۔ اس نے کہ میں بھی ساری زندگی کی مصیبت کے لئے تیار ہو گئی ہوں۔ میں بھی آمادہ ہو گئی جاؤ تم قربان ہو جاؤ مگر وعدہ کرنے کی شرط یہ ہے کہ مولا کے سامنے چل کر وعدہ کرو۔ وہب نے زوجہ کو ساتھ لیا آقا کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ مولا نے فرمایا وہب خیر تو ہے کیوں آئے؟ کہا مولا میں نہیں آیا یہ مومنہ مجھے لائی ہے۔ حسینؑ متوجہ ہو گئے۔ مومنہ خیر تو ہے وہب کو کیوں لیکے آئی ہے۔؟ کہا مولا میدان میں جارہے ہیں کوئی دم میں قربان ہو جائیں گے جنت میں چلے جائیں گے میں چاہتی ہوں کہ آپ کے سامنے وعدہ کرلیں کہ میرے بغیر جنت میں قدم نہ رکھیں گے (یہ سُن سکو گے غیرت دار) فرمایا مومنہ وہب سے کیوں کہہ رہی ہے۔ سردار جوانان جنت تو میں ہوں۔ میں تیری جنت کا ضامن ہوں۔ کہا آقا ان سے اس لئے کہہ رہی تھی کہ آپ سے کچھ اور کہنا ہے۔ مولا نے کہا مومنہ مجھ سے کیا



چاہتی ہے؟ کہا مولا عاقبت کا انتظام تو ہو گیا لیکن آپ کو تو معلوم ہے کہ ماں باپ کا گھر چھوٹ گیا ہے۔ شوہر کے گھر نہ جا سکی اب مجھے سیدانیوں کی خدمت میں پہونچا دیجئے تاکہ عالم غربت میں کوئی تو میرا پرسان حال رہ جائے۔ حسینؑ نے سر جھکا لیا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اے مومنہ تجھے کیا خبر کہ اس قافلہ کا انجام کیا ہوگا حسینؑ کی نگاہ میں وہ منظر ہے کہ میرے بعد خیمے جل رہے ہیں۔ چادریں چھن رہی ہیں۔ سیدانیوں کے بازوؤں میں رسیاں۔ کوفہ و شام کے بازار منادی کی آواز هٰذہٖ سبایا من بنات رسول اللہ

سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مجلس ۴

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الا[illegible]
والمرسلین. سیدنا و مولانا ابی القاسم محمد و آل[illegible]
الطیبین الطاہرین الذین اذہب اللہ عنہم الرجس وطہ[illegible]
تطہیرا اما بعد فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وا[illegible]
حسین منی و انا من حسین

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اللہ اسے [illegible]
رکھے جو حسینؑ سے محبت کرے!! سرکار دو عالم کے اس ار[illegible]
کی روشنی میں عرفان حسینؑ کے عنوان سے جو سلسلۂ کلام آ[illegible]
سامنے پیش کیا جا رہا تھا اس کے چوتھے مرحلے پر معرفت حسین[illegible]
ایک عظیم ترین وسیلہ اور ذریعہ کے بارے میں کچھ معروضات [illegible]
ہیں جس سے مستحکم اور مستند کوئی بھی وسیلہ عالم اسلام میں [illegible]



دنیا کی نگاہ میں کسی انسان کی عظمت و اہمیت کیا ہے۔ اقوام عالم کسی
آدمی کے بارے میں کیا خیالات اور کیا نظریات رکھتے ہیں یہ ساری باتیں
ایک طرف ہیں خود پروردگار کسی کے بارے میں کیا کہتا ہے یہ مسئلہ ایک
طرف ہے۔ اس سے زیادہ نہ کسی کے نظریہ کی اہمیت ہے اور نہ کسی کے
قول کی اہمیت ہے۔ نہ عالم اسلام کے اندر اور نہ عالم اسلام کے باہر کوئی
بھی صاحب فکر و شعور کسی ایسی ہستی کا پتہ نہیں بتا سکتا ہے جو اپنی عظمتوں میں
پروردگار سے بالاتر ہو یا جس کا کلام کلام الٰہی سے زیادہ مستند اور معتبر ہو۔
لہٰذا آج مجھے معرفت حسینؑ کے سلسلے میں یہی باتیں گذارش کرنا ہیں کہ
پروردگار عالم نے حسینؑ کا تعارف کس انداز سے کرایا ہے!! اس مقام پر
دو طرح سے گفتگو کی جا سکتی ہے!! ایک گفتگو کا نہج اور انداز یہ ہے کہ خود
حسینؑ کے گھرانے نے، انکی معصوم اولاد نے یا ان کے معصوم بزرگوں نے
ان کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے آیات قرآنی کی روشنی میں یعنی
وہ آیات قرآنی جن کی تاویل امام حسینؑ کے بارے میں کی گئی ہے۔ یا
جنکی تطبیق امام حسینؑ پر کی گئی ہے۔ مگر یہ سارے بیانات معصومینؑ کے
ارشادات میں پائے جاتے ہیں۔ جو یا حسینؑ کے بزرگوں میں شامل
ہیں یا حسینؑ کی اولاد میں شامل ہیں!! لیکن میں گفتگو کے اس رخ کے
بارے میں کوئی بات گذارش نہیں کرنا چاہتا بلکہ میں نے روز اول ہی

سے یہ التزام رکھا ہے کہ باتیں وہی گذارش کی جائیں گی جو سارے
عالم اسلام میں مسلم حیثیت رکھتی ہوں اور جنکو تمام علمائے اسلام کسی نہ
کسی شکل میں اپنی کتابوں میں جگہ دے چکے ہوں۔ اور انکی حقانیت اور
صداقت کا اقرار اور اعتراف کر چکے ہوں ورنہ ظاہر ہے کہ ہماری روایات کا
اگر جائزہ لیا جائے تو قرآن مجید میں ایسی آیات بھی موجود ہیں کہ جن میں
پوری زندگی کا تذکرہ موجود ہے اور اس زندگی کا انطباق کسی شخص پر نہیں
ہوسکتا ہے سوائے حسینؑ بن علیؑ کے۔ پروردگار عالم نے یہ اعلان کیا ہے کہ
ہم نے انسان کو وصیت ونصیحت کی کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ
کرنا اور اس کے بعد پھر ان خصوصیات کا ذکر کیا ہے جو اس انسان کی
زندگی سے وابستہ ہیں۔ یہ انسان وہ ہے کہ حملہ وفصالہ ثلثون
شھرا جس کے شکم مادر میں رہنے کا زمانہ اور قانونی اعتبار سے دودھ
پینے کا زمانہ کل ملا کر تیس مہینے ہوتا ہے اور چونکہ قرآنی قانون یہ ہے
کہ قرآن نے بچہ کو دودھ پلانے کی مدت ۲ سال یعنی ۲۴ مہینے قرار
دی ہے لہذا ۲۴ مہینے تیس مہینے سے نکال دیجئے تو وہ زمانہ جس میں
بچہ شکم مادر میں رہا ہے فقط چھ مہینے کا زمانہ رہ جاتا ہے لہذا یہ جستجو
ضروری ہے ساری دنیائے تفسیر میں کہ آخر پروردگار نے کس انسان
کا ذکر کیا ہے جسکا زمانہ حمل یعنی شکم مادر میں رہنے کا زمانہ کل چھ



مہینے ہو۔ اور اس کے بعد بھی وہ زندہ رہ جائے اور تنہا زندہ ہی نہ رہ جائے
بلکہ اتنے دنوں زندہ رہ جائے کہ حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ
اربعین سنۃ یہانتک کہ جب انسان توانائیوں کی منزلوں تک
پہونچ گیا اور اس کی عمر چالیس سال ہوگئی تو اس نے اپنے پروردگار کی
بارگاہ میں دعا کی کہ رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت
علی وعلی والدی پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں شکریہ ادا کروں تیری اس نعمت
کا جو تونے مجھ پر نازل کی ہے اور میرے والدین پر نازل کی ہے اور اسکے
بعد دعا کا سلسلہ اور آگے بڑھ گیا واصلح لی فی ذریتی پروردگار میری
ذریت میں صلاح ونیکی کو قرار دیدے اس لئے کہ میں تیری طرف متوجہ
ہوں اور میرا سر تیری بارگاہ میں جھکا ہوا ہے!! علمائے تفسیر نے اس
انسان کی تلاش شروع کی جس انسان پر قرآن کریم کی اس آیۂ کریمہ کو منطبق
کیا جائے اور ان سارے خصوصیات کو تلاش کیا تو پوری دنیائے
تفسیر میں صرف تین ہی شخصیتیں تلاش کرنے کے بعد ایسی ملیں جن کے
بارے میں روایات نے نقل کیا ہے کہ ان بچوں نے شکم مادر میں جو زمانہ
گزارا ہے وہ زمانہ صرف چھ مہینے کا تھا۔ ایک نام تاریخ میں جناب یحییٰؑ کا ہے
دوسرا نام جناب عیسیٰؑ بن مریم کا ہے اور تیسرا نام فرزند رسول الثقلین حضرت
امام حسین علیہ السلام کا ہے۔ ظاہر ہے کہ میں ان تفصیلات میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہتا

اس لئے کہ میرا موضوع اس سے آگے ہے فقط یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں
کہ قرآن مجید میں روایات کی روشنی میں نہ جانے کتنی آیتیں ہیں جنہیں اشارہ
پایا جاتا ہے فرزند رسول الثقلین کی طرف۔ اسی آیہ کریمہ کے انھیں اقوال کا
اگر جائزہ لیا جائے تو آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ اگر اتنا ہی کہا گیا ہوتا کہ ایک
انسان دنیا میں ایسا بھی آیا ہے جو شکم مادر میں صرف چھ مہینے رہا ہے اور اس
کا کردار یہ رہا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں دعا کر رہا تھا کہ پروردگار مجھے اپنی نعمتوں
کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق عنایت فرما۔ تو ہو سکتا تھا کہ آیت کا انطباق جناب
یحییٰؑ بن زکریا پر بھی ہو جاتا جو تیس یا پینتیس سال کی عمر میں راہ خدا میں
قربان ہو گئے اور شہید کر دیئے گئے مگر مشکل یہ ہے کہ اس انسان نے
خدا کی بارگاہ میں شکریہ ادا کرنے کی توفیق کی دعا کی ہے کب؟ "حتی اذا
بلغ اشدہ و بلغ اربعین سنۃ" جب انسان چالیس سال کا
ہو گیا۔ تو جو انسان چالیس سال سے پہلے راہ خدا میں قربان ہو گیا وہ
انسان مصداق نہیں ہو سکتا۔ تو یحییٰؑ بن زکریا کے الگ ہو جانے کے
ایک امام حسینؑ بن علیؑ رہ گئے اور ایک عیسیٰؑ بن مریم رہ گئے مگر انسان کی دعا
ہے کہ خدایا مجھے توفیق دے کہ میں اس نعمت کا شکریہ ادا کروں جو
تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر نازل کی ہے تو اگر تنہا اس نعمت کا
ذکر ہوتا جو اس انسان پر نازل ہوئی ہے تو کسی کو بھی مراد لیا جا سکتا تھا



لیکن مشکل یہ ہے کہ یہاں اپنی ذات کے ساتھ تنہا ماں کا ذکر بھی نہیں ہے
بلکہ ماں باپ کا ذکر ہے اور ساری دنیائے اسلام جانتی ہے کہ پروردگار
کی نعمتوں میں اور اللہ کے احسانات میں جناب عیسیٰؑ بن مریم پر ایک احسان
یہ بھی ہے کہ اس نے عیسیٰ کو دنیا میں بغیر باپ کے بھیجا ہے تو یحییٰ بن زکریا
چالیس سال کے تذکرہ سے الگ ہو گئے اور عیسیٰؑ بن مریم باپ کے ذکر
سے الگ ہو گئے تو اب وہ تیسرا انسان کون ہے کہ جس پر آیہ کریمہ کا انطباق
ہو سکے اور آیت کو آگے بڑھا کے دیکھیں تو مسئلہ اور واضح ہو جاتا ہے۔
خدایا جو نعمتیں تو نے مجھ پر نازل کیں اور میرے ماں باپ پر نازل کیں وہ تو
الگ ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ صلاح و فلاح میری ذریت میں بھی رہ جائے تو
ایسا کون سا انسان ہے کہ جسکی ذریت میں صلاح باقی رہ جائے۔ کوئی
ایک انسان بھی تاریخ اسلام میں ایسا نہیں ہے کہ جسکی ذریت میں نیکی یوں کر
باقی رہ جائے۔ جیسے ذریت حسینؑ بن علیؑ میں ہے کہ ہر ایک نسل میں نیک کردار
پیدا ہوئے مگر سلسلۂ عصمت کسی ذریت میں نہیں پیدا ہوا ہے۔ صلوات
اور یہاں صلاح و فلاح کو پروردگار عالم نے یوں قائم و دائم بنا دیا ہے
[illegible] حسینؑ ہی کے آخری امام معصوم کو ابو صالح کے لقب سے یاد کیا جاتا
[illegible] صلاح کا سلسلہ جو آجتک قائم ہے یہ اسی قائم کے طفیل
[illegible] دور تک قائم رہے گا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی دوسری

آیہ کریمہ جو ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کے دور میں نازل نہیں ہوئی ہے اسکا
مصداق تو بہت بعد میں پیدا ہوا ہے لیکن بہر حال اس آیت کی تاویل
بھی امام حسینؑ ہی کے بارے میں کی گئی ہے۔ جسمیں پروردگار عالم نے اپنے
بندہ کے اطمینان کو دیکھ کر آواز دی ہے "اے نفسِ مطمئن اپنے رب کی
بارگاہ میں پلٹ آ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں آ میرے بندوں
میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ خطاب
حسینؑ بن علیؑ کے آخری وقت سے متعلق ہے تو حسینؑ کا وقتِ آخر تو
نزول قرآن کے پچاس سال کے بعد آیا ہے۔ قرآن سن گیارہ ہجری میں
نازل ہوچکا ہے اور واقعہ کربلا اس کے پچاس برس کے بعد سن ۶۱ ہجری میں
پیش آیا ہے تو یہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ حسینؑ جب وقت آخر منزل امتحان سے
گذر رہے تھے تو خدا آواز دے رہا تھا اس لئے کہ آیت بہت پہلے نازل ہو چکی
تھی لیکن بہر حال یہ آیت جو قرآن مجید میں محفوظ ہے اس آیت کا بظاہر کوئی
مصداق نظر نہیں آرہا ہے۔ آیت پہلے آئی ہے مصداق بعد میں پیدا ہوا
اسی کو زبان شریعت میں تاویل کہا جاتا ہے یعنی آیت کی تاویل اور
ذاتِ حسینؑ بن علیؑ ہے۔ اگرچہ اسکی تنزیل کا تعلق امام حسینؑ سے نہیں
اسلئے کہ امام حسینؑ کا وہ آخری وقت اسوقت نہیں آیا تھا جب قرآن کی
آیتیں نازل ہو رہی تھیں۔ تو وہ آیات کریمہ جنکا انطباق حسینؑ پر ہوا ہے



آیات کریمہ جنکی تاویل امام حسینؑ کے بارے میں کی گئی ہے میں ان تمام آیات
کا ذکر نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں فقط ان آیات کا ذکر کر رہا ہوں جو نازل ہی
امام حسینؑ کے بارے میں ہوئی ہیں تاکہ نہ کسی تاویل کی ضرورت پڑے اور
نہ کسی تطبیق کا مسئلہ پیدا ہو کہ ایک انسان یہ کہے کہ اس آیت کو فلاں پر
منطبق کردیا جائے اور دوسری کو فلاں پر منطبق کردیا جائے۔ اس لئے کہ
جہاں مسلمانوں کو ذرا تطبیق کی مہلت ملی ہے وہاں آیتوں کو کہاں سے
کہاں منطبق کردیا گیا ہے جو خود ایک داستان غم ہے جس کے دہرانے
کا یہ موقع نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ شام کے حاکم نے ایک انسان کو چار لاکھ
درہم دیئے کہ قرآن مجید کی دو آیتیں جو مسلسل طور پر قرآن مجید میں پائی جاتی
ہیں انمیں سے ایک آیت کے بارے میں یہ روایت بنادے کہ اس کا
تعلق علیؑ سے ہے اور دوسری کے بارے میں یہ روایت بنادے کہ اسکا
تعلق ابن ملجم سے ہے آپ پڑھیں قرآن مجید اور ایک حصہ تو یقیناً ہمارے
آپ کو معلوم ہے لیکن جب آیہ ہجرت نازل ہوئی تو اسمیں تمہید میں ایک
آیت اور پائی جاتی ہے وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
اے پیغمبر کچھ ایسے انسان بھی ہیں کہ جنکی باتیں زندگانی دنیا میں
بڑی اچھی لگتی ہیں یعنی ایسی گفتگو کرتے ہیں کہ جو ہر انسان کو اچھی معلوم
ہوں اور بھلی معلوم ہوں "وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهٖ" یہ اپنے

دل کی ہر حالت پر خدا کو گواہ بناتے ہیں کہ میں ہی اصلی مومن ہوں۔ خدا
گواہ ہے میں بہترین آپ کا چاہنے والا ہوں۔ خدا گواہ ہے یعنی ایسے گواہ
کو پیش کرو جو سامنے آکے نہ توثیق کرے نہ تردید کرے۔ جھوٹ بولنے کا بہترین
راستہ یہی ہے اور یہ بھی عالم اسلام کا ایک المیہ ہے۔ عزیزو! جس خدا
کے نام کو کردار سازی کا ذریعہ ہونا چاہیئے تھا مسلمانوں نے اسی خدا کے
نام کو مکاری کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ جب جھوٹ بولنا ہو تو کہو خدا گواہ ہے
کام نہ کرنا ہو تو کہو انشاءاللہ یعنی اگر ہم نہ چاہیں گے تو نہ کریں گے اور کہیں
گے کہ خدا ذمہ دار ہے یعنی ہر مکاری کا سہارا خدا۔ ہر جھوٹ بولنے کا سہارا
جو بندوں کو صداقت کی منزل پر لانا چاہتا تھا۔ لہٰذا پروردگار عالم نے کہا
پیغمبر ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کو گواہ بناتے ہیں آپ کے سامنے اچھی
باتیں کرتے ہیں حالانکہ یہ ہیں کون؟ الَدُّ الخِصَام آپ کے بدترین دشمن
ہیں اور ان کی دشمنی کی مثال یہ ہے اذا تولّٰی۔ آپ کے سامنے آگئے تو
اچھی باتیں کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد جب پیٹھ پھرا کے چلے جب مڑ کے
سامنے سے چلے تو اب ان کے پاس ایک ہی کام ہے کہ دنیا میں فساد
اور حرث و نسل کو تباہ و برباد کر دیں حالانکہ جانتے ہیں کہ خدا فساد کو پسند نہیں
کرتا ہے تو ان انسانوں کی صفتیں ہیں میٹھی میٹھی باتیں کرنا۔ ہر بات پر خدا کو
گواہ بنانا۔ اپنے کو عاشق پیغمبر بنا کے پیش کرنا سامنے سے ہٹ جانے کے



بعد فساد برپا کرنا۔ دنیا کو تباہ کر دینا پھر اس کے بعد وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
یَشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ انھیں کے مقابلہ میں وہ بھی ہیں
جو اپنے نفس کو بیچ ڈالتے ہیں رضائے خدا کے لئے۔ تو پروردگار عالم نے
عالم انسانیت کے سامنے دونوں نقشے پیش کر دیئے ہیں ایسے فسادی بھی
ہیں اور ایسے انسان بھی ہیں جو اپنے نفس کو بیچ ڈالتے ہیں اور رضائے خدا کو حاصل
کر لیتے ہیں۔ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ اور اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان
ہے۔ کوئی جان دینے کے لئے تیار تو ہو جائے خدا تو رضا دینے کے لئے تیار
ہے (میں نے ایک بات کہی ہے شاید میرے بچے متوجہ نہ ہوں) ایک
لفظ میں اسکی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ اتنا ٹکڑا تو آیت کا آپ برابر سنتے
رہتے ہیں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ
اللّٰهِ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے نفس کو بیچ ڈالتے ہیں رضائے خدا کے
لئے یعنی مرضی لے لیتے ہیں نفس دے دیتے ہیں نفس بیچ ڈالتے ہیں رضا
حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد اسکا آخری ٹکڑا ہے وَاللّٰهُ رَءُوفٌ
بِالْعِبَادِ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور بہت مہربان ہے۔ اس
کا مطلب کیا ہے؟ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے آپ کو تعجب کیا
ہے اگر خدا نفس لے کے مرضی دیدے تو آپ کو کیا پریشانی ہے۔ خدا
بندوں پر بہت مہربان ہے۔ وہ ابھی رضا دینے کے لئے تیار ہے۔

لیکن وہ تم پر مہربان ہے اور رضا دینے کے لئے تیار ہے مگر تم میں رضا لینے
کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے کہ رضا لینے کے لئے دعا نہیں کی جاتی ہے
جان دی جاتی ہے۔ تم نفس بیچنے کے لئے تیار ہو جاؤ ہم رضا دینے کے
لئے تیار ہیں۔ مگر خرابی یہ پیدا ہو گئی کہ ہم رضا دینا چاہتے ہیں نفس
لے کے اور تم رضائے الٰہی چاہتے ہو دعائیں کر کے۔ صلوات

توشام کے حاکم نے اسے بلایا۔ کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ دو آیتیں ہیں ایک
سلسلہ پہلے ہے اور ایک سلسلہ بعد میں۔ وہ فساد کرنے والے جو نبی کے سامنے
آکے جھوٹی باتیں کرتے ہیں اور خدا کو گواہ بناتے ہیں اور وہ جو اپنا
نفس دیکے خدا کی رضا لے لیتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں قسموں
کے بارے میں دو روایتیں تیار کرو پہلی قسم کے بارے میں کہو کہ یہ [illegible]
علیؑ کی شان میں ہے اور دوسری کے بارے میں یہ کہو کہ حضورؐ نے
فرمایا ہے کہ یہ آیت ابن ملجم کی شان میں نازل ہوئی ہے!! تو مضمون [illegible]
آپنے بتا ہی دیا ہے تو اس ظالم کا کیا کام ہے؟ اگر کوئی ایسی بات بنا[illegible]
جو آپ کی عقل میں نہیں آتی ہے اور آپ اس لئے سمجھتے ہیں کہ کوئی [illegible]
ترکیب تیار کرو کہ یہ آیت ادھر چلی جائے اور وہ آیت ادھر چلی جا[illegible]
اس ترکیب کرنے کے پیسے دیئے جاتے تو بات سمجھ میں آتی تھی لیکن
مضمون کو خود تیار کر دیا کہ اس آیت کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ [illegible]



کے بارے میں ہے اور اس آیت کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ فلاں کے
بارے میں ہے اور فی الحال آپ عالم اسلام کے حاکم بھی ہیں تو آپ
کی بات کا اعتبار بھی زیادہ ہوگا۔ یہ بیچارہ راوی اس کی اوقات کیا ہے
لیکن بہر حال مثل مشہور ہے کہ چور کا دل ہی کتنا ہوتا ہے۔ کہا بتاؤ اس
کا ہدیہ؟ اسکا نذرانہ اور اسکی قیمت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کیا قیمت دیں
گے کہا دو لاکھ ایک لاکھ اس روایت کے لئے اور ایک لاکھ اس روایت کے
لئے۔ اس نے کہا کہ جناب یہ کام دو لاکھ کا نہیں ہے اس لئے کہ اس کام کے
بعد سوائے عاقبت برباد ہونے کے اور کیا رکھا ہے تو کم سے کم عاقبت
برباد ہو تو دنیا تو آباد ہو جائے یہاں تو آدمی عیش کرلے۔ یہ دو لاکھ میں
اتنا بڑا کام کیسے ہوگا۔ کہا تم بتاؤ کیا ہوگا؟ کہا دو لاکھ ایک روایت کے۔ دو
روایتیں بنانا ہیں تو چار لاکھ چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ اپنے پاس سے کیا جاتا ہے۔
[illegible] کو سوچنا پڑے!! کہا ٹھیک ہے چار لاکھ سہی چار لاکھ درہم لے کے
[illegible] وہ چلے تیار کئے گئے کہ پہلا حصہ آیت کا علیؑ کے بارے میں ہے اور
[illegible] دوسرا حصہ آیت کا ابن ملجم کے بارے میں ہے!! کیا کہنا اس روایت
[illegible] والے کا اور کیا کہنا اس روایت بنوانے والے کا اور کیا کہنا ان لوگوں
[illegible] نے روایت پر اعتبار کیا اور کیا کہنا اُن محدثین کا جنھوں نے ایسے
[illegible] روایتوں کو صحیح کتابوں میں جگہ دیدی شاید اسی موقع کے لئے

کہا گیا تھا کہ این خانہ ہمہ آفتاب است۔ یہ ایسا گھر ہے کہ سبھی آفتاب و ماہتاب ہیں۔ سننے والے بھی، کہنے والے بھی، لکھنے والے بھی سبھی ماشاءاللہ ایک ہی قسم کے ہیں لہذا سب کو ایک ہی بات پر اعتبار پیدا ہوتا ہے (صلوات)

تو عزیزان محترم بات دور نہ جانے پائے میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ جہاں تک تطبیق کا مسئلہ ہے کہ آیت کہاں منطبق ہوئی ہے تو یہ دروازہ جب کھلتا ہے تو جس کا جہاں دل چاہتا ہے آیت کو منطبق کر دیتا ہے لہذا میں اس مسئلہ کو چھیڑنا ہی نہیں چاہتا ہوں کہ تطبیق آیت کہاں ہوتی ہے اور تاویل کس کے بارے میں ہے۔ میں تو قرآن مجید کی ان آیتوں کو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں سیدھے سیدھے آیت نازل ہوئی ہے حسینؑ بن علیؑ کے بارے میں تاکہ اس کے بعد کوئی دوسرا مسئلہ نہ رہ جائے کوئی دوسری بحث ہی نہ رہ سکے میں ساری آیتوں کو گذارش نہیں کر سکتا صرف چار آیتیں چار موضوع سے متعلق گذارش کرنا چاہتا ہوں!! دو آیتیں وہ ہیں جہاں پروردگار عالم نے امام حسینؑ کے شرف کا اعلان کیا ہے یہاں سے میرا موضوع شروع ہوتا ہے لہذا چاہتا ہوں کہ بات ذہن سے دور نہ پائے۔

وہ ہیں جنہیں حسینؑ کے کردار کا اعلان ہوا ہے یہ اور بات ہے کہ پروردگار کوئی شرف بغیر کردار کے نہیں دیتا ہے۔ دیکھئے مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کو



کب شروع ہوتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ آیت کا مضمون کیا ہے!! دو آیتیں وہ ہیں جنمیں امام حسینؑ کے شرف، ان کی منزلت اور ان کے مرتبے اور انکی جلالت کا اعلان ہوا ہے۔ اور دو آیتیں وہ ہیں جنمیں امام حسینؑ کے عمل انکی سیرت اور ان کے کردار کا تذکرہ ہے۔ یہ دو حصے آیتوں کے ہیں، ایک حصہ وہ ہے جسمیں ذکر شرف و منقبت و جلالت و منزلت کا ہے اور ایک حصہ وہ ہے جسمیں ذکر عمل و سیرت و کردار ہے اس کے بعد دونوں آیتوں کے دو حصے ہیں وہ دو آیتیں جو شرف و منقبت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں انکی بھی دو قسمیں ہیں ایک آیت وہ ہے جو امام حسینؑ کی ذات کے شرف کا اعلان کرتی ہے اور ایک آیت وہ ہے کہ جو امام حسینؑ کے اس شرف کا اعلان کرتی ہے جسکا تعلق قوم سے ہے اس لئے کہ ذاتی شرف اور ہوتا ہے اور وہ شرف جسکا تعلق قوم سے ہو وہ اور ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ بہت پڑھے لکھے ہیں لیکن کبھی ایک لفظ کسی کو نہیں بتایا تو جب عالموں کی فہرست بنائی جائے گی تو آپکا نام بھی ہوگا اس لئے کہ پڑھے لکھے ہیں لیکن جب قوم کو سکھانے کا نام آئے گا تو کہیں دور دور آپکا نام نہیں آئیگا اس لئے کہ پڑھ لکھ کے بھی آپنے ایک لفظ کسی کو نہیں سکھایا۔ تو انسان کے شرف کا ایک حصہ وہ ہوتا ہے جو اس کی ذات سے متعلق ہوتا ہے اور ایک حصہ وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے متعلق ہوتا ہے امام حسینؑ کے شرف کے بھی دو رخ ہیں وہ شرف جو حسینؑ کی ذات کے اعتبار سے

ہے اور وہ شرف جو قوم سے تعلق رکھتا ہے اسی طریقے سے امام حسینؑ کے
وہ اعمال جنکا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے ان اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں
ایک وہ عمل ہے جسکا تعلق امام حسینؑ کی ذات سے ہے اور ایک وہ عمل ہے جسکا
تعلق امام حسینؑ کی ذات سے نہیں ہے بلکہ دین سے ہے، مذہب سے ہے رسالت
سے ہے، توحید سے ہے، اللہ کے قانون سے ہے!! اب اگر چاروں قسمیں آپ
کے ذہن میں محفوظ ہیں تو میں خلاصہ آپ کے سامنے گذارش کرنا چاہتا
ہوں!! وہ آیات جنمیں کردار حسینؑ کا ذکر ہے، امام حسینؑ کے عمل اور آپ کی
سیرت کا ذکر ہے وہ دو آیتیں ہیں اور وہ آیت جسمیں امام حسینؑ کے ذاتی عمل کا
ذکر ہے وہ تنہا آیت نہیں ہے بلکہ سورہ ہے (اور جتنی باتیں میں نے عرض کی
ہیں یا میں عرض کر رہا ہوں یہ ساری باتیں وہ ہیں جو عالم اسلام کی کتابوں
میں موجود ہیں ) اور اگر سب نے نقل نہیں کیا ہے تو بہر حال عالم اسلام کی
احادیث اور تفسیر کی کتابوں میں یہ ساری باتیں محفوظ ہیں جسکو ضرورت ہو
میں بتادوں گا (اگر مزید معلومات حاصل کرنا ہیں تو بہت سی باتیں ایسی ہیں
میں جو میں بیان نہیں کر رہا ہوں یا بیان نہیں کرسکتا ہوں وہ میری کتاب
نقوش عصمت میں بھی موجود ہیں جسکو شوق ہوگا پڑھ لے گا ) مشہور [illegible]
واقعہ ہے جب شہزادے امام حسنؑ اور امام حسینؑ بیمار ہوئے اور بیماری کی
مادر گرامی نے، پدر بزرگوار نے اور گھر کی خادمہ نے خدا کی بارگاہ میں نذر کی



پروردگار عالم اگر ان بچوں کو شفا عنایت فرمائے گا تو اللہ کے اس کرم کے نتیجہ
میں تین روزے رکھیں گے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی بیماری کے اس موقع پر
مولائے کائناتؑ نے تین روز وہ کی نذر کی صدیقۂ طاہرہ جناب فاطمہؑ نے
نذر کی اور گھر کی خادمہ جناب فضہ نے نذر کی ۔ پروردگار عالم نے شہزادوں
کو شفا و صحت عنایت فرمادی ۔ اب وقت آیا نذر کے پورا کرنے کا تو جیسے
مولائے کائناتؑ نے روزے رکھے، جیسے صدیقہ طاہرہؑ نے روزے رکھے جیسے
جناب فضہ نے روزے رکھے ویسے ہی ان بیمار بچوں نے بھی روزہ رکھا
جو ابھی بستر بیماری سے اٹھے ہیں ۔ روزے میں سب شامل ہیں لیکن ظاہر
ہے کہ روزہ رکھنے کے لئے سامان افطار چاہیئے اس سامان افطار کے لئے
روایات نے بیان کیا ہے کہ مولائے کائنات نے یہ انتظام کیا کہ چونکہ گھر
میں سامان نہیں ہے لہٰذا جا کے مولا قرض لے آئے اور صدیقہ طاہرہ نے
روٹیاں تیار کیں جب وقت افطار آیا اور سارے حضرات بیٹھے افطار کرنے
کے لئے ابھی لقمہ توڑنے کا موقع نہیں آیا تھا کہ دروازہ سے آواز آئی اے
اہلبیت پیغمبرؐ میں مدینہ کے مساکین میں سے ایک مسکین ہوں میرے پاس
کھانے کا کوئی سہارا نہیں ہے ۔ جیسے ہی مسکین کی آواز کان میں آئی مولائے
کائناتؑ نے اپنے سامنے سے روٹی اٹھائی اور چاہا کہ مسکین کے حوالے کردیں
صدیقہ طاہرہ نے اپنی روٹی بھی اٹھا کے دیدی فضہ نے بھی اپنی روٹی دیدی ۔

شہزادوں نے اپنے سامنے سے کھانے کو اٹھا کر دیدیا۔ مسکین مدینہ ساری غذا لے کر چلا گیا اور سارے گھرانے نے پانی سے افطار کر لیا۔ اس کے بعد دوسرے روز روزہ کے افطار کا وقت آیا تو جیسے ہی افطار کے لئے گھرانے کے سارے افراد بیٹھے ایک مرتبہ آواز آئی میں مدینہ کے یتیموں میں سے ایک یتیم ہوں میرے پاس کھانے کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ اے اہلبیت پیغمبرؐ آپ کے علاوہ امت کا سہارا کون ہے؟ کل کے طریقے سے سب نے روٹیاں اٹھا کر اس یتیم کے حوالے کر دیں اور پانی سے افطار کر لیا!! تیسرے روز بھی پانی سے روزہ شروع کیا اور جب افطار کا وقت آیا تو پھر ایک آواز آئی کہ میں اسیروں میں سے ایک اسیر ہوں، میرے پاس کھانے کا کوئی سہارا نہیں لہٰذا آپ میری امداد کریں۔ سب نے کھانا اٹھا کے اس کے حوالے کر دیا!! جب چوتھا دن آیا اور سرکار دو عالم بیٹی کے گھر آئے تو روایات میں یونہی نقشہ کھینچا گیا ہے کہ پیغمبرؐ بیٹی کے گھر آئے تو عجیب منظر دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے بچے تین دن کی بھوک کی بنا پر تین دن کے روزہ اور فاقہ کی بنا پر لرز رہے ہیں۔ کانپ رہے ہیں!! باپ نے بیٹی سے پوچھا فاطمہؐ کیا ان بچوں کے کھانے کا انتظام نہیں ہو سکا ہے!! کہا بابا جان بچوں نے روزہ رکھا ہے میں نے روزہ رکھا ہے۔ ابوالحسنؑ نے روزہ رکھا ہے گھر کی خادمہ نے روزہ رکھا ہے۔ ہم اپنی نذر کو پورا کر رہے تھے۔ فرمایا اگر روزہ رکھا تھا تو افطار کا انتظام



کیا؟ عرض کی افطار کا انتظام تو ہو گیا تھا مگر جب وقت افطار آیا تو کبھی یتیم نے آ کے پکارا۔ کبھی مسکین نے آ کے آواز دی۔ کبھی اسیر نے آ کر فریاد کی۔ سب نے اپنے سامنے کا کھانا اٹھا کے دیدیا روایت کہتی ہے کہ پیغمبر اسلام نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے خدایا یہ تیرے نبی کی ذریت ہے۔ پروردگار یہ تیرے نبی کی اولاد ہے اس نے تین دن تک اتنی زحمتیں برداشت کی ہیں۔ تیرے لاوارث بندوں کو کھلائے اور خود فاقے کئے اور فاقوں میں روزے رکھے ہیں۔ خدایا کیا ان کے واسطے کوئی غذا کا انتظام نہیں ہوگا پروردگار نے ادھر انتظام کیا۔ ایک طرف سامان غذا جنت سے بھجوا دیا اور دوسری طرف خدا نے چاہا کہ یہ تذکرہ قیامت تک باقی رہ جائے چنانچہ ادھر سے وہ ملک آیا جو غذا کا سامان لے کر آ رہا تھا اور ادھر سے وہ ملک چلا جو آسمان سے آیتیں لئے آ رہا تھا اور سورہ مبارکہ بل اتیٰ کی آیتیں نازل ہو گئیں جہاں پروردگار نے اپنے نیک بندوں کا ذکر کیا ہے۔ یُوفُوْنَ بِالنَّذْرِ یہ وہ لوگ ہیں جو نذر کو پورا کرتے ہیں وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا اور ان کے دلمیں روز قیامت کا خوف پایا جاتا ہے" وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا" یہ اللہ کی راہ میں مسکین و یتیم و اسیر کو کھلا دیتے ہیں اور یہ کام فقط راہ خدا میں ہوتا ہے یہ کھلا بھی دیتے ہیں اس شان سے کہ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ ہم تمہیں کھلا دیتے ہیں"

فقط اللہ کی رضا کے واسطے لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا "نہ کوئی
جزا چاہتے ہیں نہ کوئی شکریہ چاہتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ وہ عمل ہے جو خود
حسینؑ بن علیؑ نے اپنے بزرگانِ خاندان کے ساتھ انجام دیا تھا اور اس کے
مقابلہ میں پروردگار نے سورہٴ مبارکہ دہر کی یہ آیتیں نازل کر دی تھیں یہاں
کوئی تاویل نہیں ہے یہاں کسی آیت کو کسی پر لا کے منطبق نہیں کیا گیا ہے
بلکہ جب عمل سامنے آیا تو آیت قرآنی نازل ہو گئی سورہ ہل اتی نازل ہو گیا
یعنی یہ وہ آیت ہے جو حسینؑ اور حسینؑ کے گھرانے کی شان میں نازل ہوئی
مگر یہ وہ عمل ہے جسکا تعلق یا امام حسینؑ کی ذات سے ہے یا بہت سے بہت
یتیم و اسیر و مسکین سے ہے کہ یتیم کو کھانا کھلایا۔ اسیر کو روٹی دی
مسکین کو سیراب کر دیا دوسرا عمل جو حسینؑ کی زندگی میں پیش آیا
پروردگار عالم نے قرآن کی آیت میں اس عمل کی تعریف کی ہے
نہ حسینؑ کی ذات سے متعلق ہے اور نہ کسی فقیر و یتیم و مسکین سے متعلق
ہے اسکا تعلق براہ راست دین سے ہے۔ مذہب سے ہے۔ توحید سے
رسالت سے ہے۔ کہ جب توحید پروردگار پر وقت پڑا اور دشمنان اسلام
توحید خدا کو مجروح کرنا چاہا۔ عقیدہٴ توحید کو بدنام کرنا چاہا اور توحید
مقابلہ میں تین خداؤں کا عقیدہ کھڑا کر دیا کہ خدا ایک نہیں ہے بلکہ خدا
ہیں باپ ہے۔ بیٹا ہے۔ روح القدس ہے۔ یہ تین خدا ہیں جو



ایک خدا کی شکل اختیار کر گئے ہیں اور بالآخر حوصلے اتنے بلند ہو گئے
کہ پیغمبرؐ کے پاس آکر چاہتے ہیں کہ پیغمبرؐ بھی اسی عقیدہ کو تسلیم کر لیں اور
کہا آپ عیسیٰؑ کو خدا کیوں نہیں مانتے ہیں یہ خدائی کے شریک ہیں خدا
کے بیٹے ہیں۔ اور بیٹا باپ ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں
لہٰذا یہ خدائی میں خدا کے شریک ہیں۔ جیسے ہر بیٹا اپنے باپ کا لختِ دل
اور لختِ جگر ہوتا ہے ویسے ہی عیسیٰؑ لختِ خدا ہیں جزو خدا ہیں یہ بھی ایک
طرح کے خدا ہیں!! پیغمبرؐ نے فرمایا کہ بھائیو کیا غضب کرتے ہو عیسیٰؑ اللہ
کے بندہ ہیں۔ خبردار بندہ کو بیٹا نہ کہنا۔ گفتگو شروع ہو گئی پیغمبرؐ یہ سمجھا
رہے ہیں کہ بندہ مان لیا جائے۔ کہا بتاؤ اسے کیسے بندہ مانا جائے جسکا کوئی
باپ نہ ہو جب کوئی انسان بغیر باپ کے نہیں پیدا ہوتا ہے اور عیسیٰؑ بغیر
باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو انھیں خدا کا بیٹا نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔؟
اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم" پیغمبرؐ
نے کہا اگر تمھاری عقل میں نہیں آتا اور تمھارا خیال یہ ہے کہ جو بغیر باپ کے
پیدا ہو جائے وہ خدا کا بیٹا ہوتا ہے تو خدا کے پاس تو ایک بیٹا اور موجود
ہے۔ اس سے پہلے آدمؑ پیدا ہوئے ہیں بغیر باپ کے تم نے انھیں تو بیٹا
نہیں کہا ہے اگر بغیر باپ کے پیدا ہونے والا بیٹا ہو جاتا ہے تو آدم کو پہلے خدا
کا بیٹا ہو۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا اور تنہا آدم کیوں حوّا کو بھی خدا کی بیٹی کہو

کہ نہ اِن کے ماں باپ نہ اُن کے ماں باپ۔ جو بغیر باپ کے پیدا ہو وہ تو بیٹا
ہوجائے جو بغیر ماں باپ کے پیدا ہو وہ کیوں نہ ہوجائے مگر عیسائیوں کا
اصرار ہے کہ نہیں آدم کو نہ مانیں گے حوا کو نہ مانیں گے مگر عیسیٰ کو خدا کا بیٹا
مانیں گے۔ اور آپ کو بھی ماننا پڑیگا جب دیکھا یہ ظالم ماننے کیلئے تیار نہیں
ہیں۔ تو پروردگار نے پیغمبرؐ کے سامنے ایک دوسرا نسخہ پیش کیا" ومن
حاجك فيه من بعد ما جاءك من العلم" پیغمبرؐ دین تو آچکا
بیان دے چکا۔ آیت نازل کرچکا۔ اس کے بعد بھی اگر یہ ظالم بحث کرتے
ہیں اور نہیں مانتے ہیں تو آپ ان سے کہدیں فقل تعالوا کہ اب یہ مسئلہ
مسجد میں طے نہ ہوگا اب یہ بات بزم اور محفل میں طے نہ ہوگی۔ ہم سمجھ گئے تم
شرافت سے ماننے والے نہیں ہو اب میدان میں آؤ" فقل تعالوا ندع
أبناءنا وأبناءكم ونساءنا ونساءكم وانفسنا وانفسكم
آؤ تم اپنے بچوں کو لاؤ ہم اپنے بچوں کو لا رہے ہیں۔ تم اپنی عورتوں کو
لاؤ ہم اپنی عورتوں کو لائیں۔ تم اپنے نفسوں کو لاؤ ہم اپنے نفسوں کو لائیں
اس کے بعد خدا کی بارگاہ میں سب مل کے جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں
(میں نے عرض کیا کہ میں واقعہ نہیں گذارش کروں گا) اور تفصیل
بھی اگر عرض کر رہا ہوں تو اس لئے کہ میرے سننے والے اس مجلس میں
ایسے بہت سے ہیں جنکو ان واقعات کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں



اس لئے کہ جہاں اطلاع ہوتی ہے بیچاروں کو وہ جگہ ہی فراہم نہیں ہوتی
ہے۔ اس لئے میں تھوڑی تفصیل گذارش کررہا ہوں ورنہ آپ کے لئے تو
تنہا ایک اشارہ کافی ہے۔ (ایک ایک بچہ کو یہ سارے واقعات زبانی یاد
ہیں) اب جو وقت آیا اور پیغمبر اسلام کو سنا دیا اور طے ہوگیا کہ اب مسئلہ
کا فیصلہ میدان میں ہوگا۔ تو جب صبح کا وقت آیا تو سرکار دو عالم نے سلمان
کو [illegible] بھیجا۔ جاؤ اس جگہ کا انتظام کرو جہاں میں اپنے قافلۂ صداقت کو
لیکر آرہا ہوں۔ جہاں کاروان صداقت آکے ٹھہرے گا!! سلمان نے انتظام کیا
پیغمبر اسلام چلے ادھر سے عیسائی اپنے قافلے کو لے کر آئے ادھر پیغمبرؐ اپنے
[illegible] سے قافلے کو لیکر چلے علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر میں بڑی حسین تصویر
[illegible] ہے کہ پیغمبرؐ چلے تو اس شان سے چلے کہ محتضنا الحسین گود میں
[illegible] لئے ہوئے اخذ ابيد الحسن حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے فاطمه
[illegible] خلفه فاطمہؑ پیغمبرؐ کے پیچھے وعلى يمشى خلفها اور علیؑ فاطمہؑ
[illegible] کہا اے رسولؐ ہم تو اتنے آدمی لے کر آئے ہیں جبکہ نجران سے
[illegible] قافلہ ستر آدمیوں کا لے کر آئے ہیں آپ تو محلہ سے نکل کر آئے ہیں
[illegible] سا قافلہ اور اسمیں ایسے ایسے بچے جو گودی میں لائے جائیں د
[illegible] بستر ہیں۔ اتنے چاہنے والے، اتنے ماننے والے۔ ہر طرف
[illegible] ہو رہا ہے کہ سارا عرب آپ کے زیر نگین آگیا ہے ساری دنیا

مسلمان ہوگئی ہے۔ لاکھوں صحابی پیدا ہوگئے ہیں (دیکھئے مباہلہ کا واقعہ
کوئی مکہ کا تو ہے نہیں کہ وہاں اسلام پریشانی کے عالم میں تھا یہ مدینہ کا واقعہ
ہے اور مدینہ کی بات کو یوں جوڑ لیجئے کہ سن تین میں امام حسنؑ پیدا
ہوئے اور سن چار ہجری میں امام حسینؑ پیدا ہوئے تو اتنے دن تو گذر
گئے کہ امام حسنؑ اپنے پیروں چل رہے ہیں۔ چاہے امام حسینؑ گود میں آ[illegible]
ہوں۔ تو اگر تین چار سال کی عمر گذر گئی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں
روایات کی بنا پر یہ سن نو ہجری کا واقعہ ہے یعنی اس کے بعد [illegible]
فقط ایک سال دنیا میں رہنے والے ہیں۔ تو عزیزو! یہ واقعہ کب [illegible]
آیا؟ سن نو ہجری میں۔ ذی الحجہ کے مہینہ میں یعنی اگلے سال پیغمبرؐ
ذیقعدہ میں حج کیلئے جائیں گے تو ایک لاکھ بیس ہزار کا قافلہ ہوگا [illegible]
تو سنا ہوا ہے اور جن حضرات نے نہیں سنا ہے انکی معلومات کے [illegible]
کر رہا ہوں کہ پیغمبرؐ نے پہلا اور آخری حج جو علی الاعلان کیا ہے وہ
میں کیا ہے اور ۱۱ سنہ ھ میں پیغمبرؐ اسلام اس دنیا سے تشریف لے [illegible]
۱۰ سنہ ھ میں ۲۵ ذی قعدہ کو پیغمبرؐ کا قافلہ نکلا تو روایات میں [illegible]
کم ستر ہزار افراد ورنہ ایک لاکھ بیس ہزار آدمی آپ کے ساتھ [illegible]
ایک سال کے بعد پانچ سو کلومیٹر کا سفر کرنا ہوا (شاید اس [illegible]
آپ نے نہ سنا ہو) تو پیغمبرؐ نے کہا ساری ازواج چلیں گھر کے [illegible]



[illegible] سارے اصحاب سب چلیں۔ ایک لاکھ بیس ہزار کا قافلہ مع ازواج مع اولاد
[illegible] خاندان کے۔ میں عرض کرونگا سرکار! جب چار سو پانچ سو کلومیٹر لے جانا
[illegible] ہوا تو اتنا بڑا قافلہ اور جب اسلام کی عزت آبرو پر بنی ہے تو اتنی دور سے اتنا
[illegible] قافلہ لے کے آئے ہیں۔ آپکو تو خالی محلے میں ایک آواز لگانا ہے اے
[illegible] والو مجھے اپنا نفس چاہئے میرے چاہنے والو وہ خاتون چاہئے کہ جو
[illegible] جا سکتی ہو۔ وہ بچہ چاہئے جو میرا کہا جا سکتا ہو۔ اسلام پر وقت
[illegible] چلو نکلو ماشاءاللہ جسکے چاہنے والے چار سو پانچ سو کلومیٹر جا سکتے ہوں
[illegible] تعداد میں لگر خالی ایک آواز بلند ہوگئی ہوتی تو مباہلہ کے میدان میں
[illegible] مگر ایسا کچھ نہ ہوا اور سارا قافلہ صرف پانچ افراد پر مشتمل تھا۔
عیسائیوں نے دیکھا تو گھبرا گئے کہ آخر یہ افراد ہیں کون؟ فرمایا نہیں
[illegible] وہ میرا بھائی ہے۔ یہ میرے بچے ہیں۔ یہ میری بیٹی ہے۔ اچھا تو
[illegible] والوں کو لے کر آئے ہیں ہم تو محلے والوں کو لائے ہیں! ہم تو گاؤں
[illegible] ہیں! ہم تو چاہنے والوں کو لائے ہیں! آپ گھر والوں کو لائے
[illegible] ہم اپنے عالم سے دریافت کریں تو جو پیغمبرؐ سے بات کر رہے
[illegible] کے گئے اپنے عالم کے پاس۔ کہا یہ تو بہت تھوڑے سے
[illegible] ہیں۔ ہم نے پوچھا یہ ہیں کون؟ انھوں نے کہا۔ یہ ہمارے
[illegible] زین گھر والے۔ یہ بیٹی وہ داماد۔ یہ نواسے یہ گھر والے

بالکل گھر والے اصلی گھر والے اب فرمائیے کیا ارادہ ہے۔ مباہلہ کا اعلان
کریں یا نہ کریں۔ کہا خبردار مباہلہ نہ کرنا اتنا تو سوچو کہ اس آدمی کو اپنی سچائی
پر اتنا اعتبار ہے کہ یہ ادھر آدھر والوں کو قربان نہیں کرنا چاہتا ہے۔
اپنے گھر والوں کو لے کے آیا ہے اسے اپنی صداقت پر مکمل ناز ہے۔ لہٰذا خبردار
مباہلہ نہ کرنا واللہ انی لاری وجوھا لو سئلو اللہ ان یزیل الجبل
عن مکانہ لازالہ خدا کی قسم ہم ایسے چہروں کو دیکھ رہے ہیں
یہ خدا کی بارگاہ میں دعا کر دیں تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائینگے۔ ہم ہمارا
کی کیا اوقات ہے۔ کہیں ہمارے بارے میں کہدیا اور ہمیں بتا دیا
کہیں نام و نشان نہ رہ جائے گا۔ روئے زمین پر کوئی ایک عیسائی نہ
لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہار مان لو مقابلہ اور مباہلہ نہ کرو۔ شکست کا اعتراف
بالآخر شکست کا اعتراف کر لیا جو انجام سامنے آیا وہ آپ کو معلوم
یہ کہتا ہے کہ پیغمبرؐ صرف چار افراد کو لیکے آئے تھے۔ اب جسکو جس
رکھدو کہ تین لفظیں ہیں اور چار آدمی (توجہ کریں) ایک لفظ نفس
نساء، ایک لفظ ابناء یہی تین لفظیں ہیں اب جسکو چاہئے جہاں
کو کہاں رکھیں سوائے نفسِ پیغمبرؐ کے۔ فاطمہؑ کو کہاں رکھیں گے سوائے
اور بچوں کو کہاں رکھیں گے سوائے ابنائنا کے یعنی اگر ساری باتوں کو
تو اتنا ہی اہلبیتؑ کے شرف کے لئے کافی ہے کہ مباہلہ کے میدان



تو علیؑ نفسِ پیغمبرؐ ہو گئے اور حسنینؑ اولادِ پیغمبرؐ ہو گئے۔ صلوات
مگر عزیزانِ محترم میرے اس جملہ کو نہ بھولئے گا یہ وہ کارنامہ ہے
جسکا تعلق اپنی ذات سے نہیں ہے کیونکہ ذات پر کوئی وقت نہیں پڑا تھا
وہاں تو کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ بیمار ہو گئے تھے۔ شفا حاصل کی تھی لہٰذا روزے
رکھے تھے اگرچہ ظاہر ہے کہ اسمیں بھی جتنی نذر ہے وہ روزہ رکھنے کی ہے
یتیموں کو کھانا کھلانے کی نہیں ہے۔ مسکینوں کو سیر و سیراب کرنے کی نہیں
ہے۔ یہ نذر سے زیادہ کام ہے۔ لیکن بہر حال وہاں تو کچھ اپنی ذات سے بھی
تعلق مسئلہ تھا لیکن یہاں تو اپنی ذات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے یہاں
مسئلہ توحید پروردگار کا ہے۔ مسئلہ صداقتِ پیغمبرؐ کا ہے اور اگر مزید بڑھا لیجئے
قرآن کی آیت نازل ہوئی ہے اور ظالموں نے نہیں مانا ہے یعنی مسئلہ آبروئے قرآن
کا ہے۔ یعنی یا مسئلہ توحید خدا کا ہے یا مسئلہ صداقت پیغمبرؐ کا ہے یا مسئلہ عزت
قرآن کا ہے اور اتنے بڑے کام کیلئے بچے گودیوں میں آرہے ہیں بھلا یہ کونسی
بات ہوئی کہ توحید خدا کا مسئلہ اور گود کا بچہ اسے حل کرے گا۔ صداقت پیغمبرؐ کا
مسئلہ اور گود میں جا کے کوئی طے کرائے گا۔ عزت قرآن کا مسئلہ اور حل کرنے
والا گود میں جائے گا۔ گود میں جانے والا بچہ کیا کر سکتا ہے اور واقعاً کچھ نہیں
کر سکتا ہے مگر مجھے ایک لفظ کہنا ہے کہ کوئی گود میں رہنے والا بچہ نہ توحید
کیلئے کچھ کر سکتا ہے۔ نہ رسالت کیلئے کر سکتا ہے نہ قرآن کیلئے کر سکتا ہے اور

یہی دلیل ہے کہ کوئی نہیں کرسکتا ہے مگر حسینؑ کرسکتا ہے۔ صلوات
اب اندازہ ہوا کہ گودیوں میں پلنے والے اور کھیلنے والے بچے اور
ہوتے ہیں اور حسینؑ بن علیؑ اور ہیں۔ جب توحید کا مسئلہ سامنے آیا تو پیغمبر اسلامؐ
حسینؑ کو اپنے ساتھ لیکے چلے۔ صداقت پیغمبرؐ کا مسئلہ سامنے آیا تو حسینؑ کو ساتھ
لیکے آئے۔ عظمت قرآن کی بات آئی تو حسینؑ کو ساتھ لیکے چلے تاکہ دنیا پہچان
لے کہ ہم تو کل نہ رہیں گے لیکن توحید کا عقیدہ لاوارث نہ ہوگا۔ ہماری صداقت
مجروح نہیں کیجا سکتی ہے۔ قرآن کو تباہ و برباد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہم نہ
رہیں گے یہ حسینؑ رہے گا اسی لئے سب سے آگے حسینؑ بن علیؑ کو رکھا کہ یہی
نمایاں ترین فرد ہے واللہ الی ہٰذا یٰ وَجھًا خدا کی قسم ہم ایسے چہرے دیکھ
رہے ہیں (ابھی تو میرا بیان نصف بھی نہیں ہوسکا لیکن بہرحال باقی باتیں
کل گذارش کروں گا ایک جملہ ذہن میں آگیا لہٰذا بات کو یہیں روک دینا
چاہتا ہوں) اللہ! جسکو پروردگار نے یہ شرف بخشا ہو کہ اگر وہ خدا سے دعا
کروے تو خدا پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے گا تو اگر وہ خدا سے دعا کر دیتا تو کیا
پروردگار فرات کو اپنی جگہ سے نہ ہٹا دیتا۔ کیا فرات کا پانی اس کے خیموں
تک نہیں آسکتا تھا۔ اگر وہ دعا کر دیتا تو کیا آسمان سے پانی نازل نہیں
ہوسکتا تھا۔ جسکے لئے بغیر دعا کے جنت سے غذا آجائے۔ جس کے لئے بغیر [illegible]
کے جنت سے لباس آجائے وہ اگر خدا کی بارگاہ میں دعا کر دیتا تو کیا نہیں



[illegible]ب ممکن تھا مگر حسینؑ جب منزل امتحان میں آئے تو ایسا امتحان دیا جو
امتحان دینے کا حق تھا۔ کوئی دنیا میں ایسا صاحب کمال نہیں پیدا ہوا ہے
[illegible] نے ایسا امتحان دیا ہو۔ جس طرح امتحان حسینؑ بن علیؑ نے دیا ہے
[illegible] عزیزو میں اس تذکرہ [illegible] کو آپ کے سامنے ابھی قدرے تفصیل سے
[illegible]ارش کروں گا لیکن ایک جملہ خاتمۂ کلام میں اپنی آج کی گفتگو کو مکمل
[illegible] کیلئے گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر اتنی باتیں آپ کے ذہن میں ہیں
[illegible] تو آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ امام حسینؑ اس دنیا میں ۴ھ میں آئے
[illegible] کے آغاز میں پیغمبرؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ ۱۱ھ اس لئے
[illegible] جاتا ہے کہ صفر کے مہینے میں انتقال ہوا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ۱۱ھ
[illegible] تو مہینہ گذرا ہے تو پیغمبر اسلامؐ ۱۱ھ میں دنیا سے تشریف لیگئے
[illegible] ۴ھ میں آدھا سال گذرنے کے بعد شعبان میں اس دنیا
[illegible] یعنی حیات پیغمبرؐ میں امام حسینؑ کی کل عمر کتنی ہے ۶ اور سات سال
[illegible] اس کے معنی یہ ہیں کہ جتنے کارنامے حسینؑ نے پیش کئے ہیں
[illegible] کا کارنامہ ہے نہ کوئی ضعیفی کا کارنامہ ہے نہ کوئی سن رسیدہ
[illegible] نامہ ہے۔ جتنے کارنامے ہیں سب بچپنے کے ہیں۔ اگر روزہ رکھا
[illegible] سنی میں۔ اگر یتیم و اسیر و مسکین کو کھانا کھلایا ہے تو اسی کمسنی
[illegible] افطار کیا ہے تو اسی کمسنی میں۔ اگر پیغمبرؐ کی تصدیق کی ہے

نے میدان میں آئے ہیں تو اسی کمسنی میں۔ جتنے کرامات وکمالاتِ حسین ابن
علیؑ ہیں سب اسی کمسنی کا نتیجہ ہیں اور شاید یہ بھی ایک راز رہا ہو کہ اگر
پیغمبر اسلامؐ نے حسینؑ کو اپنی گود میں اٹھا کر دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ میرے
ایک ایسا بچہ بھی ہے جو سن وسال میں انتہائی چھوٹا ہے مگر سارے عالم
سے مقابلہ کرنے کیلئے کافی ہے۔ تو حسینؑ نے بھی دنیا پر واضح کر دیا کہ میں
بھی ایک ایسے بچے کی پرورش کی ہے کہ اگر میں اسے گود میں لیکے میدان
آگیا تو سارے عالم نفاق و باطل سے مقابلہ کرنے کیلئے تنہا یہ ایک بچہ
اسکی سوکھی سی زبان کافی ہوگی (بس ارباب عزا) آپ متوجہ ہوگئے
اپنے بیان کو آخری منزل تک لے آیا!! حسینؑ بن علیؑ نے ہر موقع پر
کی امداد کی۔ مذہب کی راہ میں قربانی پیش کی۔ یہی وجہ ہے کہ جب اسلام
سے مصائب میں مبتلا ہو گیا۔ توحید کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ دین پیغمبرؐ کو کھیل
تماشا قرار دیا جانے لگا۔ عظمتِ قرآن پر حرف آگیا تو حسینؑ اٹھے۔
لے کر اٹھے۔ عظمت قرآن کے تحفظ کیلئے اٹھے۔ عظمتِ اسلام کے تحفظ
صداقتِ پیغمبرؐ کے بچانے کے واسطے اور ایسے قافلے کو لے کر چلے جسمیں
والے ہی نہیں، چاہنے والے بھی ہیں اور ایسے قافلے کو لیکے چلے جسمیں
آزاد نہیں بلکہ غلام بھی ہیں کنیزیں بھی ہیں۔ تاکہ دنیا محسوس کرے
کل میرے نانا نے یہ احساس دلایا تھا کہ صداقت سن وسال کی محتاج



ہے اگر پیغمبرؐ منزل صداقت پر ہیں۔ اگر علیؑ منزل صداقت پر ہیں تو یہ
گود میں جو بچہ آرہا ہے یہ بھی صداقت کی اسی منزل پر فائز ہے تو جیسے
صداقت سن وسال کی محتاج نہیں ہے ویسے ہی حقانیت بھی انسان کے
قوم وقبیلہ کی پابند نہیں ہے۔ آزاد قبائل سے تعلق رکھتا ہو تو وہ بھی منزل
حقانیت پر ویسے ہی فائز ہے کہ جیسے غلام اور کنیز ہو اسی لئے حسینؑ جب
چلے تو ایسے قافلہ کو لیکر چلے جسمیں غلاموں کو بھی شامل کر لیا۔ کنیزوں کو
بھی شامل کر لیا تاکہ رہتی دنیا تک یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ
منزل صداقت وحقانیت میں نہ سن وسال کام آتا ہے نہ قوم وقبیلہ میں
کردار کے نمونے لیکے چلا ہوں۔ میں کردار کے مجسمے لیکے چلا ہوں اور تنہا
اس لئے لیکر نہیں آئے ہیں کہ انھیں راہ خدا میں قربان کر دیا جائے
راہ خدا میں قربان ہونے کے لئے آئے فرزند رسولؐ نے چاہا کہ دنیا
سامنے انکی عظمتوں کو پیش کر دیا جائے۔ ان کی جلالتوں کا مظاہرہ کر دیا
اس لئے بار بار کبھی گھر کے اندر آتے ہیں تاکہ گھر کی کنیز کی عظمت کا
اظہار ہو اور کبھی گھر کے باہر آتے ہیں تاکہ ان غلاموں کی بلندی کردار کا اظہار
ایک دو نہیں کربلا میں متعدد غلام ہیں جنھوں نے قربانی پیش کی
کے اندر متعدد کنیزیں ہیں جنھوں نے راہ خدا میں قربانی پیش
اگرچہ آپکے اور ہمارے سامنے صرف جناب فضہ کا ذکر آتا ہے کہ

جب حسینؑ کو کوئی کام ہوا تو فضہ کو پکارا جب شہزادی زینبؑ کو کوئی کام
پیش آیا تو فضہ کو آواز دی۔ فضہ کے کارنامے خیمہ کے اندر بھی اور خیمہ پر بھی
دیکھے اور جب مقتل میں آواز گونجی کہ گھوڑوں کی نعل بندی ہو رہی ہے
تو فضہ ہی نے آ کے کہا تھا۔ شہزادی غضب ہو گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے
شہزادے کا لاشہ پامال کیا جائے گا مگر ایک واقعہ جو آپ سنتے رہتے ہیں
لیکن وہ فضہ کا واقعہ نہیں ہے۔ جب دربار شام میں ظالم نے کہا کہ مجھے
زینبؑ سے باتیں کرنا ہیں اور ایک کنیز آ کے پردہ بن کے شہزادی کے
سامنے کھڑی ہو گئی تو یہ فضہ نہیں ہے یہ حبش کی رہنے والی ایک دوسری کنیز ہے
تو جیسے کنیزوں کو کربلا سے شام تک دیکھا ان کے خدمات کو دیکھا۔ ان کی
قربانیوں کو دیکھا اور آل محمدؐ کی قدردانیوں کو دیکھا۔ ایسے ہی کربلا میں
غلاموں کو دیکھا۔ غلاموں کی قربانیوں کو دیکھا اور مولا کی قدردانی کو دیکھا
(میں سارے تذکرے نہ گذارش کروں گا) فقط دو جملے سنو عزیزو بہت روئے
گے آپ۔ وہ غلام کہ جسکا نام برابر آتا رہتا ہے۔ جیسے کنیزوں میں فضہ کا
آتا ہے ویسے ہی غلاموں میں جون کا ذکر برابر آتا ہے۔ وہ وقت بھی آیا جب
محضر شہادت کا ذکر آیا کہ سب راہ خدا میں قربان ہو جائیں گے تو ایک
جون سامنے آئے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ مولا کیا مجھے بھی میدان
جانے کی اجازت ملے گی۔ آقا کیا یہ شرف مجھے بھی ملے گا کہ میں جا کے



آپ کے قدموں پر قربان کر دوں۔ حسینؑ خاموش ہیں کوئی جواب نہیں
دیتے ہیں۔ کہیں دنیا میں کسی کو خیال نہ پیدا ہو جائے کہ دنیا کے آقاؤں
کا طریقہ ہے کہ جب اپنے اوپر مصیبت آتی ہے تو غلاموں کو قربان کر کے اپنے کو
اور اپنے گھر والوں کو بچا لیا کرتے ہیں۔ نہیں یہاں جب اپنے جوان بیٹے کا وقت
آئیگا تو خود کہیں گے "تقدم علی اکبر جاؤ علی اکبر۔ لیکن جب غلام کا وقت آیا
تو غلام اجازت مانگ رہا ہے اور حسینؑ سر جھکائے کھڑے ہیں۔ مولا کیا مجھے اس
لئے اجازت نہیں مل رہی ہے کہ میرا رنگ سیاہ ہے۔ کیا اس لئے اجازت
نہیں مل رہی ہے کہ میرے پسینے سے بو آ رہی ہے۔ کیا اس لئے اجازت نہیں
مل رہی ہے کہ میرا خون راہ خدا میں بہنے کے لائق نہیں ہے۔ بس یہ سننا تھا
کہ حسینؑ سے برداشت نہ ہو سکا۔ چاہنے والے کو کلیجے سے لگا لیا۔ اے جون
ٹھہر جا ایسا نہ کہنا راہ خدا میں ان باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تو مولا پھر کیوں
نہیں جانے دیتے کہا میں نے تمھیں اس لئے بچا کے رکھا ہے کہ میرا عابد بیمار
ہے کوئی تو میرے بیٹے کی تیمارداری کے لئے چاہیئے اس لئے میں نے تمھیں
روک رکھا ہے جاؤ ان سے اجازت مانگو۔ اگر وہ جانے کے لئے کہہ دیں تو میں
جانے دوں گا۔ جون عابد بیمار کے خیمہ کے پاس آئے۔ پشت خیمہ پر آ کے کھڑے
ہو گئے عابد بیمار کو پکارا۔ بیمار نے آنکھیں کھول دیں۔ آپ کا غلام جون
جون بیمار تو ہے مجھے کیوں بلا رہے ہو؟ مجھے کیوں آواز دی؟ کہا آقا میں

مولا کے پاس گیا تھا مرنے کی اجازت کے لئے۔ فرما رہے ہیں کہ جون تمھیں کیسے جانے دوں گا تمھیں تو میں نے اپنے بیمار بیٹے کی خدمت اور تیمارداری کے لئے رکھا ہے۔ آقا یہ بتایئے مجھے کیا کرنا ہوگا۔ میں آپ کی تیمارداری کے لئے رہ جاؤں یا آپ کے بابا پر قربان ہو جاؤں۔ کہا تم جا کے میری طرف سے قربان ہو جاؤ۔ تو جون آئے مولا نے اجازت دیدی میدان میں آکے قربان ہوگئے اور آخر وہ منزل آگئی جب پیغمبرؐ نے ایک شیشے میں خون جمع کیا تو ام سلمہ نے خواب میں دیکھا کہ جہاں حسینؑ کا خون ہے وہیں جون کا خون بھی ہے۔ اے جون کیا کہنا تیرے اعتقاد کا کہ اپنے خون کو خون فرزند رسولؐ سے ملا دیا۔ (اجرکم علی اللہ۔ خدا آپ کو کسی غم میں نہ رلائے سوائے غم آل محمدؐ کے) یہ غلام تھا کہ جسکا ذکر سنتے رہتے ہیں ایک غلام کہ جسکا ذکر عام طور سے نہیں آتا ہے (بس ایک جملہ اور سنیں تاکہ حسینؑ کی قدر دانی کا اور بھی اندازہ ہو جائے) غلام رخصت ہو کے میدان میں آیا زخموں سے چور ہو کے گھوڑے سے گرا آواز دی مولا غلام کی خبر لیجیے۔ حسینؑ نے غلام کی آواز سنی۔ دوڑ کے مقتل میں آئے تو دیکھا غلام غش کے عالم میں ہے آقا بیٹھ گئے۔ سر اٹھا کے زانو پر رکھا۔ اشارہ ہیں دیکھا چاہنے والا غش کے عالم میں ہے۔ آنکھیں نہیں کھولتا ہے۔ اے عزا اتنا تو آپ جانتے ہی ہیں کہ کوئی بیہوش ہو جائے تو اسے ہوش میں لانے کیلئے پانی چھڑکا جاتا ہے مگر وہ مظلوم کیا کرے جس کے چھ مہینے کے لال کو قطرہ آب نہ ملے۔



حسینؑ نے اپنا رخسار غلام کے رخسار پر رکھدیا۔ اب جو حسینؑ کے آنسو بہنے لگے تو غلام نے آنکھیں کھول دیں۔ ارے آقا یہ کیا کر رہے ہیں کہاں آپکا رخسارہ کہاں غلام کا رخسار۔ کہا اے چاہنے والے یہ تیرا حق ہے کہ تو نے اللہ کی راہ میں قربانی دی ہے۔

سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مجلس ۵

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین۔ سیدنا و مولانا ابی القاسم محمد و آلہ الطیبین الطاہرین الذین اذھب اللہ عنھم الرجس وطہرھم تطھیرا اما بعد فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

حسین منی وانا من حسین

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ سرکارِ دو عالمؐ کے ارشادِ گرامی کی روشنی میں جو سلسلۂ کلام آپکی خدمت میں پیش کیا جا رہا تھا۔ اس کے پانچویں مرحلہ پر کچھ مزید باتیں معرفتِ حسینؑ کے عظیم یعنی قرآن حکیم کے تعلق سے گذارش کرنا ہیں۔ کل میں نے یہ عرض کیا کہ تنزیلی اعتبار سے قرآن مجید کی چند آیات مسلّم ہیں کہ یہ جن حضرات کی شان میں نازل ہوئی ہیں ان میں ایک نمایاں شخصیت امام



کی بھی ہے۔ اگر کبھی موقع ملے تو آپ واقعاً اس سورۂ مبارکہ دہر جسکو سورۂ "ہل اتیٰ" بھی کہا جاتا ہے اسکا مطالعہ کریں۔ اس کے معانی اور مطالب پر غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ آل محمدؐ کا کمال صرف یہی نہیں ہے کہ انھوں نے نذر کی۔ روزہ رکھ لیا۔ روزہ رکھنے کے بعد افطار کا وقت آیا تو یتیم و مسکین و اسیر کو کھانا کھلا دیا اور یہ سارا کام لوجہ اللہ انجام دیدیا۔ نہ کسی جزا کی خواہش کی اور نہ کسی شکریہ کی تمنا کی۔ بلکہ اس کے قبل و بعد پروردگار عالم نے آل محمدؐ کی جن عظمتوں کا ذکر کیا ہے انکا تصور بھی عام انسانوں کے لئے ممکن نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی انسان اس کی تہ تک جانے کا خیال پیدا کرلے۔

ان الابرار یشربون من کاس کان مزاجھا کافوراً یہ اللہ کے نیک بندے ہیں جنکے سیراب کرنیکے لئے پروردگار عالم نے مخصوص انتظام کیا ہے اور ان بندوں کو اللہ نے ابرار نیک بندوں سے تعبیر کیا ہے عیناً یشربون بھا عباد اللہ پروردگار عالم نے جنت میں وہ چشمہ رکھا ہے جس سے اللہ کے یہ بندے سیراب ہونے والے ہیں جنکو کبھی ابرار کہا جاتا ہے اور کبھی عباد اللہ کہا جاتا ہے۔ انسانی شرف کے لئے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ پروردگار اسے اپنا بندہ قرار دیدے اور اپنا نیک بندہ قرار دیدے۔ لیکن اس مقام پر قرآن مجید نے ایک عجیب و غریب بات کہی ہے عیناً یشرب بھا عباد اللہ یہ وہ چشمہ ہے جو جنت میں جاری کیا گیا ہے جس سے اللہ کے

نیک بندے سیراب ہوں گے اور اس شان کے ساتھ کہ یُفَجِّرُوْنَھَا
تَفْجِیْرًا جدھر چاہیں گے لیجائیں گے۔ یہ ان کے اختیار کا مسئلہ ہے جدھر
چاہیں چشمہ کو بہالے جائیں یعنی جب چشمے کی بات آئی تو اس کے بہاؤ کو
بندوں کے اختیار میں دیدیا اور جب کاسہ کی بات آئی تو فرمایا قدروھا
تقدیرا اس کی مقدار بھی معین کرنا انھیں کا کام ہے جنت کی نعمتوں سے
فائدہ اٹھانا آسان ہے جنت پر حکومت کرنا مشکل ہے۔ پروردگار عالم نے ایک
حوض کوثر بنادیا ہے انشاءاللہ، اللہ کے تمام نیک بندے۔ صاحبان ایمان و کردار
جائیں گے تو انھیں حوض کوثر سے سیراب کیا جائے گا مگر کسی صاحب کو یہ شوق
پیدا نہ ہوجائے کہ ہم جنت میں اپنے قصر میں بیٹھے رہیں گے اور کوثر کے [illegible]
کو انکے پاس آنا پڑے گا۔ کسی صاحب کو یہ خیال نہ پیدا ہوجائے کہ یہ گلاس ہمارے
سائز سے کچھ چھوٹا کم دکھائی دے رہا ہے تو جیسا ہم چاہیں گے ویسا بن جائے
گا۔ کہ جنکے ذہنوں میں یہ تصور پیدا ہوجائے انھیں وہاں تک جانا ہی [illegible]
نہ ہوگا سیراب ہونے کا مسئلہ تو بعد کا ہے!! اگر پروردگار نے جن [illegible]
نیک بندوں کی تعریف کی ہے ان کے بارے میں ان دونوں باتوں کو [illegible]
کر دیا ہے کہ جس جام سے، جس کاسہ سے پلایا جائے گا اسکی مقدار بھی وہ
طے کریں گے اور جس چشمہ سے سیراب کیا جائیگا اسکا بہاؤ بھی وہی طے کریں
خدایا کیا یہ بندے بندے نہیں ہیں کچھ اور ہیں پروردگار نے آواز دی



نہیں بیشک تم بھی ہمارے بندے ہو۔ یہ بھی ہمارے بندے ہیں۔ فرق
اتنا ہے کہ جنت میں آکے تم باشندہ ہو اور یہ سردار ہیں باشندوں کو
ملک میں وہ اختیارات نہیں دیئے جاتے ہیں جو اختیارات سردار کو دیئے
جاتے ہیں۔ میرے پیغمبرؐ نے پہلے ہی کہا تھا الحسن والحسین سیدا
شباب اہل الجنتہ تمہیں اسی دن سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ تمھارے اختیارات
اور ہیں اور آل محمدؐ کے اختیارات اور ہیں۔ صلوات۔ نعرۂ حیدری

یہ عظمتیں اور یہ بلندی کردار جس کا تذکرہ پروردگار عالم نے سورۂ مبارکہ دہر
میں کیا ہے دنیا میں اس بلندی کردار کا کوئی جواب نہیں ہے اور دوسری
[illegible] کردار حسین بن علی کے ذیل میں جو میں گذارش کر رہا تھا مباہلہ
مشہور و مدون واقعہ ہے جسکو سارا عالم اسلام جانتا ہے اور سب نے
کسی شکل میں اسکو نقل کیا ہے۔ البتہ دور حاضر میں بعض ایسے مفسرین
[illegible] ہوگئے ہیں جو بیچارے قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں مجبوراً یہ تو
[illegible] کہ پیغمبر اسلام کچھ لوگوں کو میدان میں لیکے آئے مگر یہ بتانے کی ہمت
[illegible] کہ نفس کی جگہ پر کسکو لائے۔ نسائنا کی جگہ پر کون آیا۔ ابنائنا کی جگہ
[illegible] !! تو جس مسلمان کے ذہن میں ایسی بات پیدا ہوجائے کہ وہ
[illegible] کا نام لیتے ہوئے گھبراتا ہو اس سے آل رسولؐ سے محبت کرنیکی کیا
[illegible] سکتی ہے۔ یہ تو کوئی مسئلہ نہ فضائل بیان کرنے کا ہے نہ مناقب

کے ذکر کا ہے۔ کم سے کم واقعہ بیان کیا ہے تو واقعہ کی شخصیتیں تو معلوم
ہو جائیں ورنہ یہ بات اور آسان ہو جائے گی کہ جب پیغمبرؐ نے اعلان رسالت
کیا تو ایک صاحب ایمان لے آئے اور ایک صاحبہ ایمان لے آئیں جب
پیغمبرؐ اسلام مکہ چھوڑ کے چلے تو ایک صاحب ساتھ چلے۔ جب پیغمبرؐ میدان میں گئے
تو کچھ صاحب میدان میں گئے جہاد کرنے کے واسطے۔ جب پیغمبرؐ دنیا سے چلے
گئے تو کچھ لوگوں نے جنازہ اٹھا دیا۔ کہیں کسی کا نام تو نہیں آنے پایا۔ مگر کسی مقام
پر یہ احتیاط نہیں برتی جاتی ہے حد یہ ہے کہ اگر قرآن میں نام نہ ہو جب بھی نام
خود ہی معین کر لیا جاتا ہے اور اگر تاریخ میں نام نہ ہو تو نام کی تلاش کر لی جاتی ہے
کہ یہ کون انسان تھا فقط ایک مباہلہ ہی ایسا رہ گیا ہے جہاں یہ کام نہیں ہوا
ہے اور شاید اس کا راز یہی ہے کہ مباہلہ ایک ایسی منزل ہے کہ جہاں کسی
طرف سے کسی کے داخل ہونے کی گنجائش نہیں ہے (میں ایک لفظ گذارش
کرنا چاہتا ہوں اور شاید اسکی وضاحت میری گفتگو میں ہو گی) لیکن یہیں
اس بات کو ذہن میں رکھیں گے کہ مباہلہ کے میدان میں آنا آل محمدؐ
وہ شرف ہے جسمیں کسی کا مقابلہ کرنا تو بڑی بات ہے کسی کی شرکت بھی
میدان میں نہ ہو سکی اس لئے کہ پروردگار عالم نے ذکر ہی ایسے انداز
کہ کسی کی جگہ نہ رہ جائے۔ جہاں گھر والوں کی بات آئی وہاں بہت سے گھر
مل گئے جہاں انفسنا کا ذکر آئے وہاں نفس پیغمبرؐ کہاں سے لایا جائے



جہاں نسائنا کا ذکر آیا وہاں زہراؑ کے علاوہ کوئی خاتون کہاں سے لائی جائے۔ جہاں
ابنائنا کا ذکر آیا وہاں حسنینؑ کے علاوہ کوئی انسان کہاں سے لایا جائے (بلکہ
میں اور واضح گذارش کروں گا تاکہ میرے بچے بھی یہ بات محسوس کر سکیں)
حد یہ ہے کہ دو مقامات تھے کہ جہاں اجتماعی طور پر قرآن نے اہلبیتؑ کے
شرف کا اعلان کیا ہے۔ ایک مرتبہ گھر کے اندر ایک مرتبہ گھر کے باہر۔ گھر کے
اندر اس دن اعلان ہوا جب سب چادر کے اندر اکٹھا ہوئے۔ اور باہر اس
دن اعلان ہوا جب سب میدان میں اکٹھا ہوئے۔ صرف اتنا کہنے کی بات
یہاں ہے کہ جب گھر کے اندر اکٹھا ہوئے تو کسی مقصد سے سہی ایک ملک چادر
کے اندر آ گیا مگر مباہلہ کا میدان تو وہ ہے جہاں ملک کا گذر بھی نہیں ہے تو
انسان کا گذر کیا ہوگا۔ صلوات

(بس عزیزان محترم میں اس موضوع کی وضاحت میں صرف ایک
[illegible] کے جو آئندہ بھی کام آنے والا ہے پھر اس دوسرے مرحلہ میں قدم
رکھنا چاہتا ہوں جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا) اور جو آیات قرآنی کا دوسرا
[illegible] دوسرا سلسلہ ہے۔ اس ذیل میں ایک بات جو انتہائی واضح ہے۔
[illegible] یہ ہے کہ جتنے افراد کو پیغمبرؐ اسلام مباہلہ کے میدان میں لے کے
[illegible] ان میں سب سے کمسن حسینؑ بن علیؑ تھے!! ظاہر ہے کہ مولائے کائنات
[illegible] والد ہیں۔ صدیقہ طاہرہ انکی والدہ ہیں۔ بالآخر ان کی ایک عمر ہے۔

ایک سن و سال ہے لیکن یہ دو بچے جو میدان میں آئے ہیں ایک وہ ہے جس
کی انگلی پیغمبرؐ پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک وہ ہے جو پیغمبرؐ کی گودی میں ہے۔ اسمیں
سب سے چھوٹا مجاہد جو مباہلہ کے میدان میں آیا ہے وہ ہیں حسینؑ بن علیؑ (اور جیسا
کل میں نے اشارہ کیا تھا) کہ ۹ھ میں ذی الحجہ کے مہینے میں یہ مباہلہ
ہے اور ۴ھ میں شعبان میں امام حسینؑ کی ولادت ہوئی ہے یعنی کل پا
سال کی عمر ہے۔ اس پانچ سال کی عمر میں پیغمبرؐ مباہلہ کے میدان میں حسینؑ
گود میں اٹھا کے لائے ہیں۔ مباہلہ کا میدان تو مقابلہ کا میدان ہے۔ صداقت
میدان ہے۔ جھوٹوں پر لعنت کرنے کا میدان ہے (یہاں نہ کوئی مٹھائی
والی ہے نہ کوئی حصہ تقسیم ہونے والا ہے نہ کوئی تبرک بٹنے والا ہے)
اس بچہ کا کیا کام ہے جو گود میں آرہا ہے (توجہ فرمائیں گے) یعنی میں تو
بھی نہیں کہہ سکتا ہوں کہ نابالغ کو کیوں لے کے آئے۔ اس لئے کہ ہمارے
یہاں نابالغ اسکو کہتے ہیں جو کم سے کم اپنے پیروں سے چلنے کے لائق ہو
عمر کے اعتبار سے پندرہ سال کا نہیں ہوتا ہے (توجہ فرما رہے ہیں) مثال
طور پر اگر آج کے اس مجمع کا تجزیہ کیا جائے تو لوگ کہیں گے کہ ماشاءاللہ
بزرگوں کے علاوہ نابالغ بچے بھی تھے تو نابالغ بچوں سے مراد وہ بچے ہو
جنمیں کوئی چودہ سال کا ہوتا ہے کوئی تیرہ سال کا ہوتا ہے۔ کوئی
سال کا ہوتا ہے اور بہرحال سب اپنے ارادہ واختیار سے آئے



کے ساتھ آگئے ہیں ورنہ جو لفظ نابالغ ہے چاہے اسکا اطلاق قانوناً ایک
سال کے بچے پر بھی ہوتا ہو لیکن عرف عام میں جب نابالغ کا ذکر کیا جاتا ہے
تو مراد ایک سال کا بچہ نہیں ہوتا ہے تو یہ وہ افراد لائے گئے ہیں
جنکو عرف عام کے
اعتبار سے نابالغ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے صرف بچہ ہی کہا جائیگا تو امام حسینؑ
تو واقعاً ابھی کمسن ہیں۔ اگر عرف عام کی زبان استعمال کی جائے تو واقعاً بچہ
ہیں آخر اس میدان میں کہ جہاں اسلام و کفر کا مقابلہ ہے۔ جہاں اسلام اور
عیسائیت کا مقابلہ ہے۔ جہاں صداقت اور جھوٹ کا مقابلہ ہے۔ جہاں توحید
و تثلیث کا مقابلہ ہے۔ جہاں پیغمبرؐ کی صداقت کا مسئلہ ہے۔ جہاں قرآن کے
وقار کی بات ہے۔ ایسے مقام پر اس پانچ برس کے بچے کے آنے کا کیا کام
ہے۔ پانچ برس کے بچہ کو پیغمبرؐ کیوں لے کے آئے ہیں لیکن بہرحال لے
کے آئے ہیں اور اس شان سے لے کے آئے ہیں کہ قرآن مجید نے بھی ذکر
کیا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو لائیں گے۔ اپنی عورتوں کو لائیں گے۔ اپنے نفسوں
کو لائیں گے۔ اگر یہ کہا ہوتا کہ ہمارے ساتھ نفس آئے گا۔ عورتیں آئیں گی
اں کو لائیں گے لہذا کل جب میدان میں آنا تو تمھارے ساتھ بھی تمھارے
آئیں گے تمھارے ساتھ بھی تمھاری عورتیں آئینگی۔ تم بھی اپنے بچوں کو
ارادہ ہوتا کہ جو نفس بن کے آیا ہے وہ مستقل ہے جو خاتون آئی ہے

وہ مستقل ہے اور جو بچے ہیں وہ لائے گئے ہیں لیکن نصابِ مباہلہ تو یوں بیان ہوا ہے کہ نفس کو لانا ہے۔ عورتوں کو لانا ہے۔ بچوں کو لانا ہے تو اگر بات خالی لانے کی ہے تو سب وہ ہیں جنکو لایا گیا ہے کہ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ جو لایا گیا ہے اسکی حیثیت ضمنی ہے تو پھر تنہا بچے ہی کیوں، نساءنا کو بھی لایا گیا ہے۔ انفسنا کو بھی لایا گیا ہے مگر جنکو لایا گیا ہے اگر انکی واقعاً کوئی مستقل حیثیت ہے تو جیسی حیثیت مولائے کائنات کی ہے، جیسی حیثیت صدیقہ طاہرہ کی ہے، جیسی حیثیت حسنؑ مجتبیٰ کی ہے ویسی ہی حیثیت پانچ برس کے حسینؑ ابن علیؑ کی بھی ہے اس کے بعد ایک لفظ اور گذارش کرنا ہے اسے ذہن میں رکھئے گا کبھی کام آئے گا۔ یہ واقعہ پیغمبرؐ کی حیات میں ۹ھ میں پیش آیا ابھی پیغمبرؐ ایک سال سے کچھ زیادہ دنیا میں رہنے والے ہیں یکم سے کم چودہ مہینے سرکار دو عالم رہیں گے اس کے بعد پیغمبرؐ دنیا سے تشریف لیجائیں گے تو پیغمبرؐ کی وفات کے بعد کے واقعات آج سے چودہ مہینے کے بعد کے واقعات ہیں۔ یعنی پیغمبرؐ کی وفات کے بعد جو واقعہ بھی پیش آئے گا وہ آج سے پندرہ مہینے بعد کا واقعہ ہوگا۔ یہ اس دور سے چودہ پندرہ مہینے پہلے کا واقعہ یعنی اسکے معنی یہ ہیں کہ جو بچہ آج پیدا ہوا ہے وہ اسوقت چودہ مہینے کا جائیگا۔ جو سال بھر کا ہے وہ اسوقت دو سال کا ہوجائے گا جو پانچ سال کا ہے وہ چھ سال کا ہوجائے گا۔ عمر بہرحال آگے بڑھے گی تو ہر وہ اضافہ



جو آج کے دن دنیا میں پایا جاتا ہے تو جب پیغمبرؐ دنیا سے جائیں گے اسوقت اسکی عمر میں بہرحال چودہ پندرہ مہینے کا اضافہ ہوچکا ہوگا تو اگر حسینؑ آج ۵½ سال کے ہیں تو کل کم سے کم ۶½ سال کے تو ہو ہی جائیں گے۔ یعنی چودہ مہینے کا عمرِ حسینؑ میں اضافہ ہوجائے گا تو عجیب بات ہے کہ جب عمر چودہ مہینہ کم ہو تو میدان میں جا کے عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں۔ پیغمبرؐ کی رسالت کی گواہی دینے کے لئے کافی ہوں۔ توحید خدا کے عقیدہ کو بچانے کے قابل ہوں۔ عیسائیت پر لعنت کرنے کے قابل ہوں۔ جھوٹوں پر لعنت کرنے کے لائق ہوں اور چودہ مہینے کے بعد ایسا انقلاب آجائے کہ ایک باغ کے مقدمہ کے گواہ بھی نہ بن سکیں۔ صلوات

شاید پروردگار عالم نے امام حسینؑ کی اس عظمت کا ذکر اسی لئے کیا ہے کہ دنیا اس شخصیت کو پہچان لے کہ اسکا بچپنا کتنا بلند ہے۔ یہ کمسنی میں کن عظمتوں کا مالک ہے ورنہ بڑے ہونے کے بعد تو اس کی بزرگی ہر ایک کی سمجھ میں آجائے گی جب کمالات کو دیکھ لیں گے فضائل و مناقب سیرت و کردار کو دیکھ لیں گے صرف کمسنی میں بلندیاں سمجھ میں نہیں آتی ہیں لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم سمجھائیں۔ ہم نے آیات قرآن کے ذریعہ انکی عظمت و بزرگی کا اعلان کردیا ہے ان کے سن و سال کو نہ دیکھو۔ یہ سن و سال میں کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں اپنی عظمت کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں یعنی یہ سن کے اعتبار سے

بچے ہیں اور عظمت کے اعتبار سے بڑے۔ تو اگر تصویر کا ایک رخ ایسا پایا جاتا ہے کہ چاہے عمر میں بچہ ہو لیکن عظمتوں میں بڑا ہو تو کوئی تصویر کا رخ ایسا بھی ہونا چاہیئے کہ جہاں سن و سال میں بڑا ہو اور عظمتوں میں بچہ تر ہو۔ ساری دنیا میں دونوں طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ آپ دیکھیئے چھوٹے چھوٹے بچے آجکل کتنے باکمال ہو گئے ہیں جس گھر جس خاندان جس محلہ میں جس شہر میں آپ چلے جائیے ابھی دس بارہ سال کا بچہ ہے اور ماشاءاللہ ہائی اسکول انٹرمیڈیٹ۔ بی اے کی ڈگری لئے گھوم رہا ہے اور اسی گھر کے بڑے بزرگ ان کے پاس پرائمری اسکول کی بھی ڈگری نہیں ہے۔ اب اگر کوئی صاحب کہیں نہیں نہیں یہ ان کے باپ ہیں یہ ان کے گھر کے بزرگ ہیں یہ خاندان کے بزرگ ہیں انھیں بھی کہدو کہ یہ بی اے پاس ہیں ورنہ صاحبزادے کو بی اے پاس کہدیا تو باباجان کی توہین ہو جائے گی تو اسمیں توہین کا کیا ہے۔ وہ بی اے ہو گیا و کہنا پڑیگا یہ نہیں ہوئے تو چلئے نہ کہیں گے چپ ہو جائیں گے مگر یہ تو نہیں ہو سکتا ہے کہ پاس نہیں کیا اور کہدیا جائے کہ نہیں بی اے پاس ہو گئے ہیں جیسے کہا جائے گا۔ ایسا آبرو بچانے کا کوئی قانون ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا قانون کسی گھرانے میں کسی خاندان کسی محلہ کسی شہر میں نہیں پایا جاتا ہے کہ جتنے بڑے نا اہل ہیں سب کو کہدو تاکہ بچوں کے مقابلہ میں شرمندہ نہ ہونے پائیں۔ یہ ہماری ذمہ داری



نہیں ہے یہ تو انھیں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے کو اہل بنا لیتے تاکہ شرمندہ نہ ہونا پڑتا۔ صلوات

بس عزیزانِ محترم یہ کل کی گفتگو کا تتمہ تھا جو میں نے آپکے سامنے عرض کر دیا آج ان منزلوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جو شرف و عظمت پروردگار نے اپنے ان بندوں کو جنمیں ایک شخصیت حسینؑ بن علیؑ کی ہے عنایت فرمایا ہے اس شرف کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک شرافت و عظمت وہ ہے جسکا تعلق انکی ذات سے ہے اور ایک شرافت و عظمت وہ ہے جسکا تعلق اس رسالت سے ہے جس کی گواہی کے لئے آئے تھے۔ جس طرح ذاتی طور پہ یہ اتنے بلند کردار ہیں کہ روزہ رکھ کے سامان افطار کو یتیم و مسکین و اسیر کو کھلا دیں تو انکی ذات اس بات کی حقدار ہے کہ اس کی عظمت کا اعلان کیا جائے۔ اسی طرح یہ عملی اعتبار سے اس قدر بلند مرتبہ ہیں کہ رسالت کے گواہ بن کر میدان میں آجائیں تو ظاہر ہے کہ اس گواہی کا تقاضا یہ ہے کہ پروردگار عالم انھیں وہ شرف دے جسکا تعلق رسالت سے ہو تاکہ معلوم ہو جائے کہ بندہ جیسا عمل کرتا ہے خدا ویسی ہی جزا دیتا ہے۔ بہرحال جو شرافت و جلالت و عظمت پروردگار عالم نے اہلبیتؑ کو عنایت فرمائی ہے ان کے ذاتی کردار کی بنیاد پر اسکا نام ہے آیۂ مبارکۂ تطہیر۔ کون سا انسان ہے جو نہیں جانتا ہے کہ پروردگار عالم نے آیۂ تطہیر میں اہلبیتؑ کی طہارت

کا اعلان کیا ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل
البیت ویطھرکم تطھیرا اس آیۂ کریمہ میں پروردگار عالم نے اہلبیت
کی طہارت نفس اور پاکیزگی کردار کا اعلان کیا ہے اور وہ طہارت جسکو حق طہارت
سے تعبیر کیا جائے۔ جسکو کمال طہارت سے تعبیر کیا جائے، اس طہارت کے
اعلان میں پروردگار عالم نے اپنے ارادہ کا حوالہ دیا ہے کہ یہ خود پاک نہیں
ہوگئے ہیں ارادۂ الٰہی نے انھیں پاک بنایا ہے!! اس لئے کہ بندہ اگر اپنی
طاقت سے کوئی چیز حاصل کرے گا تو جب تک بندہ کی طاقت کام کرے
گی وہ چیز رہے گی اور جب بندہ کی طاقت کمزور پڑ جائے گی تو وہ چیز ہاتھ سے
نکل جائے گی لیکن اگر کوئی بڑی طاقت اس کے ساتھ سہارا دینے کے لئے
ہو تو جب تک بڑی طاقت کمزور نہ ہو جائے کوئی شخص اسکو سلب نہیں کر
[illegible]بیت کا سرمایۂ طہارت، اہلبیت کی ذات کی پیداوار نہیں ہے اگر
اہلبیت [illegible] ذات کی پیداوار ہوتا۔ تو شاید کسی کو خیال پیدا ہوتا کہ جو کوئی
سے بڑا ہو جائے گا وہ انکی طہارت کو چھین لے گا خدا نے کہا کہ اسکا تعلق
انکی ذات سے نہیں ہے۔ اسکا تعلق میرے ارادہ سے ہے۔ میرے ارادہ
نے انھیں پاک بنایا ہے۔ جسکو مقابلہ کرنا ہو وہ ان کے ہاتھ پاؤں کی طاقت
سے مقابلہ نہ کرے۔ میرے ارادہ کی قوت سے مقابلہ کرے۔ جبکہ
ارادہ الٰہی میں کمزوری نہ پیدا ہو جائے "العیاذ باللہ" اسوقت [illegible]



آل محمدؐ کی طہارت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہو سکتا ہے!! اس مقام پر ایک
بحث جو آپ سنتے رہتے ہیں۔ ساری روایتیں جو عالم اسلام میں پائی جاتی
ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت پنجتن پاک کی شان میں نازل ہوئی ہے
سوائے دو آدمیوں کے جنھوں نے اس کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا
ہے۔ انمیں سے ایک نے شرافت سے اظہار کیا ہے اور ایک نے دیوانگی کے
ساتھ اظہار کیا ہے۔ ایک شخصیت مقاتل بن سلیمان کی ہے جس نے
شرافت سے یہ کہا کہ یہ آیت پیغمبرؐ اسلام کے اہلبیتؑ کی شان میں نہیں ہے
پیغمبرؐ کے گھر کے افراد کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ خیر اسکی اپنی ایک
رائے ہے جو اس نے دیدی۔ لیکن ایک عکرمہ جس کا خیال یہ تھا کہ یہ
پیغمبرؐ کے اہلبیتؑ کی شان میں نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ دوسرے
کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہ اپنا عقیدہ اس کی نگاہ میں اتنا معتبر
[illegible] بازار میں کھڑے ہو کر شور مچایا کرتا تھا ایہا الناس خبردار کوئی
[illegible] کہ اس آیت کا تعلق علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ سے ہے۔ ظاہر ہے
[illegible] ثقہ اور معتبر آدمی اپنی بات معتبر افراد کے سامنے پیش کرتا ہے اور پھر
[illegible] سے طے ہو جاتا ہے کہ جو یہ کہہ رہا ہے وہ صحیح ہے یا جو نہیں کہہ
[illegible] صحیح ہے اس بیچ بازار میں شور مچانے کا کوئی کام نہیں ہے
[illegible] میں ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں معنی آپ پہچانیں گے) ایک

طرف اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے مسلمان بازار میں شور مچا رہا ہے
کہ اس آیت کا تعلق ان افراد سے نہیں ہے اور ایک طرف جن افراد سے
آیت کا تعلق ہے اُس کا اظہار نہ بازار میں ہوتا نہ چوراہے پر۔ نہ کوئی مسلمان
کر رہا ہے اور نہ کوئی صحابی بلکہ چھ مہینے سے لے کر دس مہینے تک اس
حقیقت کا اعلان زہراؑ کے دروازے پر خود پیغمبرؐ سلام کر رہے ہیں کہ صبح
کی نماز کے وقت پیغمبرؐ آتے ہیں اور آواز دیتے ہیں' اَلصَّلوٰۃ یرحمکم
اللہ" اہلبیتؑ اللہ تم پر رحمت نازل کرے وقت نماز ہے' انما یرید اللہ
لیذھب عنکم الرجس اھل البیت!! جملہ روایات کے اختلاف کی
پر چھ مہینے سے لیکر دس مہینے تک پیغمبرؐ برابر فاطمہؑ زہراؑ کے دروازے
آ کے اس آیہ مبارکہ کی تلاوت کر رہے تھے کہ جنکو میں سلام کرنے آیا
جنکے دروازہ پر تطہیر کی آیت پڑھنے کے لئے آیا ہوں یہی میرے اہلبیت
اور اس کے مقابلہ میں ایک مسلمان ہے جو بازاروں میں شور مچا
مگر افسوس کہ بازاروں کا شور سب کو سنائی دیا اور پیغمبرؐ کی آواز کسی کو
سنائی دی۔ صلوات

دس مہینے تک سرکار دو عالمؐ در فاطمہؑ پر آ کے سلام کرتے
اہلبیت کہتے رہے اور آیہ کریمہ کی تلاوت کرتے رہے یعنی اس
کی تاکید کرتے رہے کہ یہ آیہ کریمہ ان افراد کی شان میں ہے



جس کے بعد صرف ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ کیوں سب کو بازار کا شور
سنائی دیا اور پیغمبرؐ کی آواز جو دس مہینے تک مدینہ کی گلیوں میں بلند ہوتی رہی
وہ آواز کسی کو نہ سنائی دی شاید وقت کے اختلاف کی بنا پر ایسا ہو گیا ہو
کہ شور دوپہر کے وقت ہوا سب جاگ رہے تھے سب نے سن لیا لیکن پیغمبرؐ
نے صبح کی نماز کے وقت آ کے آواز دی اور لوگ سو رہے تھے کسی نے سنا ہی
نہیں ورنہ اگر سو نہ رہے ہوتے تو جگانے کی ضرورت ہی کیوں پڑتی لیکن
اگر ایسا ہی ہوتا کہ جو بات صبح کے وقت کی ہوتی وہ نہ سنائی دیتی دوپہر کے
وقت کی بات تو سنائی دیتی لیکن ہمیں تو تلخ تجربہ ہوا ہے کہ دوپہر کی بات
... ہی سنائے تو سنائی دیتی ہے اگر پیغمبرؐ سنائیں تو وہ بھی نہیں سنائی
... صلوات

اہلبیتؑ کون اور اہلبیتؑ کی عظمتیں کیا؟ یہ ایک طویل بحث ہے جسکا
... ہے اور نہ وقت میں اتنی گنجائش ہے۔ صرف ایک جملہ
... دونوں سلسلوں کو مربوط کرنے کے لئے!! بعض مورخین نے اور بعض
... علام نے جب مباہلہ کی آیت پر بحث کی ہے تو خود بخود یہ سوال
... کہ پیغمبرؐ اپنے ساتھ صرف چار آدمیوں کو لے کر گئے
... تھے جو سچے تھے جھوٹوں پر لعنت کرنے کے قابل تھے میدان
... تھے۔ حضورؐ نے فرما دیا ہوتا تو ہزاروں افراد اکٹھا ہو جاتے

لیکن آخر پیغمبرؐ ان چار ہی آدمیوں کو کیوں مباہلہ کے میدان میں لے گئے؟
اور پھر فوراً ہی اسکا جواب یہ دیا ہے کہ اس کے معنی یہ نہیں کہ یہ چار آدمی
کسی اسپیشل شخصیت کے مالک تھے کہ ایسا کوئی اور تھا ہی نہیں بلکہ بات
یہ ہے کہ کَانَ مِنْ عَادَۃِ العرب اس زمانے میں عربوں کی عادت تھی
کہ جب کبھی ایسا مقابلہ ہوتا تھا جس کو مباہلہ کہا جاتا تھا یعنی صداقت
کا مقابلہ تو اس زمانہ میں عربوں کی عادت تھی کہ آن یبَاھِلُوا ابقربائہم
وَاھلبیتھم تو ہمیشہ لوگ اپنے قرابت داروں کو اور اپنے اہلبیت
گھر والوں کو بیجایا کرتے تھے تو چونکہ رسم ہی نہیں تھی باہر والوں
کی اس لئے پیغمبرؐ مجبور تھے رسم جاہلیت سے اور اس رسم کو توڑ
سکتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ نے انھیں بھیجا تھا رسموں کو توڑنے
مگر یہ خیال پیغمبرؐ کو مکہ میں رہا کہ بت پرستی کی رسم ٹوٹ جائے
ٹوٹ جائے۔ جوے کی رسم ٹوٹ جائے۔ بیٹیوں کو دفن کرنے کی
جائے نو سال تک مدینہ میں خیال رہا لیکن جب مباہلہ کا زمانہ آیا
وہ رسم یاد آگئی جو بائیس سال پہلے کی تھی کہ مباہلہ کا طریقہ
کی بنیاد پر یہ تھا لہٰذا پیغمبر اسلام انھیں کو لے کر آئے جنکو
لوگ لایا کرتے تھے (میں زیادہ دیر ٹھہرونگا نہیں لیکن چونکہ
ساتھ حل کرنا ہیں لہٰذا اگر ایک دو منٹ زیادہ صرف ہو جائے



بات نہیں ہے) پہلی بات یہ ہے کہ یہ بیچارہ کہنے والا بھول گیا کہ مقابلہ
عیسائیوں سے تھا یہ کوئی بدر واحد کا میدان نہیں تھا یہ مباہلہ کی منزل تھی
یہاں مقابلہ عیسائیت سے تھا۔ اگر مقابلہ مشرکین و کفار مکہ سے ہوتا تو ہو سکتا
تھا کہ جب پیغمبر اسلام کسی اور کو لے آتے تو وہ لوگ اکڑ جاتے کہ ہم ایسا مقابلہ
نہ کریں گے جیسا کہ جب پیغمبرؐ نے صلح حدیبیہ میں صلح نامہ لکھوایا تو جیسے ہی
پیغمبرؐ نے کہا بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کفار نے کہا کہ ہم رحمٰن
الرحیم کو نہیں پہچانتے ہیں۔ اگر صلح کرنا ہے تو وہ کہیئے جو ہم کہتے ہیں یعنی
جو ہمارا طریقہ ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا طریقہ ہے کہا بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ
پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اللہ کا نام تو ہے ہی۔ اب کیا فرق پڑتا ہے کہ بسم اللہ
کہا جائے یا بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ کہا جائے۔ تو چونکہ مقابلہ کفار و مشرکین سے
تھا انھوں نے کہا ہمارا طریقہ یہ ہے اور پیغمبرؐ نے کہا ٹھیک ہے تو مشرکین
رسم کو یاد دلائیں تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن مباہلہ میں تو
مشرکین نہیں آئے تھے۔ مباہلہ تو عیسائیوں سے تھا۔ عیسائیوں کا
رسم جاہلیت سے؟ ایک تو فضل اہلبیت کو گھٹانے والے
ہوش بھی نہ رہ گیا اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ آدمی ایسی
کہے اور اسی کا نام فضل ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مان لیا
اسی لئے لے کے آئے تھے کہ رسم جاہلیت تھی تو رسم جاہلیت

کیا تھی کان من عادۃ الجاھلیہ ان یباھلوا بقراباتھم واھلیتھم
جب کبھی ایسے مقابلہ کے میدان میں آتے تھے تو قرابتداروں کو لاتے
تھے اور اہلبیت کو لاتے تھے توجہ کی آپ نے یعنی رب نے چاہا تھا کہ رسم جاہلیت
کا حوالہ دے کر پیغمبرؐ کے اہلبیتؑ کو لانے کو ایک رسمی کام بنا دیا جائے مگر ایک
طرف سے کام بنایا تو دوسری طرف سے کام بگڑ گیا کم سے کم اتنا تو واضح ہو گیا
کہ جنکو لے کر آئے تھے یہی قرابتدار تھے اور یہی اہلبیتؑ تھے اب اس کے بعد
اگر قرابتداروں کا ذکر آئے تو کسی اور کا نام نہ لیجئے گا اور اہلبیتؑ کا ذکر آئے
آئے تو کسی اور کو تلاش نہ کیجئے گا۔ صلوات

یعنی خدا بھلا کرے ظالم نے رسم جاہلیت کا حوالہ دے کر دو آیتوں
کے معنی طے کر دیئے (اور یہی دو آیات وہ ہیں جو میرے موضوع میں شامل
ہیں) جنمیں پروردگار عالم نے اس شرف کا ذکر کیا ہے جو اہلبیتؑ کو اور
حسینؑ بن علیؑ کو عنایت فرمایا ہے ایک تطہیر کی آیت جسکا تعلق ان کے
ذاتی نفس کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی سے ہے اور ایک آیت وہ
جسکا تعلق رسالت سے ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ
فی القربیٰ۔ پیغمبرؐ آپ ان سے کہدیں کہ میں اپنے کار رسالت کی کوئی اجرت
نہیں چاہتا فقط ایک چیز چاہتا ہوں کہ میرے اہلبیتؑ سے اور میرے
قرابتداروں سے محبت کی جائے اس کے علاوہ میں اپنی زحمتوں کی کوئی



اجرت اور کوئی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں۔ اور جیسے ہی آیت نازل
ہوئی پیغمبرؐ کا صحابی کھڑا ہو گیا۔ یا رسول اللہ من قرابتک؟ یہ آپ کے
قرابتدار کون ہیں؟ الذین امرنا اللہ بمودتھم جنکی محبت کا خدا نے
حکم دیا ہے؟ فرمایا علیؑ و فاطمہؑ وابناھما علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے
دونوں فرزند! - یہ وہ ہیں جنکی محبت کا پروردگار عالم نے حکم دیا ہے۔
اور جنکی محبت کو معبود نے اجر رسالت قرار دیا ہے۔ گویا پیغمبرؐ نے نام لے کے
وضاحت کر دی جیسا کہ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ میں نے آیۂ تطہیر کے
نزول کے بعد سرکار دو عالمؐ سے دریافت کیا کہ حضور یہ بتایئے کہ یہ آیت
کس کی شان میں نازل ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا نزلت فیّ وفی علیؑ
وفاطمۃ والحسن والحسین۔ یہ آیت پانچ کی شان میں نازل ہوئی ہے
نزلت فیّ پہلے میری شان میں۔ اس کے بعد علیؑ کی شان میں۔ فاطمہؑ کی
شان میں اور حسنؑ و حسینؑ کی شان میں۔ یہ پانچ افراد ہیں جنکی شان میں
تطہیر کی آیت نازل ہوئی ہے لیکن جب آیۂ مودت نازل ہوئی تو پیغمبرؐ نے
اپنا نام نہیں لیا۔ پوچھا گیا کس کی محبت واجب کیگئی ہے؟ آپ کے قرابتدار کون
ہیں؟ تو فرمایا علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے دونوں فرزند ہیں۔ میں چاہتا ہوں
اس نکتہ کے فرق کو آپ پہچانیں کہ جب پیغمبرؐ کے قرابتداروں کا ذکر آیا
تو آپ نے علیؑ فاطمہؑ اور حسنینؑ کا نام لیا اپنا نام نہیں لیا اس لئے کہ یہ میرے

قرابتدار ہیں میں خود اپنا قرابتدار نہیں ہوں لیکن جب پوچھا گیا کہ اہلبیت کون ہیں؟ جنکی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے تو نہیں فرمایا کہ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ وحسینؑ بلکہ فرمایا یہ آیت میری شان میں ہے۔ علیؑ کی شان میں ہے فاطمہؑ کی شان میں ہے حسنؑ وحسینؑ کی شان میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مودت میں قرابتدار میرے قرابتدار ہیں اور تطہیر میں اہلبیت میرے اہلبیت نہیں ہیں بلکہ نبوت کے اہلبیت ہیں جنمیں میرا بھی شمار ہے بلکہ ان کی فرد اول میں ہی ہوں جس نے چادر کا بیت تیار کیا تھا۔ صلوات

اور اسی لئے مالک کائنات نے واضح کردیا تھا کہ یہ نبوت کے اہلبیت ہیں۔ اور مزید وضاحت اگر آپ چاہتے ہیں تو حدیث کسا پڑھئے جسمیں واضح طور پر یہ بیان کردیا گیا ہے کہ یہ آیت اہلبیت نبوت کی شان میں ہے اور اسی لئے حضورؐ نے فرمایا ہے نزلت فیّ یہ علیؑ وفاطمہؑ سے پہلے میرا نام ہے یہی وجہ ہے کہ جب نبیؐ کے گھر والوں کی بات آئے گی تو شاید شمار نہ ہوں لیکن جب نبوت کے گھر والوں کی بات آئے گی تو پہلے ہوں گے اس کے بعد کوئی اور شمار ہوگا۔ کیونکہ پروردگار نے کہا اہلبیت النبوۃ یہ نبوت کے گھر والے ہیں اب یہ ممکن نہیں ہے کہ کا نام لے علیؑ کا ذکر کرے۔ حسنؑ وحسینؑ کا ذکر کرے اور پیغمبرؐ کا ذکر لئے معبود نے فرمایا ھم فاطمۃ وابوھا یہ فاطمہؑ ہیں اور ان کے



اب پہچانا آپ نے کہ فاطمہؑ کے باپ کا ذکر کیوں آیا ہے اس لئے کہ یہ نبیؐ کے گھر والوں کی بات نہیں ہے یہ نبوت کے گھر والوں کی بات ہے۔ صلوات

اور میں مزید وضاحت کے طور پر ضمناً یہ لفظ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اگر کسی بچہ یا میرے کسی عزیز جوان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہ نبی کا گھر کیا ہوتا ہے اور نبوت کا گھر کیا ہوتا ہے تو بہت آسانی سے اردو میں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جو اینٹ چونے گارے سے بنتا ہے یہ آدمی کا گھر ہوتا ہے۔ پیغمبرؐ بھی جس گھر میں رہتے تھے وہ سرکار دوعالم کا ایسا ہی گھر تھا جو دنیا کے مادی سامان سے بنا تھا اور اسکو کہا جاتا نبی کا گھر لیکن جو فاطمہؑ کی چادر سے بنتا ہے وہ نبوت کا گھر ہوتا ہے۔ صلوات

اسمیں کسی غیر معصوم کا گذر نہیں ہوتا ہے اسمیں ساری کائنات عصمت سمٹ کے آجاتی ہے حد یہ ہے کہ زمین کے معصوم بھی یہیں آگئے آسمان والا معصوم بھی پیغام الٰہی لے کر یہیں آگیا البتہ یہاں کسی غیر معصوم کا گذر نہیں ہے تو پروردگار نے ایک شرف اہلبیتؑ کو اور امام حسینؑ کو طہارت کی شکل میں دیا اور ایک شرف محبت و مودت کی شکل میں دیا بلکہ انکی محبت و مودت کو پروردگار نے رسالت کی اجرت قرار دیدیا اور یہ مطالبہ ہونا بھی چاہیئے تھا اس لئے کہ ایثار و قربانی جو کارنمایاں قرابتداران پیغمبرؐ نے انجام دیا ہے اس کی مثال ساری کائنات میں کہیں نہیں ملتی ہے یہی سب وہ تھے جو عیسائیت کے

مقابلہ میں اپنی قربانیوں کو پیش کرنے کے لئے رسالت کی آبرو بچانے کے
لئے میدان میں آگئے تھے تو ان کی محبت اگر اجر رسالت نہ ہوگی تو اور
کسکی محبت ہوگی؟ یہ اگر کل رسالت کے کام آئے تو آج پروردگار عالم نے انکی محبت
کو رسالت کی اجرت بنا دیا اور اگر کل پاکیزگی نفس کا مظاہرہ کیا تو آج خدا
نے ان کی طہارت کا اعلان کر دیا۔ جس کا جیسا کردار ہوتا ہے خدا کی طرف
سے اسکا ویسا ہی معاوضہ دیا جاتا ہے۔ بس میں اپنے بیان کو آخری منزل
تک لے آیا جب پروردگار عالم نے اہلبیتؑ کی اور حسینؑ بن علیؑ کی محبت کو
رسالت کی اجرت بنا دیا تو جو دنیا کا زیرک ہوشیار ذہین سمجھدار اور باشعور انسان
ہوگا اس کی ذمہ داری ہے کہ رسالت سے خیانت نہ کرے پیغمبرؐ اسلام کی زحمتوں
اور محنتوں سے خیانت نہ کرے۔ اہلبیتؑ سے قرابتداران پیغمبرؐ سے محبت کرے
تاکہ سرکار دو عالمؐ کا کچھ تو حق ادا ہو جائے۔ اب محبت کیسے کی جاتی ہے؟ رسالت
کی اجرت کیسے ادا کی جاتی ہے۔ اس کی اگر کوئی مثال سمجھ میں نہیں آتی ہے تو
آگر گلیوں میں دیکھ لیجئے! آگے آگے حسینؑ بن علیؑ فرزند رسولؐ اور پیچھے پیچھے
ایک انسان چل رہا ہے کہ جب حسینؑ کے قدم اٹھ جاتے ہیں تو خاک قدم کو
اٹھا کے اپنی آنکھوں سے لگا لیتا ہے۔ دیکھنے والے حیران ہیں یہ کون انسان ہے
جو حسینؑ کا ایسا قدردان ہے کہ جس زمین پر حسینؑ قدم رکھ دیتے ہیں اس
خاک قدم کو اٹھا کے اپنی آنکھوں سے لگا لیتا ہے اور اپنے واسطے سرمہ چشم



بنا لیتا ہے اب جو تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حبیبؓ بن مظاہر ہیں جنھوں نے واضح
کر دیا کہ حسینؑ سے محبت تنہا یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے گھر میں رہے اور دل میں
عشق آل محمدؐ لئے رہے بلکہ محبت کا پہلا مظاہرہ یہ ہے کہ خاک قدم کو
آنکھوں سے لگایا جائے، تو مجھے کہنے دیجئے کہ جس قوم نے خاک حسینؑ بن علیؑ کی قدر
کو نہیں پہچانا اس نے رسالت کی اُجرت نہیں ادا کی اور محبت کے حق کو ادا نہیں
کیا۔ آج جو ہم سجدہ گاہ پر سجدہ کر رہے ہیں اور سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد، نماز
تمام کرنے کے بعد سجدہ گاہ کو اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں تو یہ ہماری کوئی ایجاد نہیں
ہے یہ ہمارا کوئی نیا تصور نہیں ہے۔ یہ حبیب بن مظاہر کا سکھایا ہوا طریقہ ہے
کہ حسینؑ کی خاک قدم کو آنکھوں سے لگاؤ تاکہ اندازہ ہو کہ تم محبت کرنے والے
ہو اور رسالت کی قیمت اور اجرت ادا کرنے والے ہو۔ یہ پہلا طریقہ تھا محبتِ
اہلبیتؑ کا جو حبیب نے سکھایا اور آخری طریقہ جو محبت اہلبیتؑ کا حبیب نے سکھایا
کہ دیکھنے والا بیان کرتا ہے کہ کچھ لوگ ایک مقام پر کھڑے ہوئے تھے۔ کوفہ میں۔
ادھر سے حبیب آ رہے ہیں۔ ادھر سے میثم تمار آ رہے ہیں۔ جیسے ہی میثم
کو حبیب نے دیکھا حبیب نے کہا کیا کہنا کیا خوش قسمت ہے وہ انسان۔ جس کو
محبت آل محمدؐ میں سولی دی جائے گی۔ یہ کہہ کے حبیب نے میثم کا استقبال
کیا اور پہلے ہی حبیب نے میثم سے یہ کہا۔ میثم نے کہا اور کیا خوش نصیب ہے وہ
انسان جو امام کی طلب پر امام کی بارگاہ میں پہونچ جائے اور جا کے اللہ کی راہ میں

اپنا سر کٹا دے۔ جو لوگ کھڑے ہوئے اس گفتگو کو سن رہے تھے جیسے ہی
دونوں آدمیوں کی بات ختم ہوئی۔ میثم اپنے راستے چلے گئے، حبیب اپنے
راستے چلے گئے۔ جن لوگوں نے اس گفتگو کو سنا تھا آپس میں کہنا شروع کر دیا
ایسے جھوٹے بھی دنیا میں کہیں نہیں دیکھے۔ ایسے بھی غلط بیانی کرنے والے نہیں
دیکھے یہ کوئی پیغمبر ہیں کہ ایسی خبر دے رہے ہیں ارے عام انسانوں کو کیا معلوم
کہ کس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ یہ مستقبل کی خبر دینے والے کیا اپنے کو نبی سمجھ
ہیں کیا اپنے کو پیغمبر سمجھتے ہیں یا اتنی بڑی غلط بیانی! ابھی لوگ آپس میں یہ گفتگو
کر رہے تھے کہ دیکھا ایک تیسرا آدمی آگیا جناب رشید۔ رشید نے دیکھا کہ لوگوں
میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ پوچھا بھائی خیریت تو ہے کیا بات ہے! لوگوں نے
کہا آج تو ہم نے ایسے دو انسانوں کو دیکھا جو اپنے کو پتہ نہیں پیغمبر سمجھتے
رسول سمجھتے ہیں یا خدا سمجھتے ہیں کیا سمجھتے ہیں؟ کہا خیر تو ہے؟ کہا ایک طرف
سے میثم آئے دوسری طرف سے حبیب آئے۔ حبیب نے میثم سے کہا
کہا اس انسان کا جسکو سولی دی جائے گی یعنی تم اور میثم نے حبیب سے کہا
اور کیا کہا اس انسان کا جسے راہ خدا میں قتل کیا جائے گا یعنی تم۔ ارے
دیکھ رہے ہو ان لوگوں کا دماغ کیسا ہے۔ یہ مستقبل کی خبریں دے کر
ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ تو جناب رشید نے مسکرا کر کہا اور شاید میثم
گئے کہ جو تمہارا سر لیکر آئے گا اسے سو درہم مزید انعام دیا جائے گا۔



رشید آگے بڑھ گئے۔ لوگوں نے کہا ہم دو ہی کے بارے میں غور کر رہے تھے
یہ تیسرا انسان کہاں سے آگیا۔ یہ تو اس نے علم غیب میں کچھ اور اضافہ کر دیا ہے
غیب کی خبروں میں ایک اور اضافہ کر دیا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ حبیب کیا ہیں
میثم کیا ہیں۔ رشید کیا ہیں۔ مگر تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا جب پہلا واقعہ پیش آیا
کہ میثم کو سولی پر لٹکا دیا گیا تب اندازہ ہوا کہ عظمت علم حبیب کیا ہے؟ اور تھوڑے ہی
دنوں کے بعد جب حسینؑ کا خط حبیب کے پاس آیا تو اندازہ ہوا کہ میثم کی بلندی کردار
کیا ہے۔ یہ وہ علیؑ کے چاہنے والے حسینؑ کے چاہنے والے ہیں کہ جنکو معصومینؑ
نے وہ کمالِ علم و کردار عنایت فرمایا تھا جو دنیا کے ذہنوں سے بالاتر تھا۔ کوئی سمجھ
نہیں سکتا تھا کہ میثم کیا کہہ رہے ہیں۔ حبیب کیا کہنا چاہتے ہیں۔ رشید نے کیا
کیا ہے۔ لیکن آل محمدؐ نے اپنے چاہنے والوں کو وہ کمال علم و فضل
عنایت کر دیا تھا جہاں تک دنیا والوں کا ذہن نہ جا سکے۔ عزیزو! یہ ایک فقرہ
تھا تاکہ میرے بچوں کو حبیب کے کمال علم و کمال فضل کا اندازہ ہو جائے
اس کمالِ محبت کا اندازہ ہوا کہ حسینؑ کی خاک قدم اٹھا کے اپنی آنکھوں سے
ہیں! اس کے بعد یہ محبت کی پہلی منزل تھی۔ اب آخری منزل وہ ہے کہ
ایسے چاہنے والے کو وہ شرف دیا جو کسی کو نہ ملا تمام چاہنے والے وہ
کے ساتھ آگئے تو شب عاشور تک حسینؑ یہ کہتے رہے اگر کوئی جانا
جائے میں چراغ بجھائے دیتا ہوں۔ اندھیرا کئے دیتا ہوں جو جانا

چاہے وہ چلا جائے لیکن دوسری طرف حسینؑ کا طرز عمل کہ جو خاک قدم کو
آنکھوں سے لگاتا تھا اسے خط لکھ کے بلایا جائے من الحسین بن علی الی الرجل
الفقیہ حبیب بن مظاہر الاسدی یہ خط حسینؑ بن علیؑ کا ہے ایک مرد فقیہ
کے نام جسکا نام ہے حبیب بن مظاہر۔ حسینؑ نے خط لکھ کے حبیب کے نام خط بھیج
دیا۔ حبیب دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں کسی نے دروازہ پر دق الباب کیا
پوچھا کون؟ من علی الباب کون ہے دروازے پر؟ کہا انا برید الحسین
میں حسینؑ کا قاصد ہوں بس یہ سننا تھا کہ دسترخوان سے اٹھ گئے۔ آئے دروازے
پر۔ خط کو لیا۔ سر پر رکھا۔ آنکھوں سے لگایا ارے جو خاک قدم کو آنکھوں سے لگاتا
ہو وہ مولا کی تحریر کو کیسے آنکھوں سے نہ لگائے گا حبیب نے حسینؑ کے خط کو آنکھوں
سے لگایا لفافہ چاک کیا مضمون خط کو پڑھا۔ اے حبیب تم تو جانتے ہو کہ
پیغمبرؐ سے ہماری قرابت کیا ہے تم تو جانتے ہو پیغمبرؐ سے ہمارا رشتہ کیا ہے؟ ہمارے
فضائل تو تمہیں معلوم ہیں اے حبیب اب مصائب بھی سن لو۔ ہم نرغۂ اعداء
میں گھرے جا رہے ہیں زمانہ ہمارا مخالف ہو گیا ہے۔ دنیا ہماری دشمن ہو گئی
ہے۔ حبیب اگر ممکن ہو تو ہماری مدد کے لئے آؤ حبیب گھر کے اندر پلٹ کے
آئے زوجہ نے پوچھا حبیب کس کا خط ہے کہا فرزند رسولؐ جان زہراؑ امام حسینؑ
بن علیؑ کا خط ہے۔ جلدی بتاؤ مولا نے کیا لکھا ہے۔ کہا زمانہ مخالف ہو گیا ہے
مولا نے مجھے مدد کے لئے بلایا ہے۔ کہا حبیب پھر کیا ارادہ ہے؟ کہا سوچتا ہوں کہ



میں چلا جاؤں تو تیرا کیا ہوگا؟ تجھے کس پر چھوڑ کے جاؤں گا؟ بس زوجہ
کو جلال آگیا حبیب بڑے افسوس کی بات ہے یقیں میرا خیال ہے۔ فاطمہ زہراؑ
کا خیال نہیں ہے۔ اگر نہیں جانا چاہتے ہو تو نہ جاؤ گھر میں بیٹھو میں جاؤں گی حبیب
نے کہا مومنہ بھلا میرا آقا بلائے اور خاک قدم کو آنکھوں سے لگانے والا حبیب نہ جائے
یہ کیسے ممکن ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تیرے بھی کمال ایمان کا اعلان ہو جائے یہ کہہ
کے حبیب اٹھ کھڑے ہوئے دروازے پر آئے غلام کو بلایا۔ زمانہ مخالف ہے راستے
بند کر دیئے گئے ہیں ناکہ بندی ہو گئی ہے یوں تو میں نہ جا سکوں گا تو میرے گھوڑے
کو لے اور فلاں مقام پر چل کے میرا انتظار کرنا۔ میں کسی نہ کسی بہانے سے
پہونچ جاؤں گا (بس عزیزو! میں بیان کو سمیٹ رہا ہوں) غلام گھوڑے کو لے کے
چلا اور ایک مقام پر کھڑا ہوا حبیب کا انتظار کر رہا تھا تھوڑی دیر گذری اور حبیب
نہیں آئے۔ ایک مرتبہ حبیب جب قریب پہونچے تو عجب منظر دیکھا۔ دیکھا گھوڑے
کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور غلام اسے یہ سمجھا رہا ہے اے اسپ باوفا
آنسو کیوں بہا رہا ہے اگر میرا مالک نہ آسکا تو میں تیری پشت پر سوار ہو کر چلوں گا
اور رسولؐ کی مدد کے واسطے۔ جیسے ہی حبیب کے کانوں میں یہ آواز آئی بیقرار
ہو کر آواز دی۔ زہراؑ کے لال! مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ پر یہ وقت آگیا ہے
کہ جانور آنسو بہا رہے ہیں اور غلام قربان ہونا چاہتے ہیں۔ آئے آگے بڑھے
گھوڑے پر سوار ہوئے غلام کو مڑ کے دیکھا کہا تو نے بڑی خدمت انجام دی ہے

خدا تجھے جزائے خیر دے۔ میں تجھے کوئی انعام نہیں دے سکتا ہوں۔ میں نے
تجھے راہ خدا میں آزاد کر دیا ہے۔ غلام نے پیر پکڑ لئے۔ مالک! یہ بھی کوئی انصاف ہے
کہ اپنی خدمت کا موقع تھا تو مجھے ساتھ رکھا اور فرزند رسولؐ کی خدمت کا وقت آیا تو
مجھے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نہ ہو سکے گا۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ حبیب
چلے غلام کو ساتھ لے کے چلے۔ یہاں تک کہ اس منزل پر پہونچے جہاں حسینؑ
اپنے چاہنے والے کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ دیکھا کہ کوفہ کی طرف
سے ایک گرد نمودار ہوئی۔ حسینؑ نے چاہنے والوں کو آواز دی اے میرے گھر
والو۔ اے میرے عزیزو۔ اے میرے دل کے ٹکڑو! بڑھو استقبال کرو میرا
بچپن کا دوست حبیب آرہا ہے۔ حبیب آگے بڑھے۔ منزل تک پہونچے۔ احباب
نے بڑھ کے استقبال کیا۔ شدہ شدہ یہ خبر خیمہ کے اندر پہونچ گئی ثانی زہرا
نے فرمایا فضہ جب سے ہم نے وطن چھوڑا ہے ایک ہی خبر سننے میں آتی ہے
کہ خون کے پیاسے آرہے ہیں۔ جان کے دشمن آرہے ہیں۔ یہ در خیمہ پر کھڑی
ہے۔ جا کے پتہ لگا کے آؤ اب کون آیا ہے؟ فضہ دوڑ کے گئیں۔ خبر لے کے آئیں
بی بی مبارک ہو مولا کا بچپن کا جاں نثار حبیب آیا ہے۔ مولا کا چاہنے والا
شیدائی آیا ہے۔ زینبؑ نے فرمایا فضہ جلدی پلٹ کے جاؤ۔ جا کے حبیب سے
ہمارا سلام کہنا۔ اور کہنا حبیب تم نے بڑا کام کیا ہے جو میرے بھائی کی مدد کے
لئے آگئے ہو۔ فضہ نے آکے سلام پہونچایا۔ روایت کا فقرہ ہے کہ حبیب رو



گئے، خاک کو اٹھا کے سر پر رکھا منھ پر طمانچے مارے۔ اللہ سیدانیوں پر یہ وقت
آگیا ہے کہ غلاموں کو سلام کہلوا بھیجیں۔ وقت گذرتا رہا حسینؑ نے کیا قدر کی
ہے حبیب کی جاں نثاری کی۔ وہ وقت بھی آگیا جب ظہر کا ہنگام تھا، ابوثمامہ نے
نماز کا ذکر کیا حسینؑ نے نماز کا ارادہ کیا۔ کہا حبیب جاؤ دشمنوں کو سمجھاؤ اتنی دیر
کے لئے جنگ کو روک دیں کہ نبیؐ کا نواسہ نماز ادا کر لے۔ حبیب نے پیغام
پہونچایا، ظالم نے کہا پڑھنا چاہیں تو پڑھ لیں مگر معاذ اللہ یہ نماز قبول ہونیکے قابل
نہیں ہے۔ بس یہ سننا تھا کہ حبیب نے بڑھ کے حملہ کیا او ظالم میرے مولا کی شان
میں گستاخی؟ حسینؑ نے آواز دی۔ حبیب ٹھہرو، رک جاؤ نماز ادا ہو جائے۔
اس وقت جنگ نہیں ہے۔ تیروں کی بوچھار میں نماز ادا ہو گئی۔ اس کے بعد جب
قتال کا وقت آگیا تو حبیب نے اجازت چاہی۔ مولا نے اجازت دی۔ حبیب میدان
میں آئے جہاد کرتے رہے۔ زخموں سے چور ہوئے گھوڑے سے گرے حسینؑ کو
آواز دی۔ روایت کا فقرہ ہے جیسے ہی حبیب کی آواز حسینؑ کے کانوں میں آئی
دیکھنے والوں نے عجب منظر دیکھا کہ حسینؑ کے چہرہ پر شکستگی کے آثار خستگی کے آثار
[illegible] جاں نثار نہ رہ گیا اے مولا جب چاہنے والے کی آواز سنی تو چہرے
[illegible] کے آثار ابھی وہ منزل باقی رہ گئی ہے جس کے بارے میں مقتل کربلا کہتا ہے
[illegible] کی آواز سنی تو چہرہ سے نمایاں ہو گیا کہ بچپنے کا جاں نثار گیا اور عباسؑ کی آواز
[illegible] آئی تو حسینؑ نے کمر تھام لی۔ بھیا کمر ٹوٹ گئی عباسؑ دشمن طعنے دے رہے ہیں
[illegible] جواب دے۔ سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

# مجلس ۶

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ. سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ الَّذِیْنَ اَذْہَبَ اللّٰہُ عَنْہُمُ الرِّجْسَ وَطَہَّرَہُمْ تَطْہِیْرًا اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں خدا اس کو دوست رکھے جو حسینؑ کو دوست رکھے!! سرکار دوعالم کے ارشاد گرامی کی روشنی میں جو سلسلہ کلام عرفان حسینؑ سے متعلق آپ کے سامنے پیش کیا جارہا تھا اس کے بعد پر کچھ باتیں کل کے موضوع کی تکمیل سے متعلق گذارش کرنا ہیں۔ اس کے بعد اگر وقت باقی رہ گیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ سنت رسولؐ کے اعتبار سے بن علیؑ کی منزل اور انکا مرتبہ کیا ہے۔ اور اگر آج وقت میں گنجائش نہ ہو تو اس موضوع کے بارے میں تفصیلی معروضات کل آپ کے سامنے پیش



گے!! ایک بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ حدیث مبارک کسا میں جب اہلبیتؑ کے اجتماع کا ذکر کیا گیا (اس کی تفصیل آپ کے سامنے ہے) تو ہر آنے والے نے پہلے صدیقہ طاہرہ کو سلام کیا۔ معصومہ کے سلام کے بعد اس حقیقت کا اعلان کیا کہ اس گھر میں پیغمبر اکرمؐ کی خوشبو کا احساس ہو رہا ہے!! صدیقہ طاہرہ نے اس امر کی تصدیق فرمائی اور ایک کے بعد ایک پیغمبر اسلامؐ کی بارگاہ میں آتے رہے اور داخل کسا ہوتے رہے سب سے پہلے امام حسن مجتبیٰؑ نانا کی خدمت میں آئے۔ اس کے بعد امام حسینؑ پھر مولائے کائناتؑ اور آخر میں صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا (اس موقع پر فقط ایک لفظ کی طرف متوجہ کرنا ہے اور اس موضوع پر کوئی تقریر مقصود نہیں ہے) ہر آنے والے نے جب سرکار دوعالم کو سلام کیا "السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا من اختارہ اللہ" اے اللہ کے رسول! آپ پر ہمارا سلام اے وہ پیغمبرؐ جسکو اللہ نے منتخب قرار دیا ہے ہمارا سلام قبول فرمائیں۔ تو پیغمبر اسلامؐ نے جواب سلام دیتے ہوئے ہر ایک کے لئے الگ الگ لفظ استعمال کئے ہیں۔ جب حسن مجتبیٰؑ نے سلام کیا تو پیغمبرؐ نے جواب سلام دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "علیک السلام یا صاحب حوضی" اے فرزند تم پر اے میرے حوض کوثر کے صاحب اختیار اور جب حسینؑ نے آکر پیغمبرؐ کو سلام کیا تو پیغمبرؐ نے جواب سلام دیتے ہوئے فرمایا "علیک السلام یا شافع امتی" اے میری امت کی شفاعت کرنیوالے حسینؑ تجھ پر بھی میرا سلام۔ ظاہر

ہے کہ ہم اور آپ یا امت اسلام کا کوئی بھی انسان کسی کو روز قیامت شفاعت
کرنے والا اور سفارش کرنے والا اگر قرار دے تو نہ اس کے کلام کی کوئی اہمیت
ہے اور نہ اس سے کسی انسان کی شخصیت میں کوئی وزن پیدا ہو سکتا ہے لیکن
جس کو خالق کائنات نے ساری امت کا شفیع بنایا ہے جب وہ کسی کو شافع
امت کہہ کر یاد کرے تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پروردگار عالم نے امام حسینؑ
کی قربانیوں کے عوض میں امام حسینؑ کو کیا شرف عنایت فرمایا ہے۔ حسینؑ کی
ساری منزلت اس دار دنیا تک محدود نہیں ہے۔ یہ اگر اس دنیا میں قدم
رکھیں تو آسمان والوں کے ترک اولیٰ کا علاج کردیں اور اگر عرصۂ محشر میں قدم
رکھیں تو امت کے گنہگاروں کا علاج کردیں۔ یہ وہ انسان ہے جو زمین والوں کے
بھی کام آتا ہے اور آسمان والوں کے بھی کام آتا ہے۔ صلوات

اس مختصر ارشاد کے بعد میں اپنی کل کی بات کی تکمیل کے لئے [illegible]
گذارش کرنا چاہتا ہوں!! ایک آیۂ مبارکہ تطہیر سے متعلق اور ایک بات آیۂ
مبارکہ مودت سے متعلق۔ مسئلہ شاید کسی مقدار میں دقیق ہو اور آپ کو
کو ذرا گہرائی میں جانا پڑے لیکن بہرحال آپ صاحبان نظر ہیں انشاءاللہ
کو خود محسوس کرلیں گے ورنہ جہاں تک میری آواز پہونچ رہی ہے کوئی [illegible]
کو ابھی محسوس کرلے گا۔ یہ مسئلہ کہ آیۂ مبارکہ تطہیر کس کی شان میں ہے اس
مراد وہی اہلبیتؑ ہیں جن کے بارے میں پیغمبرؐ اسلام نے کہا ہے کہ یہ آیہ



بارے میں علیؑ کے بارے میں۔ فاطمہؑ کے بارے میں۔ اور حسنینؑ کے بارے میں
نازل ہوئی ہے یا اس کا دائرہ کچھ اور وسیع ہے کہ اسمیں ساری وہ شخصیتیں شامل
ہیں جنکا پیغمبرؐ کے گھر سے کوئی بھی تعلق ہے۔ آیۂ مبارکہ جسکو آیہ تطہیر کہا جاتا ہے
قرآن مجید میں سورۂ احزاب کی آیت ہے (تھوڑی دیر ذہنوں کو آپ میرے ساتھ
رکھیں گے اور یہاں سے جانے کے بعد موقع نکال کے قرآن مجید میں سورۂ احزاب
بائیسویں پارہ میں نکال کر آپ اسے پڑھیں گے تاکہ میری بات کی تصدیق
کرسکیں اور اس نکتہ کی طرف متوجہ ہوسکیں جسکی طرف عام طور سے علمائے تفسیر
نے توجہ نہیں کی ہے یا توجہ کی ہے تو لوگوں کو متوجہ نہیں کیا ہے۔ بہرحال
میری اپنی کوشش ہے جو میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اگر صحیح
ہو تو شکر پروردگار۔ اگر نہیں ہے تو آپ اصلاح فرمالیں گے۔ یہ آیۂ تطہیر جو سورۂ
احزاب میں پائی جاتی ہے اس آیۂ کریمہ سے پہلے ایک سلسلہ آیات کا ہے۔
اسی سلسلہ کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ آیۂ تطہیر کا تعلق علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ
سے نہیں بلکہ پیغمبرؐ کے گھر میں رہنے والی خواتین سے ہے (میں اسی سلسلہ کو چند
منٹ کے اندر آپ کے سامنے گذارش کرنا چاہتا ہوں) یہ سلسلہ کلام جو شروع
ہوا ہے تو سب سے پہلے مالک نے پیغمبرؐ کو مخاطب بنایا ہے "یاایھا النبی
قل لازواجک اے پیغمبرؐ آپ اپنی ازواج سے کہہ دیجئے۔ ازواج کو اللہ
نے مخاطب نہیں بنایا ہے "یاایھا النبی قل لازواجک۔ پیغمبرؐ آپ اپنی

ازواج سے کہہ دیجئے اللہ کا پیغام ۔ نبی پہونچانے والا ۔ اور یہ پیغام ازواج
تک جائے گا کیا پیغام ہے "اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا"
آپ ان سے کہد یجئے کہ اگر تم زندگانی دنیا چاہتی ہو یا زندگانی دنیا کی زینت چاہتی
ہو تو "فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا" ۔ تو آیئے تشریف لایئے
ہمارے گھر میں غربت نہیں ہے ہمارا خدا غنی مطلق ہے ہم نادار نہیں ہیں ۔ ہم
زندگانی دنیا بھی دے سکتے ہیں اور زینت دنیا بھی دے سکتے ہیں ۔ مگر پیغمبر آپ ان
سے کہد یجئے کہ اگر تم کو حیات دنیا اور زینت حیات دنیا چاہیئے تو آؤ ہم
تمھیں عطا کر دیں گے مگر عطا کرنے کے بعد پھر اپنے گھر میں نہیں رہنے دیں گے
سامان زندگانیِ دنیا لے لو اور جا کے اپنے اپنے گھروں میں آرام کرو ۔ یہاں رہنا
ہے تو وہی زندگی اختیار کرنا ہے جو نبوت کی زندگی ہے اسی کردار کو اپنانا ہوگا جو نبوت
کا کردار ہے ۔ وہی سادگی وہی تواضع وہی انکسار جو حیات پیغمبرؐ میں ہے ۔ جس کو
اس گھر میں رہنا ہے اس کو یہی طریقۂ کار اختیار کرنا ہوگا اور اگر تم کو آخرت
چاہیئے تو پروردگار نے نیک کردار لوگوں کے لئے آخرت کو خود ہی مہیا کر دیا ہے
اسمیں تقاضا کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ۔ جس کو آخرت درکار ہے اسے
کسی سے کچھ نہیں کہنا ہے ۔ وہ کام کرو جو آخرت کے کام ہیں اللہ نے پہلے ہی
نیک کرداروں کے لئے آخرت کا انتظام کر رکھا ہے ۔ وہاں کی نعمتیں مل جائیں گی
لیکن یہاں کی نعمتوں کا مطالبہ کرنا ہوگا اس لئے اگر تمھارا مطالبہ ہو



تمھیں زندگانی دنیا کی زینت دے کے اپنے گھر سے رخصت کر دیں گے ۔ یہ پیغام
ہے جو پیغمبرؐ کے ذریعہ ازواج تک پہونچایا گیا ہے جب بیان تمام ہو گیا تو مالک نے
ایک نیا بیان شروع کیا "یَا نِسَاءَ النَّبِیِّ" اے نساء پیغمبرؐ تم میں اگر کوئی برا کام
کرے گی تو اس کی سزا دوہری ہوگی اس لئے کہ عمل کی سزا الگ ہے اور خانۂ پیغمبرؐ
کی توہین کی سزا الگ ہے جیسے نعوذ باللہ ایک آدمی شراب پیتا ہے شراب خانہ
میں جا کر تو مجرم ہے شراب کی سزا ملے گی حد جاری ہوگی ۔ لیکن معاذ اللہ کوئی
مسجد میں بیٹھ کر شراب پئے تو اسکا دہرا عذاب ہوگا ۔ شراب پینے کا عذاب الگ اور
توہین مسجد کا عذاب الگ ۔ لہٰذا تم میں اگر کوئی ایسا کرے تو یہ خیال رہے کہ
"یُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ" اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا ۔ اس لئے کہ اس
نے گناہ بھی کیا ہے اور توہین خانۂ رسالت بھی کی ہے اور اگر تم میں کوئی نیک
کام کرے گی تو اس کا اجر بھی دوہرا ہوگا ۔ عمل کا ثواب الگ اور مقدس جگہ
پر عمل کرنے کا ثواب الگ ۔ گھر کی نماز کا ثواب الگ ہوتا ہے اور مسجد کی
نماز کا ثواب الگ ۔ تو جیسے منزل ثواب میں گھر کی نماز کا ثواب کم اور مسجد کی
نماز کا ثواب زیادہ ہوتا ہے ویسے ہی منزل گناہ میں گھر کے گناہ کا عذاب کم اور
مسجد میں کئے جانے والے گناہ کا عذاب زیادہ ہوتا ہے ۔ لہٰذا تم میں اگر کوئی
نیک کام کرے گی تو اس کا ثواب بھی دوہرا ہوگا اور اگر کوئی برا کام کرے گی
تو اس کا عذاب بھی دوہرا ہوگا (متوجہ ہیں آپ ان دونوں رخوں کی طرف)

کہ اگر زینت دنیا چاہیئے تو لے لو اور جاؤ اور اگر آخرت چاہیئے تو اس کا بھی انتظام ہے یعنی یہ رخ بھی ہے اور وہ رُخ بھی ہے۔ اس کے بعد جب نسارِ نبیؐ کا ذکر آیا تو پھر دونوں باتیں اگر بُرا کام کرو گی تو عذاب دوہرا اور اگر نیک کام کیا تو ثواب دوہرا۔ پھر وہی دونوں رُخ۔ تیسری آیت یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ اے نساءِ پیغمبرؐ تمھاری حیثیت عام عورتوں جیسی نہیں ہے۔ تمھارا مرتبہ عام عورتوں سے بلند تر ہے مگر کب؟ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ اگر تم تقوی اختیار کرو۔ اگر تقوی اختیار کرو تو تمھارا مرتبہ عام امت کی عورتوں سے یقیناً بلند تر ہے لیکن اگر تم نے تقوی اختیار نہیں کیا تو تمھاری وہ حیثیت بھی نہیں ہے جو عام عورتوں کی ہوتی ہے یہ سارا سلسلہ تمام ہو گیا تو اس کے بعد پروردگار کہتا ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہلبیت تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور تمھیں ویسا ہی پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔ یہ تین آیتوں کے سلسلے ہیں جو میں نے آپ کے سامنے خلاصہ کے طور پر عرض کر دیئے۔ پہلا ازواج سے متعلق ہے دوسرا سلسلہ نساءِ پیغمبرؐ سے متعلق ہے اور تیسری آیت اہلبیتؑ سے متعلق ہے پہلے ازواج کا ذکر آیا پھر پیغمبرؐ کی عورتوں کا نسار کلجو بھی نسار ہیں ہو اس کا ذکر آیا۔ آخر میں اہلبیتؑ کا ذکر آیا اگر سب کا مقصد ایک ہی ہے تو آیتیں کیوں بدل گئی ہیں۔ اگر سب سے مراد کوئی ایک آدمی ہے تو اس ایک آدمی کے واسطے الگ الگ الفاظ کا کیا کام تھا۔ الگ الگ لہجہ



کا کیا کام تھا۔ پہلے ازواج۔ اس کے بعد نساء اور آخر میں اہلبیت! یہ انداز کا بدلنا بتا رہا ہے کہ جو پہلی بات کہی گئی ہے وہ ازواج سے کہی گئی ہے اور جو دوسری بات کہی گئی ہے وہ نساء سے کہی گئی ہے اور جو تیسری بات کہی گئی ہے وہ اہلبیت سے کہی گئی ہے۔ ازواج کے معنی اور ہیں نساء کے معنی اور ہیں۔ اہلبیت کے معنی اور ہیں اور اس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ اگر کہیں مباہلہ میں ازواجنا آ گیا ہوتا۔ (غور کیجیئگا) اگر مباہلہ میں لفظ ازواج آ گیا ہوتا تو فاطمہؑ کے جانے کی کوئی جگہ نہیں تھی لفظ نساءنا آیا تھا جس کی بنا پر فاطمہؑ گئی تھیں۔ اب تو اندازہ ہو گیا کہ ازواج میں زہراؑ شامل نہیں ہیں مگر نساء میں شامل ہیں تو ازواج کچھ اور ہیں اور نساء کچھ اور ہیں اور اہلبیت کچھ اور ہیں۔ صلوات

اب عزیزانِ محترم بظاہر ہے میں اتنا قابل تو نہیں ہوں کہ آپ کو بتا سکوں کہ اس سے مراد کون ہے اور اُس سے مراد کون ہے۔ لیکن بہر حال پروردگارِ عالم نے یہ الگ الگ باتیں کہی ہیں اگر کوئی پڑھا لکھا مل جائے جس کے پاس علم قرآن ہو تو اس سے دریافت کیجیے گا کہ یہ پروردگار عالم نے تین لفظیں الگ الگ کیوں استعمال کی ہیں۔ لفظ ازواج کیوں پھر لفظ نساء کیوں۔ اور پھر طہارت کے اعلان میں لفظ اہلبیت کیوں اگر وہی ایک لفظ رہا ہوتا اور سارے احکام کو ایک لفظ ازواج ہی کے ذیل میں بیان کر دیا ہوتا۔ ساری باتوں کو ایک لفظِ [illegible] کے ذیل میں بیان کر دیا ہوتا۔ ایک بات کے لئے لفظ نساء ایک کے

واسطے لفظ اہلبیت تو کچھ تو فرق ہوگا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ راز کیا ہے۔ نہ میں منزل قرآن کہ مجھ پہ قرآن نازل ہوا ہو۔ نہ میں وارث قرآن کہ خدا نے مجھے وارث قرآن بنا دیا ہو میں تو ایک طالب علم ہوں جو قرآن پڑھنا چاہتا ہوں اور سمجھنا چاہتا ہوں کاش کوئی سمجھدار مل جائے جو سمجھا سکے۔ یہ پہلا مسئلہ ہے۔

دوسرا مسئلہ جو قابل توجہ ہے کہ جب تک پروردگار ازواج اور نساء کی بات کر رہا تھا تو تصویر کے دو رُخ تھے۔ آپ ازواج سے کہہ دیجئے کہ دنیا چاہتی ہو تو وہ لے لو آخرت چاہتی ہو تو وہ لے لو۔ یعنی ازواج میں تصویر کے دونوں رُخ ہیں۔ دنیا چاہنے کا بھی امکان ہے اور آخرت چاہنے کا بھی امکان ہے یا جب نساء کی بات آئی تو پھر یہ کہا گیا کہ اچھا کام کروگی تو دوہرا ثواب ہے اور بُرا کام کروگی تو دوہرا عذاب ہے یعنی دونوں رُخ ہیں تو خدایا لفظ ازواج میں دونوں رُخ بیان ہوئے لفظ نساء میں دونوں رُخ بیان ہوئے تو اہلبیت کے بھی تو دونوں رُخ ہونے چاہئیں کہ اے اہلبیت اگر ٹھیک کام کروگے تو تم کو پاک بنا دیں گے اور اگر خراب کام کروگے تو نجس بنا دیں گے یہاں دو رُخ کیوں [illegible] بیان ہوئے کم سے کم اتنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ ہر لفظ میں دو کرداروں کی گنجائش تھی لیکن لفظ اہلبیت میں دوسرے کردار کی گنجائش نہیں تھی۔ صلوات

جو بھی اہلبیت ہیں ان کا کردار ایک جیسا ہے خدا نے انھیں طیب وطاہر بنا دیا ہے انھیں پاک و پاکیزہ بنا دیا ہے۔ یہاں دو مسئلے نہیں ہیں۔ یہ ایک [illegible]



دیکھا آپ نے۔ ایک فرق اور پایئے قرآن میں دیکھئے گا کہ جب پروردگار نے لفظ ازواج استعمال کیا تو ان سے بات نہیں کی بلکہ فرمایا پیغمبر آپ کہہ دیجئے۔ اب کیوں خدا نے کہلوایا خود کیوں نہیں کہہ دیا یہ تو وہ جانے جس کا کلام ہے۔ ہم تو کسی تحریف کے قائل ہیں نہیں کہ اس نے کچھ کہا ہوگا وہ رہ گیا ہوگا قرآن جیسا خدا نے نازل کیا ہے ویسا ہی ہے کسی آدمی کو ہاتھ لگانے کا حق نہیں ہے اس کو تو مس کرنے کیلئے بھی مطہرین چاہئیں پاک و پاکیزہ لوگ چاہئیں تو قرآن جیسا خدا نے نازل کیا ویسا ہی ہے اسی قرآن کا یہ [illegible] ہے کہ جب ازواج کی بات آئی تو پیغمبر آپ کہہ دیجئے پھر نساء کی بات آئی تو خدا نے براہ راست بات شروع کر دی۔ اب پیغمبرؐ سے نہیں کہلوایا یا نساء النبی اے پیغمبر کی خواتین، اے پیغمبر کی عورتو! تو وہاں کہلوایا تھا کہا نہیں تھا۔ یہاں کہا کم سے کم ایک یا تو ہے مگر جب تطہیر کی آیت آئی تو یہ نہیں کہا اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ یا اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا اب یہاں یا بھی درمیان میں نہیں ہے۔ سیدھے سیدھے اہلبیت [illegible] تو پہچان لو کہ تین طرح کے کردار ہیں۔ ایک وہ جو براہ راست بات کرنے کے [illegible] ہی نہیں ایک بات کرنے کے لائق تو ہے مگر یا کا فاصلہ رکھنے کے اور ایک وہ ہے جو یا کے فاصلہ کو بھی برداشت نہیں کرتا ہے۔ صلوات

یعنی اہلبیت ان شخصیتوں کا نام ہے کہ جن سے بات کرنے کے لئے خدا

یا بھی نہیں کہتا ہے ۔ کہ "یا" میں پکارنا شامل ہے، بلانا شامل ہے
اور پکارنے کیلئے کچھ تو فاصلہ سوچنا پڑیگا۔ آواز دینے کے لئے کچھ تو فاصلہ درمیان
میں ماننا ہی پڑیگا۔ لیکن جہاں لفظ "یا" کی بھی گنجائش نہ ہو اور جس سے بات کرنے میں
"یا" کا فاصلہ بھی برداشت نہ کیا جائے اسکا قیاس پہلی قسم پر ہرگز نہیں کیا جاسکتا
ہے یعنی یا تو آدمی اتنا دور ہو جائے کہ مخاطب نہ بنایا جائے یا اتنا قریب ہوجائے
کہ "یا" کا فاصلہ بھی برداشت نہ کرے کیا یہ سب ایک ہی ہو جائینگے ۔ صلوات
یہ ایک مسئلہ تھا جو کسی مقدار میں دقت نظر اور باریک ۔ بینی چاہتا ہے
اور انشاء اللہ میرے سننے والے یقیناً اس نکتہ کو محسوس کر رہے ہوں گے ضمناً ایک
بات اور گذارش کروں گا اور وہ یہ ہے کہ لفظ اہلبیت کی معرفت کے لئے کہ اہلبیت
کے معنی کیا ہیں ۔ اہلبیت کون ہیں ؟ اس کو پہچاننے کے لئے ایک اور راستہ ہے
(شاید) یعنی میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا نہ کسی نے اس نکتہ کو اٹھایا ہے لیکن
بہر حال میں گذارش کر رہا ہوں خدا کرے بات صحیح ہو ۔ لفظ اہلبیت سے مراد کون
ہیں اسکو پہچاننے کے لئے ایک اور راستہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ
پیغمبرؐ میں جب لفظ اہلبیت کا ذکر آیا ہے جو بار بار آیا ہے تو پیغمبرؐ نے بار بار
کیوں اہلبیت کو مخاطب بنا کے ایک بات کہی ہے اے اہلبیت میرا تمہارا
ہے کہ اَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَكُمْ جو تم سے جنگ کرے اس سے میری
اور سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَكُمْ جو تم سے صلح رکھے اس سے میری صلح ہے



یہ لفظیں بدل بدل کے اَنَا مِنْهُمْ وَهُمْ مِنِّی وہ مجھ سے ہیں میں ان سے ہوں
اس کے بعد یہ کہ جس سے انکی جنگ ہے اس سے میری جنگ ہے جس سے انکی صلح ہے اس
سے میری صلح ہے کبھی اہلبیتؑ کو مخاطب بنا کے کہا اور کبھی اہلبیتؑ کا ذکر کیا تو فرمایا
کہ میرے اہلبیت کو پہچانو ان کی شان یہ ہے کہ جس سے انکی جنگ ہے اس سے
میری جنگ ہے اور جس سے میری صلح ہے اس سے ان کی صلح ہے ۔ یہ اہلبیتؑ کی
ایک پہچان ہے تو پیغمبرؐ نے اہلبیتؑ سے جنگ کو اپنے سے جنگ قرار دیا ہے اور اہلبیتؑ
سے صلح کو اپنی صلح قرار دیا ہے اس سے ایک بات سمجھ میں آئی کہ اہلبیت میں
جتنے آدمی بھی آجائیں ایک یا دو یا چار کم سے کم ان میں آپس میں جھگڑا نہیں
ہونا چاہیئے ورنہ پیغمبرؐ کس کی جنگ کو اپنی جنگ قرار دیں گے ۔ تو دائرہ اہلبیت کو
آپ جتنا وسیع بنائیے مگر اتنے ہی افراد کو لائیے گا جمنیں کبھی آپس میں
جنگ نہ ہو جائے ورنہ پیغمبرؐ پریشان ہو جائیں گے کہ ان میں کس کی جنگ کو اپنی
جنگ قرار دیں اور کسکو اپنے سے الگ رکھیں ۔ اس لئے کہ پیغمبرؐ نے سارے اہلبیتؑ
کو کہا ہے کہ تمہاری جنگ میری جنگ ہے ۔ لہٰذا اہلبیت میں ایسے ہی افراد
ہونا چاہیئے جن میں جنگ تو بڑی بات ہے ۔ جنگ تو بڑا مسئلہ ہے معرکہ
آرائی تو بڑی بات ہے میدان جنگ میں جانا لشکر اکٹھا کرنا تو بڑی بات ہے انہیں
ایسا ہو کہ اگر زلفیں بھی بانٹ دی جائیں تو ارادوں میں فرق پیدا نہ ہونے
پائے ۔ صلوات

یہ چند باتیں آیۂ کریمہ کے بارے میں میں نے گذارش کر دی ہیں اسلئے کہ الحمدللہ یہ بیسویں صدی کا وہ دور ہے جب لوگوں میں کچھ فہم قرآن کا ذوق پیدا ہو چکا ہے۔ اور تفہیم قرآن، تدبر قرآن، تفکر قرآن جیسی کتابیں آرہی ہیں تو اگر سب قرآن ہی سمجھنا چاہتے ہیں تو سمجھنے کا ایک رُخ یہ بھی ہے اس پر بھی غور کریں شاید کچھ نئے مطالب ذہن میں آجائیں۔ اب ایک نکتہ آیت کے معنی کے بارے میں۔ بات بہت پرانی ہے مگر جس رُخ سے میں گذارش کرنا چاہتا ہوں شاید اس رُخ سے پرانی نہ ہو۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے اور ہر بچہ جانتا ہے ہر بزرگ نے اپنے پرانے بزرگوں سے یہ بات سنی ہے کہ آیہ تطہیر کے بارے میں ایک جھگڑا یہ بھی ہے کہ اللہ پاک کرنا چاہتا ہے یا پاک رکھنا چاہتا ہے حضرات علماء و ذاکرین و خطباء کتنے ہی معانی بیان کر چکے ہیں ایک چھوٹا سا حساب آپ کے سامنے گذارش کرنا چاہتا ہوں جس سے آیت کے معنی خود طے ہو جائیں گے۔ پروردگار نے جب اس کی آیت کو نازل کیا تو اللہ کا ارادہ کیا ہے جو لوگ پاک ہیں خدا انکو پاک رکھنا چاہتا ہے انکی طہارت کا اعلان کرنا چاہتا ہے یا جو لوگ معاذاللہ ناپاک ہیں انکو پاک کرنا چاہتا ہے!! بعض لوگ جنکو اہلبیتؑ سے کچھ مخصوص ہی عداوت ہے انھوں نے جب دیکھا کہ لفظ اہلبیت میں ہماری جگہ نہیں ہے تو اب ایک جگہ ہے انھیں پر اعتراض کر دو۔ کہا کہ یہ آیت مدح میں نہیں آئی ہے یہ آیت اصل میں تو اہلبیت کی مذمت میں آئی ہے کہ اب خدا ارادہ کر رہا ہے ان کو پاک



بنانے کا۔ تو ظاہر ہے کہ جسکو خدا اب پاک بنانے کا ارادہ کر رہا ہے وہ پہلے کیسا رہا ہوگا؟ اگر پہلے سے پاک ہوتا تو خدا کیوں ارادہ کرتا۔ کل میں نے ایک روایت عرض کی تھی جو عالم اسلام میں پائی جاتی ہے کہ جناب ابو سعید خدری صحابی پیغمبرؐ نے پوچھا حضور یہ آیت کس کی شان میں نازل ہوئی ہے تو حضرتؐ نے فرمایا میری ذات کے متعلق میرے بارے میں۔ علیؑ کے بارے میں۔ فاطمہؑ کے بارے میں۔ حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں۔ یعنی پیغمبرؐ نے اپنی ذات اقدس کو اس آیت میں شامل کر رکھا ہے اب جلدی جلدی ایک حساب کر لیں اور میں چاہتا ہوں کہ میرے بچوں کو بھی یہ حساب یاد ہو جائے کہ ہمیشہ کام آئے۔ یہ آیت کب نازل ہوئی ہے۔ یہ تو طے ہے کہ جتنی قرآن کی آیتیں نازل ہوئی ہیں سب پیغمبرؐ کی زندگی ہی میں نازل ہوئی ہیں کوئی آیت پیغمبرؐ کے بعد تو نازل نہیں ہوئی ہے اور یہ بھی طے ہے کہ یہ آیہ تطہیر اس بیان کی بنیاد پر نہ سن تین ہجری سے پہلے آئی ہے اور نہ ۴ھ سے پہلے اس لئے کہ ۳ھ سے پہلے امام حسنؑ نہیں تھے اور ۴ھ سے پہلے امام حسینؑ نہیں تھے۔ اور یہ بھی طے ہے کہ یہ آیت ۵ھ میں بھی نہیں آئی ہے ۴ھ میں تو امام حسینؑ پیدا ہوئے ۵ھ میں تو ابھی گودی میں ہونگے۔ ۶ھ میں پیدل چلنے کے لائق ہوں گے اور آیت اسوقت میں نازل ہوئی ہے جب حسنؑ اپنے پیروں سے آئے حسینؑ اپنے پیروں سے آئے۔ چلنے کے بھی لائق تھے۔ بات کرنے کے قابل بھی تھے۔ جواب دینے کے لائق بھی تھے۔ خوشبوئے نبوت سونگھنے کے لائق بھی تھے۔ تو ٹھیک ہے

ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ چھوڑیے ہمارے عقیدہ کو اگر معمولی حساب بھی لگایا جا

تو کم سے کم تین چار سال کی عمر تو سوچنا ہی پڑے گی جب بچے آئیں

کریں، جواب لیں۔ اجازت مانگیں۔ چادر میں داخل ہوں۔ خوشبوئے پیغمبر

ویں کوئی تین چار برس کی عمر تو کم سے کم ہونی ہی چاہیئے، تو ظاہر ہے، کہ

ے جب امام حسینؑ پیدا ہوئے اگر تین برس یا چار برس کی عمر جوڑ لی جا

یہ آیت کب نازل ہوئی کم سے کم ۸ھ، ۸ھ ہوں تو اگر ۸ھ یا ۹ھ میں

تطہیر نازل ہوئی ہے تو اب اس کے بعد پیغمبرؐ کتنے دن رہیں گے اس دنیا

۱۱ھ میں پیغمبرؐ کی وفات ہے۔ اتنا تو بچوں کو بھی معلوم ہے یعنی

بعد تین ہی سال تو پیغمبرؐ رہیں گے تو جب حضورؐ دنیا سے گئے ہیں تو حضور کی

تھی ۶۳ سال تو وہ تین اگر کم کر دیئے جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پیغمبر

تھی ۶۰ سال۔ علیؑ پیغمبرؐ سے ۳۰ سال چھوٹے تھے ۱ عام الفیل میں پیغمبر

اور ۳۰ عام الفیل میں مولا کی ولادت، اس کے معنی یہ ہوئے کہ جب یہ آیت

ہوئی تو پیغمبرؐ تھے ۶۰ سال کے اور علیؑ تھے ۳۰ سال کے۔ صدیقہ طاہرہ کی

ہوگی، صدیقہ طاہرہ پیغمبرؐ کے چند دنوں کے بعد دنیا سے تشریف لے گئیں

آپ کی عمر تھی اٹھارہ سال، اس اٹھارہ میں سے تین سال کم کر دیجئے تو معصومہ

ہوگی مثلاً ۱۵ سال۔ دیکھئے کیا مرتب حساب ہے۔ پیغمبرؐ سے آدھی عمر

مولا سے آدھی عمر صدیقہ طاہرہ کی۔ مثلاً ساٹھ سال کے پیغمبرؐ، تیس سال



پندرہ سال کی فاطمہ زہراؑ اور اس کے بعد تین چار سال کے حسنؑ و حسینؑ

آیت کا ترجمہ کریں۔ اے اہلبیت خدا کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو پاک

کاش کہنے والے نے اتنا تو سوچا ہوتا کہ اسمیں اہلبیتؑ کا کیا بگڑے گا

پاک بنائے گا تو حسنؑ کی زندگی کے چار ہی سال تو ضائع ہوں گے حسینؑ

کے تین ہی سال تو ضائع ہوں گے لیکن پیغمبرؐ کی حیات کے تو ۶۰ سال

یہ کس کے مرتبہ کو گھٹانا چاہتے تھے اور کس کے مرتبہ کو گھٹا دیا۔ صلوات

اگر اب پروردگار پاک بنانا چاہتا ہے تو یہ پچھلے ساٹھ سال کا کیا ہوگا۔ پچھلے

کا کیا ہوگا۔ پچھلے پندرہ سال کا کیا ہوگا۔ یعنی اگر یہی حساب جوڑا جائے

یہ ہیں کہ العیاذ باللہ کل کائنات میں پاکیزہ ترین زندگی حسینؑ

کہ صرف تین سال آیت سے پہلے گذرے ہیں اور ۵۷ سال آیت

پاکیزہ حیات تو آپ پیغمبرؐ کے یہاں بھی ڈھونڈھ کے نہ لا سکے۔ تو یا تو

معنی ماننا ہوں گے یا یہ ماننا ہوگا کہ کائنات میں جتنا پاکیزہ

علیؑ کا ہے اتنا پاکیزہ کردار کسی کا نہیں ہے (نعرۂ حیدری)

ایک بڑی خطرناک بات کہہ رہا ہوں بلکہ کہہ نہیں رہا ہوں آپ

کر رہا ہوں کہ ۶۰ سال ادھر۔ ۳۰ سال ادھر۔ ۱۵ سال ادھر

تین چار سال ادھر۔ اب اگر واقعاً ۸ھ میں یہ آیت نازل ہوئی

رسالت کا اعلان کیا تھا تو یہ اعلان آیت سے پہلے تھا اور جب

غدیر میں علیؑ کے مولا ہونے کا اعلان کیا تھا تو یہ آیت کے بعد کا ہے یعنی اگر آپ
کو کوئی شک کرتا ہے تو پہلے والے دور میں کیجئے گا بعد والے دور میں
نہیں کیجئے گا اس لئے کہ اب تو خدا پاکیزگی کا ذمہ دار ہو گیا ہے یعنی ولایت علیؑ
کا اعلان بھی آیت کے بعد۔ صدیقۂ طاہرہؑ کے حق کا مطالبہ بھی آیت کے بعد۔ علیؑ
اعلان بھی آیت کے بعد۔ حسینؑ کی عظمتیں بھی آیت کے بعد۔ انمیں کوئی شک
کے قابل نہیں ہے جو شک کرتا ہے وہ نبوت میں کیجئے گا اور شاید آپ کے غلط
کرنیکا ہی نتیجہ تھا کہ رسالت میں شک ہو گیا۔ صلوات

مالک کائنات نے اہلبیتؑ کی طہارت کا اعلان کیا اور ان اہلبیتؑ میں
سے کم سن شخصیت فرزند رسولؐ امام حسینؑ بن علیؑ کی تھی ظاہر ہے کہ جو انسان
و سال والا ہوتا ہے اس کی زندگی میں غلطیوں کے امکان پیدا ہو جاتے ہیں لیکن
بچے کمسن ہوتے ہیں انھیں تو یوں بھی معصوم ہی کہا جاتا ہے حالانکہ یہ بھی
وغریب بات ہے کہ کوئی چھوٹے بچہ کو طمانچہ مار دے تو آپ لڑنے کے لئے
ہو جائیں گے کہ آپ کو شرم نہیں آتی ہے۔ آپ نے معصوم بچہ کو طمانچہ
تو کیا اب آپ کے عقیدہ میں معصوم پندرہ ہو گئے ہیں؟ آپ نے اس
کیسے کہہ دیا۔ ارے بچہ لاکھ کچھ سہی مگر بالآخر معصوم تو نہیں ہے؟
جاتا ہے اس لئے کہ اس کی زندگی میں ابھی کوئی غلطی نہیں ہے۔
کے لئے کوئی قانون نہیں بنایا ہے پروردگار نے اس کو قانون کا ذمہ دار



ہے لہٰذا اچھا کام کرے گا تو ثواب مل جائے گا لیکن برا کرے گا تو عذاب نہ ہوگا۔
اس لئے کہ خدا نے اس کو احکام کا ذمہ دار نہیں بنایا ہے غلطی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے
اس کی زندگی میں ناپاکی اور نجاست کا کوئی تصور ہی نہیں ہے یعنی اور کسی کو پاک بنایا
جائے تو سمجھ میں آتا ہے لیکن جسکو فطرت نے معصوم بنایا ہے اسکو پاک بنانے کے
کیا معنی ہیں۔ اب اگر آیۂ تطہیر میں حسینؑ بن علیؑ بھی شامل ہیں تو اس کے معنی یہ
ہیں کہ حسینؑ کو دوہری عصمتیں حاصل ہیں۔ ایک وہ عصمت ہے جسے عرف عام میں
انسان کی پاکیزگی کی بنا پر کہا جاتا ہے۔ اور ایک وہ عصمت ہے جس کا ذمہ دار پروردگار
ہوتا ہے۔ امام حسینؑ کو اس کمسنی میں دونوں عصمتیں حاصل ہیں۔ صرف عصمت ہی
کا مسئلہ نہیں ہے جتنے بھی فضائل و مناقب امام حسینؑ بن علیؑ کے ہیں سب اسی
کمسنی سے حاصل ہیں۔ یہ امام حسینؑ کے شرف کے لئے بہت کافی ہے کہ آیتیں
نازل ہوئیں تو اسی کمسنی میں۔ پیغمبرؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ اسی کمسنی میں۔ کون
ہے ایسا بچہ جو اتنی شرافتوں کا مالک ہو جتنی شرافتوں کے مالک حسینؑ بن
علیؑ ہیں لہٰذا اگر حسینؑ کی معرفت حاصل کرنا ہے تو قرآن مجید کی آیتوں کو پڑھنا
پڑے گا اور فقط پڑھنا نہیں پڑے گا آیات قرآنی کو سمجھنا پڑے گا۔ تاکہ اس سے
عظمت فرزند رسولؐ کا اندازہ لگایا جا سکے۔ بس یہیں پر سلسلۂ بیان کو روکتا ہوں۔
صرف ایک فقرہ۔ تاکہ بات آج مکمل ہو جائے اور وہ فقرہ آیۂ مودت کے بارے میں
قُل لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا پیغمبرؐ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم جس

چیز کی اجرت دینے کیلئے آئے ہو میری زحمت و مشقت ہیں اسکی کوئی اجرت
نہیں چاہتا ہوں۔ صرف چاہتا ہوں اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کہ مودت میرے
اقرباء ہیں رہے یعنی پیغمبرؐ نے "اقرباء کی محبت" کی بات نہیں کی یعنی مودت القربیٰ
نہیں ہے۔ اقرباء کی محبت نہیں ہے الا المودة فی القربیٰ میں چاہتا ہوں کہ
محبت کو اقرباء میں رکھا جائے۔ یہ اقرباء میں کا کیا مطلب ہے؟ آدمی کی محبت ہوتی
ہے یا آدمی میں محبت ہوتی ہے۔ آپ کو مجھ سے محبت ہے مجھے آپ سے محبت
ہے نہ آپ کی محبت مجھ میں رکھی گئی ہے اور نہ میری محبت آپ میں رکھی گئی ہے
محبت کے لئے "میں" کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ محبت تو "کی" سے ہوتی ہے۔ یا کسی کی
محبت ہوتی ہے۔ کسی میں محبت تو کوئی محاورہ نہیں ہے۔ مگر پیغمبرؐ نے جس
تقاضا کیا ہے وہ نہ کسی سے محبت ہے نہ کسی کی محبت ہے۔ آخر پروردگار عالم
یہ کونسا لہجہ اختیار کیا ہے، ہم چاہتے ہیں مودت اقرباء میں۔ تو اس "میں" کا کیا مطلب
یقیناً کوئی بات تو ہوگی جسکو بتانا ہوگا مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے
ہوگا کہ مختلف ملکوں میں جو چیزیں ایجاد ہوتی ہیں وہاں سے لوگ منگواتے
ہم نے سنا کہ فلاں مقام پر ایک عطر بہت عمدہ بنا ہے ہم نے بھی ایک
کمپنی نے ہمیں بھی بھیج دیا۔ آپ نے دیکھا بہت عمدہ ہے۔ آپ نے بھی ایک
آپ کو بھی بھیجدیا یا انھوں نے مانگ لیا انکو بھیج دیا تو لوگوں نے دیکھا کہ
بہت چل رہا ہے تو ایک آدمی نے کمپنی والے سے بات کی کہ آپ مجھے یہاں



ایجنٹ بنا دیجئے یعنی آپ جتنا عطر بنائیں وہ بھیجیں میرے پاس۔ جہاں جہاں لوگ
خواہشمند ہوں گے ہم کسی کو محروم نہ کریں گے۔ فقط یہ چاہتے ہیں کہ جس گھر میں
جائے ہماری دوکان سے جائے تو سارا اسٹاک رکھ دیا گیا اس کی دوکان پر۔
تو ملا ہمیں بھی مگر اسی کے ذریعہ۔ ملا آپ کو بھی مگر اسی کے ذریعہ۔ اگر اس کے یہاں
نہ رکھا گیا ہوتا تو براہ راست کوئی یہاں سے لے لیتا۔ کوئی وہاں سے لے لیتا تو جب
تک کوئی چیز کہیں نہیں رکھی جاتی ہے تب تک ہر جگہ ملنے کے امکانات ہوتے
ہیں لیکن جب کسی جگہ رکھدی جاتی ہے تو جس کو لینا ہوگا اسکو وہیں سے لینا ہوگا
پیغمبرؐ نے کہا مجھے اہلبیت کی محبت نہیں چاہیئے۔ مجھے اقرباء کی محبت نہیں چاہیئے
میں چاہتا ہوں کہ ساری محبت کو رکھدو اقرباء میں۔ جب محبت کو سمیٹ کے اقرباء
میں رکھدیا جائے گا تو میں منع نہیں کرتا چاہے جس سے محبت کرو مگر جائے گی ہیں
باپ سے محبت انھیں کے وسیلہ سے۔ ماں سے محبت انھیں کے ذریعہ سے
اعزہ و احباب سے محبت انھیں کے وسیلہ سے جو انکا ہے اس سے محبت ہے اور
جو انکا نہیں ہے اس سے محبت نہیں ہے۔ صلوات
اگر محبت دو جگہ تقسیم ہوگئی۔ پیغمبرؐ کے قرابتداروں میں بھی اور اپنے قرابتداروں
میں بھی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ رسالت کا حق ادا نہیں ہوا ہے۔ رسالت کا حق ادا
کرنا ہو تو مرکز محبت انھیں کو بنانا ہوگا۔ جہاں جہاں محبت پھیلتی چلی جائے گی
وہ ہمارا ہے۔ اسمیں باپ ہونے کی شرط نہیں ہے۔ ماں ہونے کی شرط نہیں

ہے۔ بھائی ہونے کی شرط نہیں ہے اور ہم نے اجر رسالت یونہی ادا کیا ہے ورنہ آپ
بتائیے اتنا بڑا مجمع جو یہاں بیٹھا ہوا ہے! انمیں کتنے میرے رشتہ دار ہیں۔ کتنے آپ
کے رشتہ دار ہیں۔ کتنے آپ کے گاؤں کے ہیں۔ کتنے آپ کے شہر کے ہیں یہ ہر ایک
سے آپ آگے بڑھ کے کیوں گلے مل جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں نہ آپ سے محبت
کرنا ہے نہ آپ کو ہم سے محبت کرنا ہے۔ سب نے مرکز بنایا ہے اہلبیتؑ کو جو ان سے
محبت کرے گا ہماری محبت اس سے ہوگی اور جو انکا نہ ہو سکے گا وہ باپ بھی ہوگا تو
وہ ہمارا نہیں ہوگا۔ ماں بھی ہے تو ہماری نہیں ہے۔ نانی بھی ہے تو ہماری نہیں [illegible]
بھی ہے تو ہمارا نہیں جو انکا نہیں ہے وہ ہمارا نہیں ہو سکتا ہے۔ صلوات

بس عزیزان محترم میں نے بیان کو مختصر کر دیا اب اس سے زیادہ وقت
میں گنجائش نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وہ تاریخیں ہیں کہ انمیں کچھ تذکرہ مصائب
قدرے تفصیل کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ پیغمبرؐ کے اقرباء کو مالک کائنات نے
مرکز مودت اور مرکز محبت قرار دیا ہے اور بلا سبب خدا نے انھیں مرکز محبت اور
مرکز محبت نہیں بنایا ہے بلکہ یہ کردار ہیں اس قابل کہ ان سے محبت کی جائے
یہ زندگیاں ہیں اس لائق کہ انکو محبت کا مرکز بنایا جائے۔ جنکو خدا نے اہلبیتؑ [illegible]
مرکز محبت بنایا ہے۔ انکی منزلت تو بہت بلند ہے جو انکی گودیوں کے پلے ہوئے [illegible]
ہیں ذرا ان کرداروں کی بلندیاں دیکھیں کہ ذرا سا خطرہ آج کہیں سامنے آجائے
تو دیکھئے لوگوں کا حال کیا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے ہمت والے۔ بڑے بڑے [illegible]



[illegible] والے۔ بڑے بڑے طاقت والے۔ بڑے بڑے بہادر بسورما ساونت جو دنیا
[illegible] جاتے ہیں۔ ذرا کہیں خطرہ کی شکل دیکھ لیں تو ادھر نگاہ اٹھا کے دیکھنے کی
[illegible] کریں گے مگر جو اس گھرانے کے پروردہ ہیں وہ تیس ہزار کے نرغے میں گھرے
[illegible] ہیں مگر نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی ہراس۔ نہ کوئی دہشت نہ کوئی وحشت۔ یہ کیا
[illegible] یہ اس گھرانے کے کردار کا امتیاز ہے کہ دنیا میں اگر کوئی وقت مصیبت آجائے
[illegible] یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو بچا لیں اور خود قربان ہو جائیں۔ کوئی ماں
[illegible] نہیں کر سکتی ہے کہ اس کا بیٹا قربان گاہ میں جائے اور ماں گھر میں بیٹھے
[illegible] برداشت نہیں کرتا ہے کہ اپنی اولاد کو آگے بڑھا دے اور خود حفاظت و
[illegible] رہ جائے مگر اس گھرانے کا چلن ہی الگ ہے۔ اس گھرانے کا انداز ہی
[illegible]۔ اس گھرانے کے جذبات ہی الگ ہیں کہ جب فرزند رسولؐ وطن چھوڑ کے
[illegible] ایک نے اپنے اپنے امکان کے مطابق فرزند رسولؐ سے گذارش کی کہ مولا
[illegible]۔ آقا کہاں جا رہے ہیں۔ یہ مدینۂ رسولؐ ہے۔ یہ حرم پیغمبرؐ ہے۔ یہ جائے
[illegible] ہے کسی نے مدینہ میں آکے حسینؑ کو سمجھانا چاہا اور روکنا چاہا۔ کسی نے
[illegible] آکے سمجھانا چاہا یہ تو حرم خدا ہے مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا یہ جائے امن ہے
[illegible] اس جگہ کو چھوڑ کے نہ جایئے مگر فرزند رسولؐ حکم الہی کے مطابق قربانی دینے
[illegible] ہیں۔ یہاں تک کہ ان لوگوں میں جن لوگوں نے فرزند رسولؐ کے سامنے
[illegible] کی کہ مولا یہ حرم رسولؐ ہے یہ حرم خدا ہے آپ یہاں ٹھہر جائیں تحفظ

کے امکانات زیادہ ہیں انہیں ایک جناب عبداللہ بن جعفر کی شخصیت بھی ہے جب دیکھا
نبیؐ کا لال وطن چھوڑ کے جا رہا ہے تو پہلے آ کے گذارش کی۔ حسینؑ کیا ارادہ ہے؟ آپ
وطن چھوڑ کے جا رہے ہیں؟ کہا ہاں میری ذمہ داری کچھ ایسی ہی ہے۔ مدینہ کے حالات
اب اس قابل نہیں ہیں کہ یہاں ٹھہر سکوں جب سب تیار ہو گئے تو ایک مرتبہ شہزادی
زینبؑ بھائی کے پاس آئیں۔ بھیا آپ جا رہے ہیں؟ یہ تو بہر حال طے ہے کہ نہ آپ
زینبؑ کو چھوڑ کے جائیں گے اور نہ زینبؑ آپ کو چھوڑ سکتی ہے۔ میں بہر حال آپ کے
ساتھ چلوں گی۔ فرمایا ہاں زینبؑ تمہارا جانا ضروری ہے۔ ناناؐ نے خود فرمایا ہے مگر
اکیلے نہ جانا۔ مگر اے بہن تمہارے اوپر تمہارے شوہر کا حق ہے۔ جاؤ جا کے عبداللہ
سے رخصت ہو کے آؤ۔ ثانی زہراؑ آئیں اور جناب عبداللہ کے آگے سر جھکا کے بیٹھ
گئیں آج جناب عبداللہ نے ایک نیا انداز دیکھا بے چین ہو گئے دختر زہراؑ یہ پریشانی
کیسی؟ کہا والی آپ نے سنا ہی ہے کہ میرا بھائی یہ وطن چھوڑ کے جا رہا ہے اور
آپ کو یہ معلوم ہے کہ زینبؑ نے کبھی اپنے بھائی کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے پھر
میرے پاس کیوں آئی ہو؟ کہا بھیا کے ساتھ جانے کا مسئلہ آیا تو بھائی نے کہا
کہ بہن پہلے جاؤ شوہر سے اجازت لے کے آؤ۔ اس لئے کہ بہر حال آپ کا بھی حق
ہے۔ کہا زینبؑ اگر حسینؑ لے جانے کے لئے تیار ہیں تو میں کون روکنے والا
کی مصلحت کے سامنے میں کون بولنے والا۔ اگر آپ ساتھ جا رہے ہیں
جائیے۔ اب حسینؑ چلنا چاہتے ہیں ایک مرتبہ جناب عبداللہ نے کہا کہ اچھا



نبی زادہ مصیبتوں میں گھر جائے۔ لہٰذا حسینؑ کے بچانے کا جو امکان میرے اختیار
میں ہے وہ کرنا چاہیے آئے شہر کے والی کے پاس۔ کہا کہ تجھے خیال نہیں ہے کہ
نبی زادہ وطن چھوڑ کے جا رہا ہے۔ جان مدینہ جا رہا ہے۔ مدینہ ویران ہو رہا ہے
نبیؐ کا نواسہ اور مدینہ میں نہ رہ سکے بڑے شرم کی بات ہے۔ کہا عبداللہ کیا
چاہتے ہو؟ کہا حسینؑ کے لئے امان کا انتظام کرو۔ کہا میں تیار ہوں۔ حسینؑ اپنے
وطن میں رہیں۔ چاہے حرم خدا میں رہیں۔ حسینؑ کے لئے امان ہے۔ آئے جناب
عبداللہ دوڑ کے مولا کی خدمت میں۔ گذارش کرتے ہیں کہ آپ کے لئے امان ہے
اگر وطن میں رہیں تو زیادہ اچھا ہے یا حرم خدا میں رہیں کہیں اور نہ جائیں تو زیادہ
اچھا ہے۔ اس لئے کہ آپ کے لئے امان کا انتظام ہو گیا ہے۔ کہا عبداللہ مسئلہ امن و
امان کا نہیں ہے۔ مسئلہ میری زندگی کی حفاظت کا نہیں ہے۔ مسئلہ نانا کے دین کی حفاظت
کا ہے اور میں جانتا ہوں کہ دین پیغمبرؐ نہ بچ سکے گا جب تک میں قربانی نہ دیدوں۔
کیا آپ نے؟ کہا میں جا رہا ہوں! کیوں جا رہے ہیں۔ کہا میں نے خواب
میں نانا کو دیکھا ہے۔ حسینؑ جلدی بتائیے خواب میں کیا دیکھا ہے؟ کہا اس خواب
کو نہ میں نے کسی سے بیان کی ہے نہ بیان کروں گا۔ میرے بعد خود ہی معلوم
ہو جائے گی تو پیغمبرؐ نے کیا کہا۔ اب جو جناب عبداللہ بن جعفر نے دیکھا کہ حسینؑ نہ
اب عمل کریں گے کہ وہ مرضی خدا کے پابند ہیں اور نہ کسی کی بات آپ
کو روک سکتی ہے ـــ کہ حسینؑ نے نانا کو خواب میں دیکھا ہے اور جب

پیغمبرؐ نے حکم دیدیا ہے تو حکم پیغمبرؐ کے آگے نہ وہ رکنے والے ہیں اور نہ میں روکنے
والا ہوں۔ تو عبداللہ نے کہا مولا جب آپ جا ہی رہے ہیں تو ایک آخری بات میری
مان لیجئے۔ فرمایا عبداللہ بتایئے کونسی بات ہے؟ کہا اگر جا رہے ہیں تو یہ دو میرے
بچے ہیں انکو ساتھ لیتے جایئے۔ کہ خدا نخواستہ اگر کوئی مصیبت کا وقت آجائے اور میں نہ
رہوں تو پہلے آپ میرے بچوں کو قربان کر دیجئے گا۔ اب حسینؑ چلے اور عبداللہ کے
دونوں لال عون و محمد مولا کے ساتھ چلے۔ اب جو عاشور کی رات آئی اور حسینؑ نے
آخری خبر ثانی زہراؑ کو آکے سنائی۔ بہن اب صلح کی کوئی تدبیر نہیں رہ گئی ہے۔ یہ زندگی
کی آخری رات ہے۔ اے بہن کل قربانی کا دن ہے۔ تو روایت کہتی ہے کہ ماں نے
گود کے پالوں کو سامنے بٹھایا۔ بیٹا تم نے کچھ سنا مولا نے کیا فرمایا ہے۔ کل قربانی
کا دن ہے۔ کل جان دینے کا دن ہے۔ کل ماموں پر قربان ہونے کا دن ہے۔ اے
عون و محمد۔ علی اکبرؑ نہ جانے پائیں تمھیں جانا ہوگا۔ میرا عباسؑ نہ جانے پائے تمھیں
جانا ہوگا۔ جان برادر قاسم نہ جانے پائے پہلے تمھیں جانا ہوگا۔ اماں ہم تو جہاد
کے لئے تیار ہیں لیکن اگر ماموں روکیں تو آپ اجازت دلوا دیجئے گا۔ ہم تو قربانی
کیلئے تیار ہیں۔ ماں بچوں کو سمجھا رہی ہے۔ گود کے پالوں کو سمجھا رہی ہے۔ بیٹا جب
کل وقت جہاد آجائے تو اس شان سے جہاد کرنا کہ دنیا پہچان لے کہ جعفر طیار کے
پوتے ہیں۔ دنیا کو اندازہ ہو جائے کہ حیدر کرار کے نواسے ہیں۔ اے بیٹا
جنگ میں یوں جنگ کرنا کہ تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں۔ تو



پکار اٹھیں کہ نواسے علیؑ کے ہیں" اماں وہ وقت آنے تو دیجئے۔ آپ بھی دیکھئے گا کہ
آپ کی گود کے پالے کیسے جہاد کرتے ہیں۔ بس عزیزو! عاشور کی رات تمام ہوئی
جب قربانی کا ہنگام آیا تو ایک مرتبہ بچے ماں کی خدمت میں آئے۔ چلئے آقا
سے اجازت دلوا دیجئے۔ ثانی زہراؑ آگے بڑھیں۔ بھائی کے سامنے سر جھکا کے کھڑی ہو گئیں
زینب خیر تو ہے کچھ کہنا چاہتی ہو؟ کہا ہاں ما بجائے کچھ گذارش کرنا ہے اور یہ تو
آپ جانتے ہیں کہ آپنے آجتک زینبؑ کی بات کو ٹالا نہیں ہے جو زینبؑ نے کہا
ہے اس کو مان لیا ہے۔ کہا بہن بتاؤ کہنا کیا چاہتی ہو؟ کہا بھیا ان بچوں کو مرنے کی
اجازت دیدیجئے۔ حسینؑ بچوں کو سر سے پیر تک دیکھ رہے ہیں۔ مگر آج تو قربانیوں
کا دن ہے۔ کیسے روکیں۔ جاؤ بہن میں نے اجازت دیدی۔ زینبؑ نے ادھر عون کو
سمجھایا ادھر محمد کو تیار کیا۔ دونوں کو سمجھا کے خیمے سے رخصت کیا۔ جاؤ میرے لال جاؤ
بچو! جاؤ اور جا کے ماموں پر قربان ہو جاؤ۔ ایسے جہاد کرنا کہ دنیا حیدر کرار کے جہاد
کو یاد کرے۔ ایسے جنگ کرنا کہ جعفر طیار کی جنگ یاد آجائے۔ بچے چلے جب در خیمہ پر آئے
تو عباسؑ نے بڑھ کے بچوں کا بازو تھاما۔ ایک گھوڑے پر عون کو بٹھایا۔ ایک گھوڑے پر محمد
کو سوار کیا۔ عباسؑ نے کہا جاؤ بیٹو شاباش۔ جاؤ راہ خدا میں جہاد کرو۔ دونوں
بچے آگے بڑھے۔ ادھر عون کا معرکہ ادھر محمد کی جنگ۔ میمنہ پر ایک بیٹا زینبؑ کا۔
میسرہ پر دوسرا گود کا پالا۔ برابر جنگ کا سلسلہ جاری ہے۔ بعض روایات میں فقرہ ملتا
ہے کہ جنگ کرتے کرتے جب ایک بھائی ذرا آگے بڑھ گیا تو دوسرے بھائی نے

کہا۔ بھیا ادھر نہ جانا۔ بھیا جنگ کرو ادھر نہ جاؤ۔ سامنے فرات کا پانی ہے۔ بھیا فرات کا رخ نہ کر۔ علی اصغرؑ پیاسا ہے۔ سکینہؑ پیاسی ہے۔ دونوں بچے جہاد کر رہے ہیں۔ کتنی دیر جہاد کرتے۔ تلواروں کے زخم کھا کے۔ نیزوں کے زخم کھا کے جب پشت فرس پہ سنبھل نہ سکے اور گھوڑے سے گرنے لگے تو آواز دی یا مولا آپ خبر لیجئے (اے عون و محمد کا تابوت اٹھانے والو) آؤ دیکھو صحرائے کربلا میں یہ جنازے کیسے اٹھے۔ جیسے ہی مقتل سے آواز آئی۔ حسینؑ نے کہا عباسؑ چلو (بس دو منٹ مجلس تمام کر رہا ہوں) بھیا عباسؑ چلو میدان میں آئے۔ دیکھا ادھر عون کا لاشہ ادھر محمد کا جنازہ۔ ایک لاشہ کو حسینؑ نے اٹھایا۔ ایک لاشہ کو عباسؑ نے اٹھایا دونوں لاشے لیکے چلے صحن خیمہ میں لاکے رکھدئے جیسے ہی لاشوں کو لاکے رکھا ایک مرتبہ فضہ دوڑکے آئیں۔ بی بی۔ شہزادی! آپ کے لال آئے ہیں۔ زینبؑ نے کہا میں کیا کروں؟ کہا چل کے دیکھئے آپ کے لال آئے ہیں۔ فرمایا میں نہ جاؤں گی میں نے کیا میدان سے آنے کیلئے بھیجا تھا۔ میں نے بھیا پر قربان ہونیکے لئے بھیجا تھا کہا چل کے دیکھ تو لیجئے کیسے آئے ہیں۔ اب جو ماں نے آکے دیکھا تو صحن خیمہ میں بچوں کے لاشے۔ سر سجدہ میں رکھدیا۔ پروردگار تیرا شکر ہے کہ میرے بچے بھیا کے کام آگئے۔ شہزادو شاباش تم نے بھائی کے سامنے بہن کو شرمندہ نہ ہونے دیا تم راہ مولا میں قربان ہوگئے۔ وَا مُحَمَّدَاہ واعوناہ

سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# مجلس ۷

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الَّذِيْنَ اَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيْرًا اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

حُسَيْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَيْنٍ

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اللہ اسے دوست رکھے جو حسینؑ سے محبت کرے!! سرکار دو عالمؐ کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں جو سلسلہ کلام "عرفان حسینؑ" کے عنوان سے یہاں پیش کیا جا رہا تھا اس کے اہم مرحلہ پر آج یہ گذارش کرنا ہے کہ شخصیت حسینؑ کو پہچاننے کے لئے سب سے بہترین اور محکم ترین وسیلہ اور ذریعہ ہے سنت سرکارؐ دو عالم۔ لیکن

درمیان میں ایک اور اہم مسئلہ سامنے آگیا ہے جس کی بنیاد پر یہ موضوع جو
آج گذارش کرنا تھا اسے میں انشاءاللہ کل گذارش کروں گا آج پھر
اسی سابق موضوع کی تکمیل کرنا مقصود ہے۔ اور یہ مسئلہ چونکہ زندگانی امام حسینؑ
سے تعلق رکھنے کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کا مالک ہے اس لئے آج اسی
موضوع سے متعلق کچھ باتیں گذارش کرتا ہیں۔

ابتک میں نے ان آیات کا ذکر کیا ہے جو فرزند رسولؐ کی شخصیت کے
اظہار کے لئے یا انکے کارنامہ کی عظمت کے اظہار کے لئے نازل ہوئی ہیں
آج یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کائنات میں کوئی ایسی زندگی تلاش کرنا چاہیں
جو از اول تا آخر سراپا قرآن ہو کہ اگر اسے پہچاننا ہو تو قرآن کو ذریعہ بنایا جائے
اور اگر قرآن کو پہچاننا ہو تو اسے ذریعہ بنایا جائے تو ایسی شخصیت
امت اسلامیہ میں سوائے حسینؑ بن علیؑ کے کوئی اور نہیں ہے جس نے اپنی
ساری زندگی گذاری ہو قرآن مجید کے احکام کو زندگی پر منطبق کرنے کے لئے
ہر انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی مرحلہ بہر حال آجاتا ہے جہاں زندگی الگ
ہوجاتی ہے اور قرآن الگ ہوجاتا ہے۔ نہ جانے کتنے احکام قرآنی ایسے ہیں
پر ہم اور آپ بھی عمل کرتے ہیں لیکن نہ جانے ہماری زندگی کی کتنی ساعتیں
ہیں اور ہماری زندگی کے کتنے حرکات و سکنات اور کتنے کلمات و اقوال اور
و افعال ہیں جن کا کوئی تعلق قرآن مجید سے نہیں ہے کہ اگر قرآن کے مطابق



بھی ہوں تو بھی قرآن مجید کی تطبیق بہر حال نہیں ہیں۔ یہ انفرادیت ہے کردار امام
حسینؑ کی کہ امام حسینؑ کی زندگی کا جہاں سے چاہیں جائزہ لیں آپ کو زندگی کا
ہر عمل، ہر قول، ہر حرکت، ہر اقدام کسی نہ کسی قرآن کریم کے ارشاد گرامی
کی تفسیر ہی نظر آئے گا۔ وہ کردار جس نے قرآن کریم کو ساری زندگی پر منطبق
کرلیا ہے اس کردار کا نام ہے حسینؑ بن علیؑ!! میں صرف موضوع کی وضاحت
کے لئے پھر ایک اشارہ کرنا چاہتا ہوں اس بات کی طرف جو آج سے تین دن
پہلے آپ کے سامنے گذارش کی تھی کہ ایک زندگی ہے جسکا ذکر قرآن مجید
نے کیا ہے اور اس زندگی کا کوئی مصداق تاریخ بشریت میں سوائے امام حسینؑ
کے نظر نہیں آتا ہے۔ جہاں مالک نے اعلان کیا ہے کہ ہم نے انسان کو وصیت
کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بہترین برتاؤ کرے۔ یہ انسان وہ ہے کہ جس کی
ماں نے اسوقت بھی ناخوشگوار حالات کا سامنا کیا جب بچہ شکم مادر میں تھا اور
اسوقت بھی ناخوشگوار حالات کا سامنا کیا جب بچہ کو اس دنیا کے حوالے کیا
دنیا میں پیدا ہونے والے ہر بچے کی ولادت کے ذیل میں اگر ماں کی زندگی
کو دیکھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے جب بھی
ماں خوشحال رہتی ہے کہ اللہ نے وہ فرزند عنایت فرمایا ہے جو چراغ زندگی
ہوگا۔ وہ فرزند عنایت کیا ہے جو مستقبل میں اس گھر کی رونق کا سامان
ہوگا۔ وہ کونسی ماں ہے جو جسکو پروردگار عالم ایسی امانت عنایت فرمائے

اور اس کی زندگی ناخوشگوار حالات کا شکار ہو جائے۔

دنیا میں کسی گھر میں بھی جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو چاہے محلہ میں خاندان میں کوئی خوشی کا مظاہرہ کرے یا نہ کرے۔ لیکن ماں بہر حال خوش ہوتی ہے خصوصیت کے ساتھ اگر پیدا ہونے والا بیٹا ہو بیٹی نہ ہو۔ لیکن کائنات میں ایک ہی موقع ایسا آیا ہے کہ جہاں ماں کو مالک کائنات نے صاحب اولاد بنایا اور بہترین منتخب ترین فرزند عنایت فرمایا لیکن ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ ماں کے لبوں پر تبسم نہیں دیکھا۔ اس قرآن مجید کے ارشاد کی کوئی تطبیق سوائے اس زندگی کے نظر نہیں آتی ہے۔ اس کے بعد جیسا کہ میں نے اشارہ کیا تھا کہ یہ وہ انسان ہے جس کے حمل اور فصال کا زمانہ دودھ بڑھائی کا زمانہ کل ملا کر تیس مہینے ہوتا ہے۔!! یہاں چاہتا ہوں ایک لفظ کی وضاحت کر دوں تاکہ غلط فہمی نہ رہ جائے۔!! پروردگار عالم نے جو یہ تیس مہینے کا ذکر کیا ہے یہ اس مدت کا ذکر ہے جو اس انسان کے شکم مادر میں رہنے کا زمانہ ہے اور جو قانون کے اعتبار سے بچے کو دودھ پلانے کا زمانہ ہے۔!! اگر میرے بچوں کے اور میرے عزیزوں کے ذہن میں یہ بات نہیں ہے تو تاریخ کا مشہور و معروف واقعہ ہے۔ پیغمبرؐ کے بعد دربار خلافت میں ایک مقدمہ آیا۔ جہاں یہ بات سامنے آئی کہ یہ پیدا ہونے والا بچہ شکم مادر میں چھ مہینے رہا ہے۔ اور چھ مہینے سے زیادہ اس بچے نے ماں کے پیٹ میں زندگی نہیں گذاری



کہ جب ماں اور باپ کا رشتہ قائم ہوا ہے اس کے چھ مہینے کے بعد یہ بچہ اس دنیا میں آیا ہے!! دربار حکومت سے یہ فیصلہ ہو گیا کہ چھ مہینے میں کوئی بچہ پیدا نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا اس عورت کا رشتہ بعد میں ہوا ہے اور یہ بچہ ماں کے پیٹ میں پہلے آیا ہے۔ گویا عورت کا کردار قابل اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا اس عورت کو سزا ملنی چاہیئے۔ اور اس کے اوپر حد جاری ہونی چاہیئے! حد جاری ہونے کا فیصلہ ہو رہا تھا کہ وہ شخصیت سامنے آگئی جسے پروردگار عالم نے شریک قرآن بنایا تھا اور مشکلکشائے دو عالم بھی بنایا تھا۔ مولائے کائنات کے سامنے مقدمہ پیش ہوا اور عورت نے فریاد کی کہ میرے دامن کردار پر کوئی دھبہ نہیں ہے۔ میں نے زندگی میں کوئی ایسی غلطی نہیں کی ہے، میری زندگی میں کوئی خطا نہیں ہے۔ اب میں اسے کیا کروں کہ پروردگار عالم نے مجھے چھ ہی مہینے میں صاحب اولاد بنا دیا ہے اور دربار سے میرے بارے میں حد جاری کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ آپ بتائیے کہ میں نے کیا خطا کی ہے جس کی سزا مجھے دی جا رہی ہے۔ مولائے کائنات ان افراد کی طرف متوجہ ہوئے جنہوں نے فیصلہ سنایا تھا۔ فرمایا کیا تم نے قرآن مجید کی آیت نہیں پڑھی ہے؟!! پروردگار عالم نے دو مقامات پر دو حقیقتوں کا اعلان کیا ہے۔!! ایک مقام پر اعلان کیا ہے کہ ایک انسان ہے جس کے شکم مادر میں رہنے اور دودھ بڑھائی اور دودھ پلانے کا زمانہ سب ملا کے تیس مہینے ہوتا ہے!! اور دوسرے مقام

پروردگار نے دودھ پلانے کا قانون بتایا ہے "وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ" ماؤں کے لئے قانون یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دودھ پلائیں دو مکمل سال" تو اسلام میں دودھ پلانے کا زمانہ ہے دو مکمل سال۔!! دو سال میں مہینے ہوتے ہیں چوبیس۔ تو جب خدا انسان کی تعریف کر رہا ہے کہ اس کے دودھ پینے کا زمانہ اور شکم مادر میں رہنے کا زمانہ تیس مہینے ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تیس میں سے اگر چوبیس نکال دیئے جائیں تو یا انسان شکم مادر میں چھ ہی مہینے تو رہا ہے۔! تمہاری نگاہ میں جو بچہ چھ مہینے رہے وہ باعث سزا ہو جائے اور خدا کی نگاہ میں قابل مدح و ثنا ہو جائے۔ حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ اتنا بھی قرآن کو نہیں سمجھ سکتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اہلبیت کو چھوڑ کے قرآن کافی ہے۔ صلوات

گویا قرآن مجید نے دودھ پلانے کے واسطے ایک زمانہ معین کر دیا ہے جو دو سال یعنی چوبیس مہینے کا ہوتا ہے۔ میں نے یہ بات اس لئے آپ کے سامنے گذارش کی ہے کہ دو مسائل کی طرف آپ کے ذہن کو جلدی۔ جلدی متوجہ کر دوں۔!! پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے دو سال کی مدت ہے بچہ کے لئے ماں کی طرف سے دودھ پلانے کے لئے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر ماں کی ذمہ داری ہے کہ دو سال تک بچے کو دودھ پلاتی رہے کہ اگر کبھی کسی نے اپنے بچے کو دو سال تک دودھ نہیں پلایا ہے تو گویا ماں کا کوئی حق



ہی بچہ پر نہیں رہ گیا ہے ایسا کوئی قانون نہیں ہے۔ لہٰذا دودھ پلانے کی مدت دو سال سے کم بھی ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے ایک سال چھ مہینے یا اس سے کم یا اس سے زیادہ۔ یا ہو سکتا ہے کوئی ماں ایسی ہو کر پروردگار اسے صاحب اولاد تو بنا دے مگر کسی بنا پر وہ اپنے بچہ کو ایک دن بھی دودھ نہ پلا سکے۔ تو اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس نے اولاد کے حق میں کوتاہی کی ہے یا اس کا اولاد پر کوئی حق نہیں ہے۔ ایسا کوئی قانون نہیں ہے یہ اسلام نے فقط قانونی شکل بیان کی ہے کہ ماں کے لئے دودھ پلانے کا زمانہ دو سال کا ہوتا ہے۔!! دوسرا رخ تصویر کا یہ ہے کہ جب دو سال کا زمانہ گذر جائے چوبیس مہینے مکمل ہو جائیں اور بچہ میں ابھی طاقت اور توانائی نہیں آئی ہے اور بچہ بغیر ماں کے دودھ کے زندہ نہیں رہ سکتا ہے تو پروردگار عالم نے ماں پر بھی یہ کرم کیا ہے کہ اگر دودھ کا سلسلہ باقی ہے اور دو سال گذرنے کے بعد بھی ماں بچہ کو دودھ پلانا چاہے تو نہ ماں مجرم ہے اور نہ بچہ خطا کار ہے۔ اگر پچیسواں مہینہ آجائے یا چھبیسواں مہینہ آجائے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اب پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ کہ خبردار! بچہ سرچشمۂ حیات سے قریب نہ جانے پائے۔ نہ ادھر کوئی پابندی ہے اور نہ ادھر کوئی پابندی ہے۔!! سوال یہ ہے کہ دو سال کا نام کیوں لیا گیا ہے؟ اس کی ایک مصلحت تو یہ ہے کہ اسلام نے ماں کی طرف سے بچے کو دودھ پلانے کے جتنے قوانین معین کئے ہیں ان سارے قوانین کا تعلق دو سال

کے اندر ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی ماں کسی بچہ کو دودھ پلائے تو دودھ
پلانا کتنا ہی اچھا کام کیوں نہ ہو اس سے قوانین کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ مثال کے
طور پر ایک ماں جو صاحب اولاد ہے بہر حال ماں ہے اور بچہ اس کی اولاد
ہے اور ان دونوں کے درمیان رشتہ قائم ہے۔ لیکن اگر کوئی بچہ کسی ماں کا
نہیں ہے۔ دوسرے گھر میں پیدا ہوا ہے اور جہاں پیدا ہوا ہے وہ ماں
اپنے لال کو دودھ نہیں پلا سکتی ہے تو اسلام نے کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
کوئی دوسری عورت۔ اسے دودھ پلا دے جیسا کہ خود پیغمبرؐ کی حیات میں
آپ پڑھتے رہتے ہیں یا سنتے رہتے ہیں۔ اب یہ دوسری عورت جو آئی
ہے بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اس نے اگر قوانین شریعت کے مطابق بچہ کو
دودھ پلا دیا۔ جتنا بھی اسلام نے ضروری قرار دیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں
کہ اگرچہ یہ بچہ اس ماں کے شکم سے نہیں پیدا ہوا ہے لیکن اسکا بیٹا ہو گیا
اور اس کے شامل ہونے کے اثرات یہ ہیں کہ یہ بچہ اگر اپنے گھر میں پلا ہوتا
میں اس عورت سے عقد کر سکتا تھا۔ لیکن جب عورت کا دودھ پی لیا
یہ ماں ہو گئی اور مستقبل میں اب دنیا میں کوئی بھی انقلاب آجائے لیکن
بچہ کا رشتہ اس ماں سے نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ اگر اس ماں کی ایک
اور بھی ہو جو اس امر کو چاہے کہ ان دونوں کے درمیان رشتہ ہو جائے
نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ جیسے یہ قدرتی بیٹی ہے ویسے ہی یہ رضاعی



ہو گیا ہے۔ اور جیسے قدرتی بھائی بہن میں رشتہ نہیں ہو سکتا ہے ویسے ہی
ان دونوں بہن بھائیوں کے درمیان بھی رشتہ نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ سارے
قوانین کب ہیں جب یہ عورت اسے دودھ پلائے دو سال کے اندر کہ اگر
اتفاق سے دو سال تک بازار سے دودھ خرید کے لایا گیا ڈبہ کا دودھ دیا گیا
اور دو سال کے بعد اس عورت نے اس بچہ کو دس یا پندرہ مرتبہ جو قانون
شریعت ہے دودھ پلا دیا تو اس دودھ پلانے سے نہ یہ ماں کہی جائے گی اور نہ
بچہ اس کی اولاد کا بھائی کہا جائے گا۔!! دو سال کا مقصد یہ ہے کہ قوانین
کے اعتبار سے یہ مدت معین کر دی گئی ہے جسمیں کمی بھی ہو سکتی ہے اور اضافہ
بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کمی و زیادتی کا کوئی تعلق قوانین اسلام سے نہ ہوگا
میں بار بار اس لئے گذارش کر رہا ہوں کہ آپ اس بات کو پہچان لیں
اگر اس آیہ کریمہ میں حسینؑ کی زندگی کی طرف اشارہ ہے تو یہ کوئی ضروری
نہیں ہے کہ حسینؑ اپنی مادر گرامی کا دودھ دو سال پئیں۔ یہ مدت تو وہ ہے جو
قانون نے معین کر دی ہے ورنہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بچہ دودھ نہ پئے اور اسی
لئے میں نے عرض کیا تھا کہ حیات حسینؑ کے امتیازات میں یہ
ہے کہ بعض روایات کی بنا پر پیغمبرؐ برابر اپنے لال کو اپنی زبان یا اپنے انگوٹھے
سے سیراب کرتے رہے اور بعض روایات کی بنا پر کم سے کم چالیس دن تو پیغمبرؐ
حسینؑ کو اپنے انگوٹھے سے یا اپنی زبان سے سیراب کرتے رہے یعنی دو

سال میں چالیس دن تو بہر حال کم ہوگئے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دو
سال کی مدت میں کمی آگئی ہے بلکہ مراد وہی انسان ہوگا کہ جس کے دو سال کا
زمانہ نکالنے کے بعد کل مہینہ تیس بنتا ہو۔ یعنی شکم مادر میں رہنے کا زمانہ چھ مہینے
کا ہوتا ہو جسکا مصداق تاریخ میں سوائے حسینؑ بن علیؑ کے کوئی نہیں ہے۔ اس کے
بعد زندگی آگے بڑھی جب یہ انسان چالیس سال کا ہوگیا تو اس نے خدا کی بارگاہ
میں دعا کی کہ پروردگار مجھے توفیق دے کہ اس نعمت کا شکریہ ادا کروں جو تونے
مجھ پر نازل کی ہے اور میرے والدین پر نازل کی ہے۔ یعنی یہ انسان ایسا ہے کہ
جسکا پورا گھرانہ مرکز نعمت ہے۔ ورنہ کتنے ایسے انسان پائے جاتے ہیں کہ انسان
انتہائی شریف ہے مگر ماں باپ بالکل نالائق ہیں۔ اللہ نے اس کو مرکز نعمت
بنایا ہے مگر اس کے ماں باپ کسی نعمت کے قابل نہیں ہیں اور ایسے انسان
بھی پائے جاتے ہیں جو قابل نعمت ہیں۔ باپ بھی قابل ہے مگر ماں اس قابل
نہیں ہے۔ یا خود قابل نعمت ہے۔ ماں قابل نعمت ہے لیکن باپ قابل نعمت
نہیں ہے۔ مگر یہ ایک انسان ایسا ہے کہ جس پر پروردگار نے نعمت نازل کی
اور اس کے باپ کو مرکز نعمت بنایا اور اسکی مادر گرامی کو بھی مرکز نعمت بنایا
تو ایسا بھی کوئی انسان تلاش کرو جس کا سارا گھرانہ مکمل مرکز نعمت الٰہی ہو۔ کہ
جیسی نعمت اس انسان پر ویسی نعمت اس کے باپ پر اور ویسی ہی نعمت
اس کی مادر گرامی پر۔ ایسا بشر کوئی نہ ملا سوائے حسینؑ بن علیؑ کے !!!



کے بعد یہ انسان خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے: پروردگار میری ذریت میں
صلاح قائم رہے اور ایک سے ایک نیک کردار پیدا ہوتے رہیں۔ کون ایسا
ملا جس کی ذریت میں خدا نے امامت قائم کر دی ہو۔!! اور یہ انسان خدا
کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے پروردگار "انی تبت الیک" میں تیری طرف متوجہ
ہوں: "وانی من المسلمین" اور میرا سر تیری بارگاہ میں جھکا ہوا ہے۔ ایسا کوئی
انسان تلاش کرو جس کی زندگی کا خاتمہ یوں ہوا ہو کہ اس نے خدا کی بارگاہ
میں گذارش کی ہو۔ پروردگار میرا سر تیری بارگاہ میں جھکا ہوا ہے۔ اور
شہید نے آخر میں آواز دی ہو: "رضاً برضائک وتسلیماً لامرک" صلوات

بس عزیزان محترم! یہ زندگی کا خاکہ ہے جس کی طرف میں نے پہلے
ہی اشارہ کیا تھا۔ اس میں بہت سے قابل وضاحت مسائل تھے جن کی
مختصر وضاحت کر دی گئی۔ اب جو بات آج گذارش کرنا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ
کی زندگی سراپا تطبیق قرآن مجید ہے۔ آیئے ذرا آیات کی روشنی میں دیکھیں
سرکار دو عالم منبر پر ہیں۔ خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ احکام شریعت بیان ہو رہے
تھے کہ ایک مرتبہ پیغمبرؐ نے دیکھا کہ ایک شہزادہ مسجد میں داخل ہوا۔ اور
روایات کے الفاظ میں (میرے الفاظ نہیں) پیر دامن میں الجھ گیا اور بچہ
خاک پر گر پڑا۔!! کوئی مشکل کام نہ تھا کہ پیغمبرؐ کسی سے کہدیتے کہ میرا نواسہ
گرا ہے اسے اٹھالو۔ یا لوگوں نے بچے کو بڑھ کے اٹھا لیا ہوتا۔ لیکن پیغمبرؐ نے

جیسے ہی یہ منظر دیکھا خطبہ کو توڑ دیا۔ اور منبر سے اتر پڑے۔ بچہ کو اٹھایا اور
لے کر منبر پر آ گئے، یہ بھی نہیں کیا کہ سنبھال کے وہیں بٹھا دیا ہوتا یا کسی صحابی
کی گود میں دیدیا ہوتا بلکہ منبر پہ لے کر آ گئے۔ قرآن مجید کی آیت پڑھی "انما
اموالکم و اولادکم فتنہ" تم سمجھے کہ میں بچہ کو اٹھا کر کیوں لے آیا۔
پروردگار نے مال اور اولاد کو ذریعہ آزمائش قرار دیا ہے۔ کبھی انسان
کا امتحان مال کے ذریعہ لیتا ہے اور کبھی اولاد کے ذریعہ لیتا ہے۔!! تو یا رسولؐ
اللہ اگر اولاد کے ذریعہ امتحان لیتا ہے تو حسینؑ سے علیؑ کا امتحان ہونا چاہیے
تھا۔ حسینؑ کے ذریعہ فاطمہؑ کا امتحان ہونا چاہیے تھا کہ انکی اولاد میں ہیں۔ یہ
آپ نے آیت کیوں پڑھی ہے؟ اور اس آیت کا حوالہ کیوں دیا ہے؟!! پیغمبرؐ بتانا
چاہتے تھے کہ یہ فرزند جیسے اولاد علیؑ میں ہے۔ اولاد زہراؑ میں ہے۔ اسی
طرح یہ میری اولاد بھی ہے۔ تو حضور یہ منبر سے اتر کر آپ حسینؑ کو اٹھا کیوں لائے
ہیں؟ کہا میرا امتحان ہو رہا تھا کہ اللہ نے اولاد کو ذریعہ امتحان بنایا ہے۔
اب میں نہیں جانتا کہ کیا امتحان ہو رہا تھا اور میری زبان بھی لکنت کر رہی
ہے۔ ایک طرف شان رسالت کا خیال ہے اور دوسری طرف واقعہ کی
نزاکت کا خیال ہے۔ اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ یہ واضح کرنا چاہتے تھے
کہ میں امتحان میں کامیاب ہو گیا کہ میں نے خطبہ توڑ دیا۔ گویا پیغمبرؐ اسے اپنی
کامیابی قرار دے رہے ہیں کہ خطبہ کو قطع کر کے عظمت حسینؑ کا اعلان کیا



ہے۔ تو جس کی عظمت کے اعلان کو پیغمبرؐ اپنی کامیابی قرار دے اس کی بلندیوں
کو کون اور کیا پہچانے گا۔ صلوات

یہ حیات پیغمبرؐ کا ایک مرحلہ تھا جہاں پیغمبرؐ نے قرآن مجید کی آیت کو اس
مقام پر منطبق کیا۔ اس کے بعد سلسلۂ کلام بہت طویل ہے اور ساری باتیں
گزارش کرنے کا وقت نہیں ہے۔ آیئے وہاں سے بات شروع کریں جہاں
سے حسینؑ کی اپنی مستقل زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔ جبتک نانا کے زیر سایہ رہے
پیغمبرؐ ذمہ دار امت تھے۔ جب تک مولائے کائنات کے زیر سایہ رہے مولائے
کائنات امام وقت اور ذمہ دار امت تھے۔ مولائے کائنات کے دنیا سے چلے
جانے کے بعد سنہ ۴۰ھ سے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی اپنی زندگی کا آغاز ہوتا ہے
اگرچہ قانونی اعتبار سے ذمہ دار امت امام حسنؑ ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ امام حسینؑ کی
زندگی پر کیسے قرآن مجید کی آیات کو منطبق کیا گیا ہے اور کیسے قرآن مجید کی
آیات کو اس زندگی میں مجسم بنایا گیا ہے۔!! سب سے پہلا مرحلہ مولائے
کائنات کی شہادت کے بعد امت میں پیش آیا کہ اب اولاد علیؑ کے
ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے۔ حالات جو بھی رہے ہوں اور شام کی حکومت نے
بھی محسوس کیا ہو مگر بالآخر امام حسنؑ مجتبیٰ کے پاس پیغام صلح بھیجدیا۔ کہ
ہمیں اسلام سے کچھ لینا نہیں ہے۔ ہمیں تو خالی حکومت چاہیئے۔ اگر آپ
حکومت دیدیں تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ مذہب آپ کے پاس رہے گا،

قانون آپ کے پاس رہے گا۔ حکومت آپ ہمارے حوالے کر دیں اور مسئلہ
حل ہو جائے۔ اس تجویز کے ساتھ امام حسنؑ کے پاس ایک سادہ کاغذ بھیجا
گیا۔ کہا جو بھی آپ شرط رکھنا چاہیں اور جس شرط پر آپ صلح کرنا چاہیں ہم
صلح کرنے کے لئے تیار ہیں۔!! امام حسنؑ کی نگاہ میں مسئلہ یہ ہے کہ قرآن اس
موقع پر کیا کہتا ہے؟ جو قرآن کہتا ہے وہی کرنا ہوگا۔ ہماری زندگی قرآن
سے الگ نہیں ہو سکتی ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ زندگی قرآن کے ساتھ
یوں چلے کہ ہمارے پہچانے کا بہترین ذریعہ ہو قرآن مجید۔ آیت قرآن
نے آواز دی جب مسئلہ صلح و جنگ کے درمیان آجائے تو والصلح خیر
بہترین بات یہ ہے کہ صلح کر لی جائے۔ اب چونکہ قرآن صلح کو خیر کہہ رہا
اب چونکہ قرآن صلح کو خیر قرار دے رہا ہے لہٰذا امام مجتبیٰؑ نے قرآن کے حکم
منطبق کرنے کے لئے صلح پر آمادگی کا اظہار کر دیا اور شرائط صلح تیار ہو
صلح نامہ کے شرائط بھیج دیئے گئے۔ ابھی تھوڑا وقت نہیں گذرنے پایا
شام کے حاکم نے اپنا مقصودِ دنیا حاصل کرنے کے بعد منبر پر آکر اعلان
کہ میری حسنؑ سے صلح ہوئی تھی انھوں نے یہ شرائط طے کئے تھے میں ان
کو تسلیم کر لیا تھا مگر اب میری نگاہ میں ان شرائط کی کوئی حیثیت نہیں
اور یہ کہہ کر صلح نامہ کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور پیروں تلے روند دیا۔!!
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ردعمل کے بعد کیا کیا جائے۔!! البتہ ...



فیصلہ نہیں کرنا چاہتے۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کیا کہتا ہے۔ قرآن نے آواز دی
"اوفوا بالعقود" دیکھو جو تم نے عہد کیا ہے اپنے عہد پر قائم رہو۔ اگر وہ قائم
نہیں رہتا تو روز قیامت وہ جواب دے گا۔ مگر جو تم نے وعدہ کر لیا ہے ایمان
والوں کے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے عہد پر قائم رہیں۔!! اب امام حسنؑ
اور امام حسینؑ کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ صلح کے پابند
رہیں تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ جہاں ایمان ہے وہاں صلح کی پابندی ہے
اور جہاں صلح کی پابندی نہیں ہے وہاں بے ایمانی ہے ایمان نہیں ہے۔ صلوات
لہٰذا یہ دوسرا قدم بھی اٹھا قرآن کے قانون کی روشنی میں اور قرآن کی
آیت کو زندگی پر منطبق کرنے کے لئے۔!! وقت گذرتا رہا۔ ایک وہ دن بھی
آیا جب امام حسنؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ لیکن امام حسینؑ اسی قانون الٰہی
پر قائم رہے۔ ہم قرآن کے قانون کے خلاف نہیں کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ
دن بھی آگیا جب شام کا حاکم دنیا سے رخصت ہو گیا۔ امام حسینؑ مسجد میں
تشریف فرما تھے۔ عبداللہ ابن زبیر بھی موجود تھے اور دوسرے لوگ بھی تھے
رات کے وقت مدینہ کے گورنر کا پیغام آیا کہ آپ دربار میں تشریف
لائیں۔!! ابن زبیر نے کہا یہ وقت تو دربار کا نہیں ہوتا ہے۔ یہ رات کے
وقت دربار میں کیوں بلایا گیا ہے۔!! آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ اندازہ ہے
کہ شام کے حاکم نے شاید دنیا سے انتقال کیا ہے۔ اور اب بلایا گیا ہے ہمیں

اور آپ کو بیعت کے واسطے۔ بتائیے کیا خیال ہے۔؟ ابن زبیر نے کہا
بہترین موقع ہے کہ رات کے اندھیرے میں مدینہ کو چھوڑ کے نکل چلیں۔
دربار میں جانا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔!! ظاہر ہے کہ ابن زبیر نے اپنی
عقل سے فیصلہ کرلیا۔ مگر حسینؑ اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتے
تھے۔ دیکھیں قرآن کیا کہتا ہے۔ جو قرآن فیصلہ کرے گا۔ وہ حسینؑ کا فیصلہ ہوگا
قرآن مجید نے آواز دی کہ دیکھو اگر یہ لوگ صلح و سلامتی کے لئے تیار ہوں تو
پیغمبرؐ آپ جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ تو چونکہ ایک پیغام صلح آیا ہے لہذا
مجھے جانا چاہیئے۔!! امام حسینؑ قانون قرآن کی بنیاد پر دربار میں آئے۔ جیسے
ہی دربار میں آئے ویسے ہی حاکم نے حاکم شام کے مرنے کی [illegible]
سے قرآن نے آواز دی "وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم
مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون" اے پیغمبرؐ آپ صبر کرنے
والوں کو بشارت دیدیجئے کہ جب ان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو
کہتے ہیں۔ انا للہ۔ جیسے ہی حسینؑ نے دیکھا کہ حاکم شام کے مرنے کی خبر آئی
یعنی مصائب کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو رہا ہے فرمایا "انا للہ وانا الیہ
راجعون"۔!! یہ حسینؑ کی اپنی ذاتی کوئی رائے نہ تھی۔ جو قرآن نے
شان بتائی تھی وہ حسینؑ نے عمل سے نمایاں کر دی۔ "اذا اصابتھم مصیبۃ
قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون" صابرین پر جب کوئی مصیبت [illegible]



ہے تو کہتے ہیں انا للہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور پلٹ کے اللہ ہی کی بارگاہ
میں جائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ ان کے اس کہنے کا کوئی انعام کوئی جزا
کوئی صلہ ہے؟ قرآن نے کہا ہاں ہاں جو اتنا بڑا کام کرے گا تو خدا اسے
ضرور انعام دیگا۔ "اولئک علیھم صلوات من ربھم" جو لوگ
ایسے سخت مواقع پر بھی انا للہ کہتے ہیں خدا کی طرف سے انہیں یہ انعام
ملتا ہے کہ ان کے لئے خدا کی طرف سے صلوات ہے۔ رحمت ہے۔ ایک
"ان اللہ وملائکتہ" کی آیت سنی "ان اللہ وملائکتہ یصلون
علی النبی" تو مسلمان نے کہا یہ کون سی بدعت نکل آئی ہے کہ خدا تو
صلوات کا ذکر نبیؐ کے لئے کر رہا ہے اور آپ نے آل کو شامل کر لیا ہے
عزیزو قرآن کسی ایک آیت کا نام نہیں ہے۔ ذرا آیت صبر بھی تو پڑھو
جنہوں نے ایسے موقع پر انا للہ کہا "اولئک علیھم صلوات من
ربھم" ان کے لئے خدا کی طرف سے صلوات ہے۔ اب تو اندازہ ہوا کہ
اگر ایک ذات اقدس پیغمبرؐ کے لئے صلوات ہے تو صابرین
کی ایک جماعت بھی ہے کہ جس کے لئے خدا کی طرف سے صلوات ہے۔
ہاں اگر کہیں کوئی صابر ملتا ہی نہیں ہے تو اس کے یہاں صلوات کو بدعت
ہونا ہی چاہیئے۔ مگر جہاں صابروں کا سلسلہ پایا جاتا ہے وہاں صابر کے
بعد صابر پیدا ہوتے رہیں گے اور صلوات کے بعد صلوات کا سلسلہ قیامت

تک باقی رہے گا۔ صلوات

"اُولٰئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ" پروردگارِ عالم کی طرف سے ان کے لئے صلوات ہے۔ "وہی لفظ ہے جو ہم لوگ استعمال کرتے ہیں۔ سرکارِ دوعالم کے لئے دو لفظیں آئی۔ یصلون، صلو۔ اللہ اور ملائکہ یصلون علی النبی اور اے ایمان والو صلو علیہ۔ یصلون کا لفظ ہے، صلو کا لفظ ہے صلوات کا لفظ نہیں ہے۔ لیکن جب صابرین کا ذکر آیا تو بالکل سیدھے سیدھے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ یہ وہ ہیں جن کے لئے صلوات ہے۔ تو پیغمبر کے لئے ہم نہ یصلون کہیں گے نہ صَلّوا کہیں گے کہ یہ دو لفظیں مخصوص ہوگئیں پیغمبر کے لئے۔ کہ ہے کم غیر پیغمبر کے لئے جو لفظ خدا نے استعمال کیا ہے اسے تو استعمال کرنے کی اجازت دیدیجئے۔ جب خدا نے خود لفظ صلوات استعمال کیا ہے تو ہم بھی کہیں گے۔ صلوات

اب اس کے بعد تیسرا مرحلہ سامنے آیا۔ مدینہ کے گورنر نے کہا کہ وہ گئے لیکن انکی جگہ پر یزید خلیفۃ المسلمین ہوگیا ہے۔ اور یزید نے یہ پیغام ہے کہ اگر حسینؑ بیعت نہ کریں تو سر قلم کر کے بھیجدو یہ تیسرا مرحلہ ہے وہ میں جانے کا مسئلہ تھا۔ قرآن نے کہا جاؤ چلے گئے۔ بیعت کا مسئلہ سامنے آیا قرآن نے کہا انا اللہ کہو۔ حسینؑ نے کہہ دیا۔ اب مسئلہ بیعت کا سامنے آیا ہے۔ اب حسینؑ کیا کریں؟ پھر قرآن کی آواز کانوں میں آرہی ہے۔



"وَلَا تَرْکَنُوا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا" خبردار ظالموں کی طرف جھکاؤ نہ پیدا ہونے پائے ورنہ جہنم میں چلے جاؤ گے۔ تو جب قرآن نے آواز دی کہ ظالموں کی طرف جھکاؤ بھی نہ ہونے پائے تو ظالم کے ہاتھ بک جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا امام حسینؑ نے صاف لفظوں میں انکار بیعت کردیا اور فرمادیا "مثلی لا یبایع مثلہ" تنہا میں نہیں۔ میں بیعت نہیں کرونگا مثلی لا یبایع مثلہ "مجھ جیسا کوئی انسان یزید جیسے کی بیعت نہیں کرسکتا ہے۔ یہ بیعت کا ابدی فیصلہ ہے۔ جب تک یزید جیسے پیدا ہوتے رہیں گے اور جب تک مجھ جیسے پیدا ہوتے رہیں گے۔ کوئی یزید جیسا یہ نہ سوچے کہ مجھ جیسا کوئی انسان ایسے کی بیعت کرے گا۔ اُدھر بھی قیامت تک ویسے پیدا ہوتے رہیں گے اور اِدھر بھی قیامت تک ایسے پیدا ہوتے رہیں گے۔ مگر کسی دور کا حسینؑ کسی دور کے یزید کی بیعت نہیں کرے گا۔ صلوات

یہ مسئلہ بھی فرزند رسولؐ نے حل کردیا۔ اب کیا کرنا چاہئے؟ گھر واپس آئے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اب مدینہ میں رہیں یا مدینہ چھوڑ کر باہر نکل جائیں؟!! قرآن مجید نے آواز دی "وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللہِ" وہ انسان جو گھر سے باہر نکلے اللہ و رسول کیطرف ہجرت کرتے ہوئے اگر راستہ ہی میں مرجائے "فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللہِ" تو اس کا اجر خدا کے ذمہ ہو جائے گا۔ حسینؑ نے دیکھ لیا کہ قرآن کی ہدایت یہ ہے کہ خدا کی راہ

میں نکلنے والے کے لئے خدا اجر و ثواب عطا کرتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مدینہ رسولؐ کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جائیں کہاں؟ قرآن نے پھر آواز دی "ومن دخلہ کان آمنا" اللہ نے اپنے گھر کو ایسا بنایا ہے کہ جو حرم خدا میں داخل ہو جائے وہ محفوظ ہو جائے گا۔ لہٰذا تقاضائے احتیاط یہ ہے کہ خطرہ کی منزلوں کا نہیں۔ امن کی منزل کا رخ کیا جائے اور چونکہ حرم امن اللہ نے اپنے گھر کو بنایا ہے لہٰذا امام حسینؑ نے مدینہ چھوڑنے کے بعد مکہ کا رخ کیا۔!! مکہ میں آ کے قیام فرمایا۔ ۲۸ رجب کو فرزند رسولؐ نے مدینہ چھوڑا اور ۳ شعبان کو امام حسینؑ مکہ میں آ گئے۔ اس کے بعد امام حسینؑ مکہ سے کب نکلے؟ ۸ ذی الحجہ کو یعنی پورا شعبان کا مہینہ مکہ میں، رمضان کا مہینہ مکہ میں، شوال کا مہینہ مکہ میں، ذیقعدہ کا پورا مہینہ مکہ میں گذارا۔ ۸ ذی الحجہ کو حسینؑ مکہ سے نکلے۔!! یہ چار مہینے کا زمانہ جو مکہ میں گذارا کیسے گذرا کہ پورے عالم اسلام میں یہ خبر پھیل گئی کہ نواسۂ رسولؐ کو وطن میں رہنے نہیں دیا گیا۔ اور حسینؑ حرم خدا میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ اب وہ لوگ جو بنی امیہ کے اقتدار کو برداشت نہیں کر سکتے تھے مگر کسی میں ہمت نہیں تھی انکو بہترین سہارا مل گیا کہ نبیؐ کی اولاد پر ظلم ہوا ہے اور اب اگر اس آواز کو اٹھایا جائے گا تو عالم اسلام ساتھ آ جائے گا اور اس خیال کے ساتھ ہی ہر طرف سے یزید کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں۔ مگر سب خیال



تھے کہ ہمارے نام پر کوئی نہ اٹھے گا۔ ہمارے نام پہ کوئی ساتھ دینے والا نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ہم حسینؑ کو اپنا قائد بنا لیں، اپنا راہنما بنا لیں تو سارا عالم ساتھ ہو جائے گا۔ چنانچہ اہل کوفہ نے خط لکھ دیا کہ فرزند رسولؐ ہم نے یزید کے گورنر کو ماننے سے انکار کر دیا ہے ہم اس کے حاکم کو تسلیم نہ کریں گے۔ ہمارے واسطے یزید کوئی خلیفہ بننے کے لائق نہیں ہے۔ ہمارے امام تو آپ ہیں۔ آپ جلدی آ جائیے ہم سب آپکا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔ آپ اٹھ کھڑے ہوں گے تو یزید کی حکومت کا قلع قمع ہو جائے گا۔ یہ کوفہ والے اٹھنا چاہتے ہیں مگر اپنے دم پر نہیں۔ انھیں سہارا چاہیئے کسی کا۔ اور سہارے کے لئے کون ہے؟ امام حسینؑ۔ لہٰذا آپ آ جائیے تاکہ ہم لوگ آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں اور یزید کی حکومت کو منقلب کر دیں۔ "لیس علینا امام" ہمارے واسطے آپ کے علاوہ کوئی امام نہیں ہے۔ لہٰذا آپ تشریف لائیے۔!! آغاز کہاں سے ہوئی تھی یزید کی خلافت کو نہ مانیں گے۔ ہم نے یزید کے گورنر کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ ہم کسی باطل کے سامنے سر نہ جھکائیں گے۔ ہمارے امام آپ ہیں لہٰذا آئیے۔!! اب خط کے آگے کا مضمون پڑھیں باغ تیار ہو گئے ہیں، میوے پک گئے ہیں، نہروں میں پانی بہہ رہا ہے۔ سوچئے اس کا امام سے کیا تعلق ہے؟ ایک امام چاہیئے انقلاب کرنے کے لئے، ایک امام چاہیئے یزید کی حکومت کو الٹ دینے کے واسطے۔ ایک امام

چاہیۓ باطل کو فنا کر دینے کے لئے۔ اور اس امام کو بلا رہے ہیں یہ کہہ کر کہ باغ تیار ہوگئے ہیں۔ میوے پکے ہوئے ہیں، نہریں جاری ہیں۔ کُل قدر امام یہ ہے کہ انقلاب کے لۓ تو نہ آئیں گے لیکن جب کہیں گے کہ فروٹ تیار ہیں، میوے تیار ہیں تو چلے آئیں گے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون لوگ ہیں جنھوں نے اس مضمون کا خط بھیجا ہے اور کئی کئی آدمیوں نے اس پر دستخط کئے ہیں اور اس کے بعد جب دیکھا کہ امام حسینؑ نے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا تو دوسرا خط، تیسرا خط۔ یہاںتک کہ چار مہینے کے اندر امام حسینؑ کے پاس کوفہ سے بارہ ہزار خطوط آگئے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے شرافت کی بات لکھی ہے کہ آپ آئیے تاکہ ظالموں کا مقابلہ کیا جائے۔!! بارہ ہزار خطوط امامؑ کے پاس آگئے۔ تو امام دیکھتے ہیں کہ آخر مجھے ان خطوط کے بارے میں کیا کرنا چاہیئے؟ انکا کیا جواب دینا چاہیئے۔؟ قرآن مجید کی آواز آرہی تھی" وَاِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ " دیکھو اے اللہ کے نیک بندو، اے ایمان والو اگر دین میں لوگ تم سے مدد مانگیں تو خبردار مدد کرنے میں کوتاہی نہ کرنا۔ یہ سب کہہ رہے ہیں ہمارے پاس کوئی امام نہیں ہے۔ ہمیں اٹھنے کے واسطے سہارا چاہیۓ تو قرآن کا قانون یہ ہے کہ جب دین کے بارے میں مدد مانگی جائے تو مدد فریضہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا مدد کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ امام حسینؑ نے مدد کا انتظام کردیا



اور جناب مسلمؑ کو بھیجدیا۔ تاکہ قانون قرآن پر عمل ہو جائے۔ امام حسینؑ مکہ میں ہیں اور مسلمؑ کو بھیجدیا ہے۔ وقت گذرتا ہے یہاںتک کہ جب حج کا زمانہ آگیا۔ تو ایک مرتبہ امام حسینؑ نے یہ دیکھا کہ یزید نے حالات کا اندازہ کرکے کچھ لوگوں کو لباس احرام میں خنجر چھپا کے بھیجدیا ہے۔ تاکہ عین حالت طواف میں فرزند رسولؐ کو قتل کردیں۔ اب اگر امام حسینؑ خانہ کعبہ کے پاس حالت طواف میں قتل ہوجائیں تو حرمت کعبہ خطرہ میں ہے۔ حرمت حرم خطرہ میں ہے۔ لہٰذا امام حسینؑ کیا کریں۔ جان دیدیں؟ اپنے خون ناحق کو زمین حرم پر بہنے دیں یا کوئی اور راستہ اختیار کریں؟ قرآن مجید نے آواز دی" وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ" شعائر خدا کی تعظیم تقوی کی علامت ہے۔ اللہ کا گھر شعائر اللہ میں ہے اسکا احترام ضروری ہے۔ اب امام حسینؑ نے مکہ بھی چھوڑدیا جو امام حسینؑ کی اپنی رائے نہیں ہے بلکہ قرآن کے قانون پر عمل ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اب کدھر جائیں۔؟ مدینہ چھوٹ چکا۔ مکہ چھوٹ چکا۔ مکہ چھوڑ کے چل رہے ہیں اب سامنے سوائے قتل کے اور کوئی منزل نہیں ہے اور قرآن مجید آواز دے رہا ہے دیکھو" قُلۡ لَّوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِيۡنَ كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ" اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہ جاؤ تو اللہ کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ خبردار یہ خیال نہ کرنا کہ دین خدا تمہارا محتاج،

ہے۔ اگر تم اپنے گھروں میں رہ جاؤ گے تو وہ لوگ اپنے گھروں سے نکلیں گے کہ جن کے مقدر میں شہادت ہے۔ اور وہ لوگ نکل کے اپنے مقتل کیطرف جائیں گے۔ چونکہ ایسے لوگ پروردگار عالم کی مشیت میں طے ہو چکے ہیں جو گھر سے نکلیں گے اور مقتل کی طرف جائیں گے۔ لہٰذا امام حسینؑ نے دیکھ لیا کہ میرا ایک ہی راستہ ہے کہ مجھے اپنے مقتل کیطرف جانا چاہیئے۔ چنانچہ آپ چلے اور جب زمین مقتل سامنے آئی تو کربلا میں آکے ٹھہر گئے کہ یہ وہ منزل ہے جو اللہ نے روز ازل سے مقدر کر دی ہے قافلہ کو لاکر امام حسینؑ نے زمین کربلا پر روک دیا دریا سے قریب کہ صحرا ہے۔ بیابان ہے۔ اتنے مصائب برداشت کر کے آئے ہیں سارا پانی لشکر حر کو پلا دیا ہے لہٰذا پانی کے قریب رہنا ضروری ہے۔

۲ محرم کو قافلہ حسینؑ وارد ہوا اور دریا کے قریب خیمے نصب کر دیئے گئے۔ دوسرے دن تین محرم کو ابن سعد آیا اور ابن سعد نے پہلا مطالبہ یہ کیا کہ خیموں کو دریا سے ہٹا لیا جائے۔ اب ایک نیا امتحان سامنے آگیا اب حسینؑ کیا کریں؟ جنگ یہیں ہو جائے۔ اسی مقام پر اسی پانی کے لئے اسی دریا کے کنارے۔ یا حسینؑ چھوڑ دیں دریا۔ قرآن مجید نے آواز دی جب اللہ کا نیک بندہ اپنے لشکر کو لے کر چلا اور سامنے نہر آگئی تو سردار لشکر نے آواز دی "اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ" اے لشکر کے سپاہیو



اللہ تمہارا ایک نہر کے ذریعہ امتحان لینے والا ہے "فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ" جو پانی پی لے گا "فَلَيْسَ مِنِّي" وہ مجھ سے نہ ہوگا۔ یعنی اگر سردار لشکر سے رشتہ رکھنا ہے تو پانی چھوڑنا ہوگا۔!! حسینؑ نے کہا کہ یہ خدا نے پہلے دن فیصلہ کر دیا ہے کہ نیک بندوں کا امتحان نہر کے ذریعہ ہوتا ہے اور کامیابی یہ ہے کہ نہر کا پانی نہ پیا جائے لہٰذا خیموں کو ہٹا لیا اور یہ بھی قانون قرآن پر عمل تھا۔!! وقت گذرتا رہا۔ ۹ محرم کو امام حسینؑ چاروں طرف سے زعنۂ اعدا میں گھر گئے اور ادھر سے ۹ محرم کی شام کو اعلان جنگ ہو گیا کہ حسینؑ اور اصحاب حسینؑ پر حملہ کر دیا جائے۔ جیسے ہی ابن سعد نے اُدھر اعلان جنگ کیا امام حسینؑ کے کانوں میں قرآن کی آواز آئی "اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا" دیکھو جن مظلوموں پر جنگ لاد دی جاتی ہے انہیں خدا نے جہاد کی اجازت دیدی ہے کہ وہ مظلوم ہیں۔!! اب امام حسینؑ کے سامنے صرف ایک مرحلہ باقی رہ گیا ہے کہ یہ رات عبادت الہٰی میں گذر جائے ورنہ مرحلہ جہاد حسینؑ کے سامنے آگیا ہے۔

(نو) صبح عاشور آگئی خدا کے اذن کی بنیاد پر امام حسینؑ نے معرکہ کارزار میں قدم رکھا۔ اصحاب، انصار، بنی ہاشم سب جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر جنگ کیسے کریں؟ اسکا بھی کوئی طریقہ گھر سے طے نہیں ہوگا۔ اسکا طریقہ بھی قرآن ہی طے کرے گا۔ آواز آئی "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ

فِي سَبِيلِهٖ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ" اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں یوں جم کے جہاد کرتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔ خدا نے شان جہاد بھی طے کر دی ہے تو چاہے اسّی سال کا بوڑھا ہو یا ۱۲ سال کا بچہ۔ میدان میں لڑیگا تو جم کے لڑیگا۔ میدان چھوڑ نہیں سکتا ہے کہ قرآن نے جہاد کی شان یہی بتائی ہے۔

اب کربلا والوں کا جہاد قرآن مجید کی روشنی میں شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب سب راہ خدا میں کام آ گئے تو آخری مرحلہ تھا امام حسینؑ کے جہاد کا۔ امام حسینؑ میدان میں آئے۔ حملے کرتے رہے۔ جہاد کرتے رہے۔ جب جہاد آخری منزل پر آیا تو ایک مرتبہ کانوں میں آواز آئی "یا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ" اے نفس مطمئنہ اپنے مالک کی بارگاہ میں پلٹ آ۔ تو ہم سے راضی، ہم تجھ سے راضی۔!! حسینؑ نے تلوار کو نیام میں رکھا اور جہاد کے سلسلے کو روک کر اعلان کر دیا کہ حسینؑ اور قرآن کا رشتہ اتنا گہرا ہے کہ جب بھی عظمت قرآن کو پہچاننا ہو تو حسینؑ کو ذریعہ بنا۔!! اور جب بھی عظمت کردار حسینؑ کو پہچاننا ہو تو قرآن کو ذریعہ بنانا۔!! امام حسینؑ نے جو قدم اٹھایا وہ قانون قرآن کی روشنی میں اٹھایا اور قرآن کو منطبق کر دیا، ہر آیت کو مجسم کر دیا۔ اور ہر تعلیم کو اپنی زندگی کا جزء بنا لیا۔!! اے پروردگار تیرا یہ بندہ بیسؔ سال سے مسلسل اپنی زندگی کا ہر لمحہ



تیرے قانون کے مطابق اٹھا رہا ہے، تیرے قانون کو زندگی میں مجسم بنا رہا ہے۔ یہ بتا اتنے بڑے جہاد کا کوئی انعام ہوگا؟ اتنے بڑے جہاد کا کوئی صلہ، معاوضہ ملے گا؟ آواز آئی ہاں ہم معاوضہ دیں گے۔ حسینؑ جب تم جان دیدو گے تو ایک آواز آئے گی۔ "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا" خبردار جو راہ خدا میں جان دیدیں انھیں مردہ خیال نہ کرنا "بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ" یہ زندہ ہیں اور خدا کی بارگاہ میں رزق پا رہے ہیں۔

یہ آخری فیصلۂ الٰہی تھا جو سارے جہاد کا نچوڑ اور خلاصہ بن کر سامنے آیا۔ اب آپکو اندازہ ہوا کہ ہر قدم پر ایک تعلیم قرآن، ہر قدم پر ایک ہدایت قرآن ہے اور حسینؑ بن علیؑ کا قدم یونہی بڑھتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ پروردگار عالم نے یہ اعلان کر دیا کہ راہ خدا میں مرنے والوں کو خبردار مردہ خیال نہ کرنا، یہ زندہ ہیں اور خدا کی بارگاہ میں روزی پا رہے ہیں۔!! میں نے بات کو مکمل کر دیا ہے لیکن ایک جملہ اور گذارش کرنا چاہتا ہوں اور یہ ایک نیا رُخ ہے آپ کے سوچنے کے لیے (باقی بہت سی باتیں میں اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں) لیکن چونکہ موضوع سے متعلق تھیں اسلئے میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیا اور مزید تفصیلات میری کتابوں میں بھی آپ کو نظر آ جائے گی۔ لیکن اس فقرہ کو یاد رکھیے گا کہ پروردگار عالم

نے یہ اعلان روزِ اول کر دیا کہ راہ خدا میں شہید ہونے والا مردہ نہیں ہوتا
ہے زندہ ہوتا ہے۔ اور راہ خدا میں شہید ہونے والے تنہا کربلا والے تو
نہیں ہیں اس کے پہلے بھی راہ خدا میں قربانیاں دی گئی ہیں۔ ایسی ایسی
قربانیاں کہ حمزہؑ کو ان کے دور میں سید الشہداء کہا گیا ہے۔ مگر میں چاہتا
ہوں کہ اس آخری لفظ کو میرے عزیز یاد رکھنا کہ حسینؑ اور قرآن کا رشتہ
کیا ہے۔؟ کردار حسینؑ کو قرآن سے کیسے پہچانا جائے۔!! جو بدر میں مارے گئے وہ
بھی زندہ ہیں مردہ نہیں ہیں جو احد میں شہید ہو گئے وہ بھی زندہ ہیں مردہ نہیں
ہیں۔ جو راہ خدا میں جہاں مارا گیا سب زندہ ہیں کوئی مردہ نہیں ہے
لیکن یہ سب وہ ہیں جنکی زندگی عقیدہ ہے۔ قرآن کہتا ہے تو ہم لاشوں کو
بھی زندہ کہتے رہیں گے۔ قرآن کا حکم ہے تو ہم کٹی ہوئی گردنوں کو بھی زندہ کہتے
رہینگے کہ ہم مسلمان ہیں اور قرآن کے بیان کا انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن
اگر کوئی غیر آکر انکار کر دے۔ اگر کوئی غیر مسلم اٹھ کے کھڑا ہو جائے کہ آپ جو
کہتے ہیں کہ گلا کٹانے والے زندہ ہیں تو کہاں زندہ ہیں! یہ جسم، وہ سر یہ زندہ
ہیں۔ سر و تن میں جدائی ہو گئی پھر بھی انہیں زندہ کہا جائے۔ یہ کونسی عقلمندی
ہے۔ کوئی تو ڈھونڈ کر ایک راہ خدا میں مرنے والا لے آؤ جو قرآن مجید کی
صداقت کو ثابت کر سکے۔ نہ بدر میں کوئی ملا۔ نہ احد میں کوئی ملا۔ یہ کربلا کا احسان
ہے کہ حسینؑ نے نوک نیزہ پر قرآن پڑھ کے یہ ثابت کر دیا کہ جسے تم عقیدہ سمجھ



رہے تھے میں اسے مشاہدہ بنائے دے رہا ہوں۔ صلوات

قرآن امام حسینؑ کے کام آیا اور امام حسینؑ قرآن کے کام آئے قرآن
نے حسینؑ کے ہر موقف کی تائید کی اور حسینؑ نے قرآن کو تصدیق کی نعمت
سے سرفراز کیا۔ اب کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ راہ خدا میں مرنے والا
زندہ کیسے ہوتا ہے۔ حسینؑ نے اپنی زندگی کا ثبوت دیدیا اور نوک نیزہ سے
تلاوت کر کے اس حقیقت کا اعلان کر دیا کہ راہ خدا میں قتل ہونے والا مردہ
نہیں ہوتا ہے بلکہ زندہ ہوتا ہے۔ صلوات

بس عزیزان محترم۔! یہ باتیں موضوع کی تکمیل کے طور پر میں نے آپکے
سامنے عرض کر دیں اور اصل موضوع سنت پیغمبرؐ کے بارے میں انشاءاللہ
کل عرض کرونگا۔ آج اسی ایک لفظ کے بارے میں جو راہ خدا میں جہاد کرنے
والے یوں جہاد کرتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔ ان کے قدموں
کو کوئی ہلا نہیں سکتا ہے۔ کتنا فرق ہے ان راہ خدا میں لڑنے والوں میں جو
پیغمبرؐ جیسی شخصیت کا سہارا پاکر میدان میں آئے مگر دو لمحہ قدم ٹک نہ سکے
اور ثابت قدمی کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ ایک آواز کان میں آئی کہ محمدؐ مارے
گئے تو ایک آواز نے کتنے قدم اکھاڑ دیئے۔ کتنے افراد کو موت کے میدان
سے ہٹا دیا اور اس انسان ہیں کہ جس کے سامنے زندگی کا ذکر آئے تو بیٹھ
کر رونے لگے۔!! جب محضر شہادت دہرایا گیا۔ کل قربانی کا دن ہے، کل

راہ خدا میں قربان ہونے کا دن ہے۔ ایک ایک کا تذکرہ ہوا۔ یہ مارے جائیں گے وہ مارے جائیں گے۔ یہ راہ خدا میں کام آئیں گے۔ انکا گلا کٹ جائے گا۔ اور ایک نام سننے میں نہیں آیا تو جس کا نام نہیں آیا ذرا اس کا حوصلۂ جہاد تو دیکھیں کہ سامنے سے اٹھا اور ایک گوشے میں جاکر بیٹھ کر رونے لگا

ماں نے بچے کو دیکھا۔ بیٹا رونے کا کیا سبب ہے؟!! کہا مولا نے یہ تو بتایا کہ کل راہ خدا میں کون کون قربان ہونے والا ہے۔ سب کا نام آیا چچا کا نام آیا، بھیا کا نام آیا مگر میرا کوئی ذکر نہیں آیا۔ ہائے میرا مقدر، کمسنی کا عالم تھا۔ دو تین برس کی عمر کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور اب یہ آخری مصیبت ہے کہ میرے مقدر میں شہادت بھی نہیں ہے، قربانی بھی نہیں ہے۔!! ماں نے بچے کا بازو تھاما۔ سامنے لاکر کھڑا کر دیا۔ مولا اس بچہ کے مقدر میں کیا آپ کے قدموں پر قربان ہونا نہیں ہے؟ حسینؑ نے بڑھ کے گلے سے لگا لیا۔ کہا بیٹا تم کیا۔ کل تو وہ قربانی کا دن ہے، وہ قیامت کا مرحلہ ہے جب تمہارا چھ مہینے کا بھائی علی اصغر بھی قربان ہو جائے گا۔ جیسے ہی قاسمؑ نے علی اصغرؑ کا نام سنا اور دیکھا کہ اصغر گہوارے میں ہیں۔ چلنے کے لائق نہیں ہیں۔ ایک مرتبہ ہاشمی غیرت کو جوش آگیا۔ تڑپ کے مولا سے گذارش کی آقا "ھَل یَصِلُوْنَ اِلَی الخِیَام" کیا اشقیا خیمے میں آجائیں گے۔!! حسینؑ نے قاسمؑ کو یہ کہکے سمجھا دیا۔ بیٹا میں اصغرؑ کو اپنے ہاتھوں پر



لیکے جاؤں گا تاکہ بچے کا دل سنبھل جائے۔!! مولا قاسمؑ کا دل تو آپ نے سنبھال لیا مگر سید سجادؑ کا دل کون سنبھالے گا۔!

اجرکم علی اللہ۔ خدا آپ کو کسی غم میں نہ رلائے سوائے غم حسینؑ کے متوجہ رہیں آپ انشاءاللہ بہت روئیں گے۔ بہت مثاب ہوں گے۔

بیبی حسینؑ نے اعلان کر دیا۔ اب رات گذر رہی ہے۔ ماں اپنے لال کے چہرہ کو دیکھ رہی ہے۔ اور بار بار یہ مسئلہ سامنے آتا ہے بیٹا دیکھو قربانی کا وقت آجائے تو باپ کو بھائی سے شرمندہ نہ ہونے دینا۔ مجھے سیدانیوں، شہزادیوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونے دینا۔ بیٹا تم پہلے قربان ہو جانا یہاں تک کہ عاشور کا دن آیا تو جب انصار و اصحاب راہ خدا میں کام آچکے اور بنی ہاشم کی قربانی کا وقت آیا تو ایک مرتبہ یتیم حسنؑ چچا کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ مولا آپ نے تو خود فرمایا ہے کہ سب کو راہ خدا میں قربان ہونا ہے تو اب اجازت دیدیجئے کہ چلا جاؤں۔ اب مجھے رخصت کر دیجئے تاکہ میں اپنا یہ سر آپ کے قدموں پر قربان کر دوں۔ حسینؑ جان برادر کو دیکھ رہے ہیں عزیزو! لفظوں میں کہنا بہت آسان ہے مگر جس پر کوئی ایسا وقت پڑ جاتا ہے کہ یہ منزلیں کیسے سر ہوتی ہیں۔!! حسینؑ جان برادر کو دیکھ رہے ہیں۔ بیٹا کیا تم نے مرنے کا ارادہ کر لیا ہے، قاسم کیا تم نے جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ کہا چچا اب اجازت دیدیجئے۔ قاسم کا اصرار بڑھتا جا رہا

ہے اور ادھر سے ام فروہ دور سے منظر دیکھ رہی ہیں. کب میرے لال کو اجازت ملے. کب میرا بیٹا میدان میں جائے۔!! جب قاسمؑ نے دیکھا کہ اجازت ملنے میں دیر ہو رہی ہے تو بچہ نے چچا کے ہاتھوں کو پکڑا اور روایت کہتی ہے کہ حسینؑ کے ہاتھوں پر اپنی آنکھوں کو ملنا شروع کر دیا. چچا اگر اب بھی اجازت نہ دینگے تو اب سر قدموں پر رکھوں گا مگر میدان میں ضرور جاؤں گا۔ دن. قربانی کا دن۔ منزل قربانی کی، بالآخر حسینؑ نے اجازت دیدی (بس متوجہ رہو عزیزو!) مگر کہا بیٹا آؤ تمھیں سجا دوں. آؤ میرے لال تمھیں میدان میں جانے کے لئے تیار کر دوں۔!! حسینؑ نے قاسم کو سجانا شروع کیا۔ روایت کا فقرہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے مولانے قاسمؑ کے سر پر عمامہ باندھا۔ مگر آج ایسا عمامہ باندھا کہ عمامے کے دونوں سرے قاسمؑ کے کندھوں پر لٹکا دیئے۔ دیکھا ہوگا آپ نے کہ جب کسی مرنے والے کو مستحبات کفن میں عمامہ دیا جاتا ہے. تو عمامہ سر پر یوں لپیٹا جاتا ہے کہ دونوں سرے کاندھوں پر لٹکا دیئے جاتے ہیں. اے بیٹا میں تجھے کفن تو نہ دے سکوں گا. آؤ کفن کی طرح تمھیں سجاؤں، آؤ میرے لال تمھیں تیار کر کے بھیجدوں.!! تو قاسمؑ کو تیار کیا. جب تیار کر چکے. سجا چکے تو سامنے کھڑا کر کے ایک مرتبہ حسینؑ نے دیکھا. ایک مرتبہ غور سے تصویر برادر کو دیکھا اور نہ جانے کیا خیال آیا اپنا گریبان چاک کر دیا. بچہ نے بیقرار ہو کر پوچھا. چچا یہ کیا؟ فرمایا



یتیموں کی نشانی ہے۔ جان برادر یہ یتیموں کی نشانی ہے۔ یہ کہہ کے حسینؑ چاہتے تھے کہ بھتیجے کو گھوڑے پر بٹھائیں کہ ایک مرتبہ فرمایا آؤ بیٹا آؤ ذرا سینے سے لگ جاؤ، آؤ قاسم ذرا کلیجے سے لگا لوں۔ چچا نے سینے سے بھتیجے کو لگا تو لیا، مگر اتنا روئے کہ جب زینبؑ نے دیکھا تو چچا بھتیجے دونوں غش میں پڑے تھے. ادھر قاسمؑ خاک پر، ادھر حسینؑ خاک پر۔ ہائے زینبؑ کیسے بیدار کریں۔ کہ کوئی جب غش کھا جاتا ہے تو پانی چھڑک کے ہوش میں لایا جاتا ہے۔!! زینبؑ پانی کہاں سے لائیں۔ بھائی کے پاس بیٹھ گئیں آنکھوں سے آنسوؤں کا چھڑکاؤ کیا۔ بھیا اب وقت نہیں رہ گیا ہے۔ اب آپ قاسم کو رخصت کر دیں. حسینؑ اٹھے بھتیجے کو اٹھایا گھوڑے پر بٹھایا۔ کہا۔ جاؤ میرے لال جاؤ خدا حافظ۔ جاؤ بیٹا جاؤ خدا حافظ۔

قاسمؑ میدان میں آئے (بس آخری جملہ عزیزو مجلس تمام ہو گئی) میدان میں آئے مصروف جہاد ہوئے۔ بڑے بڑے نامی پہلوان آتے رہے۔ مگر یہ تیرہ سال کا یتیم حسنؑ. جو سامنے آیا اس کا گلا کاٹ دیا۔ جو سامنے آیا اسے ذبح کر دیا۔ جو زد پر آیا اسے فی النار کر دیا۔ مگر روایت کہتی ہے جنگ کرتے کرتے ایک مرتبہ قاسمؑ کی نعلین کا تسمہ ٹوٹ گیا۔!! عربی قانون کے اعتبار سے میدان جنگ میں کسی جانے والے سپاہی کے نعلین کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اسے عیب سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا قاسمؑ نے ظالموں سے بے پرواہ

ہوکر چاہا کہ تسمہ کو درست کریں۔ مگر جیسے ہی سر جھکایا ایک ظالم کو موقع مل گیا، سر پر ایسا وار کیا کہ یتیم حسنؑ زخمی ہوکر خاک پر گرنے لگا آواز دی چچا چچا جلدی آئیے چچا۔ حسینؑ دوڑ کر چلے، آگے بڑھے، قاتل سرہانے بیٹھا ہوا ہے۔ حسینؑ بھتیجے کو بچانا چاہتے ہیں۔ اُدھر کے سوار اِدھر اِدھر کے سوار اُدھر، دوڑ کے آئے بھتیجے کے سرہانے آکے بیٹھے، کلیجے سے لگا لیا۔ اے بیٹا اے بیٹا کچھ خیال نہ کرنا۔ چچا تیرے کام نہ آسکا۔ میں اس وقت آیا جب تو دشمنوں کی زد پہ تھا۔ جب اِدھر کے سوار اُدھر اور اُدھر کے سوار اِدھر درمیان میں یتیم حسنؑ کا لاشہ۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# مجلس ۸

الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ الَّذِیْنَ اَذْهَبَ اللّٰہُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِیْرًا اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا اسے دوست رکھے جو [illegible]ے محبت کرے!! سرکار دو عالم کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں عرفان حسینؑ [illegible]ان سے جو سلسلۂ کلام آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا اس کے آٹھویں مرحلے [illegible] ایں شخصیت امام حسینؑ کے متعلق سنت و سیرت کی روشنی میں گذارش [illegible]اس نے نقوش عصمت میں امام حسینؑ کے حالات میں یہ ایک باب قرار دیا [illegible] امام حسینؑ کا تذکرہ سرکار دو عالم کے ارشادات میں یا دیگر معصومینؑ کے

ارشادات میں کتنے عنوان سے کیا گیا ہے اور کس قدر اِس تذکرہ کو دوہرایا گیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان تمام باتوں کی وضاحت کے لئے بڑا وقت درکار ہے اس کا اجمالی خاکہ کتاب میں موجود ہے اور مختصر وضاحت آج یہاں کرنا چاہتا ہوں۔

کسی انسان کی صحیح معرفت کے لئے اور اسے پہچاننے کے لئے چند باتوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے!! آپ نے دیکھا ہوگا کہ دورِ حاضر میں ایک طریقہ کار ہے شخصیتوں کے بارے میں ریسرچ کرنے کا۔ مختلف مقالات مختلف شخصیتوں کے بارے میں لکھے جاتے ہیں اور ان پر بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کی جاتی ہیں۔ لیکن جب بھی کسی شخصیت پر کوئی کتاب لکھی جاتی ہے تو اس کے بنیادی رکن دو ہوتے ہیں۔ ایک مسئلہ ہوتا ہے اس کی حیات کا اور ایک مسئلہ ہوتا ہے اس کے کارناموں کا۔ جہاں ہم دیکھیں گے کہ کسی ہستی، کسی شخصیت کے بارے میں وہ چاہے کسی دنیا کی ہو [illegible] اور ریسرچ کی جاتی ہے تو اس کے بنیادی ارکان یہی دو ہوتے ہیں!! اس کی [illegible] کیسی گذری اور اس کے کارنامے کیا ہیں؛ اسی روشنی میں، میں آج کچھ باتیں [illegible] رسول الثقلین امام حسین علیہ السلام کے بارے میں گذارش کرنا چاہتا ہوں [illegible] کی زندگی کیا ہے اور امام حسینؑ کے کارنامے کیا ہیں۔ مگر ایک بنیادی فرق [illegible] کسی بھی شخصیت کے بارے میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ اسکی زندگی کیا [illegible] کے کارنامے کیا تھے تو یہ دونوں باتیں وہ ہوتی ہیں جنکا دور گذر چکا ہے [illegible] والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ تلاش کر کے نکالے اور آنے والی نسل کے [illegible]



گور کھے کہ آنے والی قوم کے سامنے نہ اس جانے والے کی زندگی ہے۔ اور نہ اسکے کارنامے ہیں!! مگر فرزندِ رسول الثقلین امام حسینؑ کی حیثیت ان دونوں مقامات پر دنیا کی ہر شخصیت اور ہر ہستی سے الگ ہے۔ اس لئے کہ اگر آج سے سَو سال پہلے کی شخصیت کے بارے میں ریسرچ کی جائے تو آج نہ اس کی حیات باقی ہے اور نہ آج اسکا کارنامہ باقی ہے اگر اس نے بہت بڑی کتاب لکھی ہے تو محققین کا کام ہے کہ وہ لائبریریوں سے ڈھونڈھ کے نکالیں کہ وہ کتاب کیا ہے اور اس کتاب کی حیثیت کیا ہے!! اگر اس نے کوئی بہت بڑی ریسرچ کی ہے تو یہ ریسرچ کرنے والے کا کام ہے کہ اس کی ریسرچ کو تلاش کرے اور اس کے خصوصیات اور اسکی اہمیت کا تذکرہ کرے [illegible] منظرِ عام پر نہ کسی کا کارنامہ رہ گیا ہے اور نہ کسی کی زندگی رہ گئی ہے۔ مگر حسینؑ [illegible] کی شخصیت ان تمام مراحل میں دنیا کے ہر انسان سے الگ ہے!! حسینؑ [illegible] راہِ خدا میں سر کٹا کے اپنی حیات کو بچا لیا ہے اور اسلام کو بچا کے اپنے کارنامہ [illegible] کر لیا ہے آج کسی کو اس بات پر تحقیق نہیں کرنا ہے کہ تیرہ سو سال پہلے جو انسان [illegible] گذار رہا تھا وہ کون تھا اور کیسا تھا۔ حسینؑ کی زندگی آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے [illegible] نہیں ڈھونڈنا کہ تیرہ سو سال پہلے کربلا میں کونسا کارنامہ انجام دیا گیا تھا! اگر [illegible] اسلام ہے تو حسینؑ کا کارنامہ سامنے ہے۔ اگر دنیا میں قرآن ہے تو حسینؑ کا [illegible] سامنے ہے۔ اگر مسجدوں میں نمازیں ہیں تو حسینؑ کا کارنامہ سامنے ہے۔ [illegible] تقدس باقی ہے تو حسینؑ کا کارنامہ سامنے ہے۔ جن کے کارنامے چلے گئے

ان پر تحقیق الگ ہوتی ہے اور جسکا کارنامہ باقی ہے اس کا تذکرہ الگ ہوتا ہے۔ صلوات
میں جو باتیں اس سے پہلے مختلف موضوعات کے تحت گذارش کر چکا ہوں
ان کو دوہرانا نہیں ہے اور نہ یہ بات میری عادت میں شامل ہے اور یہ بھی پرور
کا کرم ہے کہ ایک ہی مقام پر سترہ۔ اٹھارہ سال سے تذکرہ کرنے کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے
کہ چونکہ مجمع تقریباً وہی ہوتا ہے تو آدمی کو نئی فکر سے کام لینا پڑتا ہے۔ ورنہ مسئلہ
بہت آسان ہے۔ چار مضامین ذہن میں ہیں وہی آپ کو سنا دیئے۔ دوسرے شہر
جا کے دوہرا دیئے۔ تیسرے شہر میں اسی کو دوہرا دیا۔ اور کبھی کبھی حادثاتی طور سے
بھی ہو جاتا ہے کہ خطیب بعد میں پہونچتا ہے کیسٹ پہلے پہونچ جاتا ہے۔ صلوات
تو میں گذارش کر رہا تھا کہ جو باتیں اس سے پہلے آپ کے سامنے آچکی
ان کے دوہرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے صرف ایک بات میرے موضوع
ہے لہٰذا ایک لفظ اشارۃً گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ کہ امام حسینؑ کا کارنامہ جس
میں سامنے آیا اس کی صورت حال ہر انسان کی نگاہ کے سامنے ہے۔ جس
کا ایک ورق بھی پڑھا ہے کم سے کم اتنا تو بہر حال مانے گا کہ امام حسینؑ
خلاف آواز اٹھائی یا جسکو عالم اسلام سے باہر نکال کے رکھنا چاہا۔ جسکو
نہیں بننے دیا۔ جس کو جانشین پیغمبرؐ نہیں بننے دیا۔ جسکو امام نے چاہا کہ وہ
سے الگ کوئی شخصیت مانی جائے۔ اس کی اسلام میں کوئی جگہ نہ رہ جائے
بہر حال تھوڑی دیر کی قربانی میں امام حسینؑ نے وہاں تک پہونچا دیا کہ



نہیں بیان ہوتے ہیں یزید کی صفائی دی جاتی ہے۔!! میں نے ایک لفظ کہا ہے
اس مسئلے میں غور کیجئے گا) آج جو بھی یزید کی حمایت میں قدم اٹھاتا ہے یا قلم اٹھاتا ہے
اسکا سارا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ بیچارے کو بلا وجہ بدنام کیا جاتا ہے۔ وہ تو
شام میں بیٹھا تھا۔ اسے کیا خبر کہ کربلا میں کیا ہو گیا۔ اسے کیا معلوم کہ مدینہ میں مطالبۂ
بیعت ہو گیا۔ اسے کیا معلوم کہ مکہ میں لوگ لباس احرام میں خنجر چھپا کے آگئے
اسے کیا معلوم کہ کربلا میں کیا ہو گیا۔!! یہ صفائی دینا اس بات کی علامت ہے کہ
امام حسینؑ نے یزید کو وہاں پہونچا دیا جہاں کوئی حمایت کرنے والا سر اٹھا کے بات کرنے
کی ہمت نہیں کرتا ہے۔ جسے دیکھئے سب وکیل صفائی دینے والے ہیں۔ کوئی اپنے ممدوح
کے بارے میں سر اٹھا کے بات کرنے کی ہمت نہیں کرتا ہے۔ اب تو اندازہ ہوا کہ جو
کل سر اٹھا کے بیٹھا تھا آج اسکا کوئی حامی سر اٹھانے کے قابل نہیں ہے اور جو کل سر
کٹا کے گیا تھا اسکا ہر چاہنے والا آج سر اٹھائے بات کرنے کے لائق ہے۔ صلوات
جن لوگوں نے یزید کو قتل فرزند رسولؐ سے بری بھی کرنا چاہا ہے وہ بھی بیچارے اتنی
ت نہیں کر سکے ہیں کہ یزید کے ذاتی اعمال کا انکار کر دیں کہ یہ مسئلہ زیادہ سنگین ہے
اس کی صفائی دے دی جائے کہ قتل امام حسینؑ سے یزید کا کوئی تعلق نہیں ہے
اتی طور پر وہ کیا ہے کوئی ایسا ہمتی پیدا نہیں ہوا جو یہ کہہ سکے کہ یزید کے دربار میں
نہیں تھی۔ یزید کے کردار میں عیب نہیں تھا۔ یزید بندر نہیں نچایا کرتا تھا۔ یزید
مذاق نہیں اڑاتا تھا۔ یزید نے یہ نہیں کہا کہ اسلام بنی ہاشم کا کھیل ہے۔

پر کوئی خبر آئی ہے اور نہ کوئی وحی آئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ذاتی طور پر یزید کا
کردار واضح ہے۔ مسند پیغمبرؐ، تخت خلافت، عالم اسلام کی حکومت اور شراب
ایسا نہیں ہے کہ یزید کے دور میں ایک تنہا یزید شرابی تھا اور کوئی پینے والا ہی نہیں تھا
اسمیں پرانے نئے بہت سے تھے۔ شراب پینے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ کتنے تھے
شراب پینے والے کتنے تھے زنا کرنے والے۔ کتنے نشہ کرنے والے، جوا کھیلنے والے، کتنے
بدکاری کرنے والے، ہزاروں لاکھوں رہے ہوں گے۔ میں تو حساب بھی نہیں کر سکتا
اس لئے کہ جس دور میں حکومت کا مزاج یہ ہو جائے اس دور میں پبلک کو کیا گننا
ہے۔ جیسے جیسے سرکار کو خوش کرنا ہوگا سب ایسے ہی ہوں گے۔ جیسے جیسے اس کے ہاتھ
پر بیعت کرنا ہوگی سب کا کردار ایسا ہی ہوگا۔ اتنے شرابی، اتنے کبابی، اتنے نالائق،
اتنے نااہل، اس دور میں تھے اور ہر دور میں رہتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ امام حسینؑ
نے ہر ایک کے خلاف تو قیام نہیں کیا۔ کہ جہاں جس محلہ میں معلوم ہو جائے کہ کوئی
ایک آدمی شراب پینے والا ہے امام حسینؑ بنی ہاشم کو لیکے وہاں پہونچ جائیں۔ ایسا نہیں
ہوا۔ یہ تو نہ پیغمبرؐ نے کیا، نہ مولائے کائنات نے کیا۔ نہ کسی نے کیا۔ تو ایک یزید ہی
کیوں ہے کہ جس کی شراب کے خلاف۔ جس کے زنا کے خلاف، جس کے کردار کے
خلاف۔ جس کے اعمال کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔ بات بہت واضح ہے کہ اگر
کوئی انسان ایک عام انسان بن کے کوئی بُرا کام کرتا ہے تو مسلمان کی ذمہ داری ہوتی
ہے فقط نہی عن المنکر۔ کہ برائی سے روک دے۔ مان جائے تو ٹھیک ہے ورنہ



جہنم میں جائے ہماری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ لیکن جب کوئی آدمی مذہب کا ذمہ دار بن
کے برائی کرتا ہے۔ تو اب مسئلہ یہ نہیں ہے کہ یہ آدمی برا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ برائی مذہب
میں داخل ہونا چاہتی ہے!! ایک مسلمان نالائق ہے اپنے گھر کے اندر بیٹھ کر شراب پیے
اور ایک مسجد کا پیشنماز محراب میں بیٹھ کر پیے۔ تو دونوں میں فرق ہوگا!! وہ شراب پیے
گا تو آدمی نالائق کہا جائے گا۔ یہ آدمی اگر شراب پیے گا تو مسجد کی حرمت کا سوال
ہوگا۔ امام جماعت کے احترام کا سوال ہوگا۔ مذہب کے وقار کا سوال ہوگا۔ جو دیکھے گا
کہ مسلمانوں کے پیشنماز ایسے بھی ہوتے ہیں۔ اسلام کے راہنما ایسے بھی ہوتے ہیں۔
مسئلہ اسلام کی بدنامی کا ہے۔ اسی طرح اگر یزید ایک عام انسان ہوتا اور شرابی ہوتا
ایک عام انسان ہوتا اور بدکردار ہوتا۔ اپنے گھر میں بیٹھ کر شراب پیتا تو شاید اتنے
بڑے اقدام کی ضرورت نہ ہوتی مگر جب تخت خلافت اسلامی پر بیٹھ کر شراب پی جائے
گی تو اب یہ مسئلہ یزید کی شراب کا نہیں ہے اسلام اور شراب کا ہے۔ یعنی اب مسئلہ
یہ پیدا ہو گیا ہے کہ اسلام شراب کو برداشت کرتا ہے یا نہیں، اگر اسلام شراب کو
برداشت نہیں کرتا ہے تو حاکم اسلامی کیسے پی رہا ہے۔ یعنی یزید اپنے کردار سے اسلام کو
وہاں لے جانا چاہتا تھا۔ جہاں اسلام میں اتنی وسعت پیدا ہو جائے کہ شراب بھی شامل
ہو جائے۔ زنا بھی شامل ہو جائے۔ جوا بھی شامل ہو جائے۔ ناچ بھی شامل ہو جائے
گانا بھی شامل ہو جائے۔ اسلام ایسا بن جائے جس کے دامن میں سب کچھ رہے!!
امام حسینؑ کے قیام کا اہم مقصد یہ تھا کہ اسلام الگ رہے اور شراب الگ رہے۔

اسلام الگ رہے اور بدکاری الگ رہے۔ بدکاری کرنے والا بدکار ہوگا اسلام کا
ذمہ دار نہیں ہوگا۔ بس سارا معرکۂ کربلا دو لفظوں میں ہے۔ بدکاری کو اسلام سے جوڑ
دیا جائے یا بدکاری کے رشتہ کو اسلام سے توڑ دیا جائے!! یزیدیت کی کوشش یہ ہے
کہ بدکاری اسلام میں شامل ہو جائے تاکہ بدکاری کرکے انسان خلیفۃ المسلمین ہو جائے
امام حسینؑ کا سارا زور یہ ہے کہ بدکاری الگ ہو جائے۔ اسلام الگ ہو جائے۔ بس
اب مجھے ایک ہی سوال کرنا ہے کہ آج اسلام میں شراب ہے یا نہیں؟ اسلام میں بدکاری
ہے یا نہیں؟ اسلام میں عیاشی ہے یا نہیں؟ کوئی یہ کہنے والا نہیں ہے کہ اسلام میں
یہ کردار ہے۔ اب سب یہ جانتے ہیں کہ اسلام الگ ہے بدکرداری الگ ہے۔ تو جو ملا
چاہتا تھا وہ مٹ گیا اور جو الگ رکھنا چاہتا تھا اس کا کارنامہ آج بھی زندہ ہے۔ اب
شراب اسلام میں شامل نہ ہوگی۔ اب زنا اسلام میں شامل نہ ہوگا۔ اب بدکرداری
اسلام میں شامل نہ ہوگی۔ اور چونکہ یہ آواز اٹھانے والا اس دور میں سوائے حسینؑ
کے کوئی اور نہ تھا۔ اور باقی جتنے بڑے لوگ تھے سب بھاگ گئے تھے یا یزید کی بیعت
کر چکے تھے اور سب اس بات پر راضی ہو گئے تھے کہ دونوں مل جائیں تو کوئی حرج
نہیں ہے۔ لہٰذا اگر آج ہر مسلمان کو احساس ہے کہ اسلام میں شراب نہیں ہے تو
یہ کارنامہ کس کا ہے؟ یہ کارنامہ کسی ایسے انسان کا نہیں ہے کہ جو بیعت کے
لئے تیار ہو گیا۔ یہ کارنامہ تنہا اس انسان کا ہے جس نے سر کٹا دیا مگر دونوں کو
نہیں دیا۔ تو جب تک پاکیزہ اسلام زندہ رہے گا اسلام کی گردن پر حسینؑ کا احسان



قائم رہے گا۔ صلوات

(بس عزیزانِ محترم یہ چند لفظیں میں نے صرف ارتباطِ کلام کے لئے گذارش
کیں) میں تو امام حسینؑ کی معرفت سنتِ پیغمبرؐ کی روشنی میں گذارش کرنا چاہتا تھا۔
جو اہل نظر ہیں وہ جانتے ہیں بچوں کے لئے ایک جملہ میں وضاحت کر دی جائے کہ
سنت یا سیرت جسکو بھی کہتے ہیں اس کے تین حصے ہوتے ہیں۔!! ایک حصہ ہے اقوال
اور بیانات کا!! ایک حصہ ہے اعمال و کردار کا اور ایک حصہ ہے برمحل خاموشی کا۔
یعنی اگر آپ کسی کی سیرت کو پڑھنا چاہیں تو آپ کو یہ تینوں چیزیں دیکھنا پڑیں گی۔ اس
نے اپنی زندگی میں کیا کیا ہے؟ اور جو کچھ ہو رہا تھا اس کے مقابلہ میں اسکا ردِعمل کیا تھا
کبھی ایسا ہوتا ہے انسان باتوں میں بہترین باتیں کرتا ہے۔ عمل میں مقدس ترین عمل
انجام دیتا ہے مگر معاشرہ میں کچھ ہو رہا ہے اس کا خاموش تماشائی بنا رہتا ہے،
انسان صاحب کردار نہیں ہے اس کی سیرت اختیار کرنے کے لائق نہیں ہے اس
لئے کہ سیرت کا تیسرا پہلو بھی انتہائی اہم اور سنگین ہے۔ اقوال بھی اہمیت رکھتے ہیں
اعمال بھی اہمیت رکھتے ہیں اور اسکا بولنا یا خاموش رہنا بھی اہمیت رکھتا ہے۔
کہ وہ کیوں خاموش رہ گیا۔ یہ دنیا کے ہر انسان کا مسئلہ ہے۔ لیکن سرکارِ دو عالمؐ
کی سنت و سیرت کے بارے میں ان تینوں باتوں کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اسلامی
قانون میں یہ تینوں باتیں سند ہیں۔ پیغمبر پیغمبر ہے اور معصوم ہے۔ معصوم کوئی
غلط کام کر نہیں سکتا ہے!! اللہ نے "اطیعوا الرسول" کہہ کر پیغمبرؐ کی اطاعت کا حکم

خبردار میرے حسینؑ کو اپنے سے ہرگز نہ ملانا "حسین منی" حسینؑ کی ذات کو پہچانتے ہو تو حسینؑ میرا جزء ہے۔ یہ بتاؤ میرے بارے میں کیا خیال ہے؟ میں اگر کوئی مٹی کا بنا ہوا ایک پیکر ہوں تو حسینؑ میرا جزء ہے۔ اور اگر میں نور مجسم ہوں تو حسینؑ میرا جزء ہے اگر میں کوئی خطاکار ہوں تو حسینؑ میرا ٹکڑا ہے اور اگر میں کوئی معصوم ہوں تو حسینؑ میرا جزء ہے۔ اگر میں کوئی جاہل ہوں تو حسینؑ میرا ٹکڑا ہے اور اگر میں کائنات کا علم لیکے آیا تو حسینؑ میرا جزء ہے۔ ذات حسینؑ کا اپنے اوپر قیاس نہ کرنا نہ میں تم جیسا ہوں نہ حسینؑ تم جیسا ہے۔ صلوات

(عزیزان محترم میں یہ ساری باتیں تسلسل کلام کے لئے گذارش کر رہا ہوں ورنہ یہ باتیں وہ ہیں جو آپ برابر سنتے رہتے ہیں اور جو باتیں برابر آپ کے سامنے آتی رہتی ہیں۔ میں ان منزلوں میں نہ ٹھہرنا چاہتا ہوں اور نہ دوہرانا چاہتا ہوں! آپ سنے ہوئے ہیں علماء کرام، خطباء کرام یہ سب باتیں آپ کو سناتے ہی رہتے ہیں۔ میں اپنی منزل تک جانا چاہتا ہوں۔) تو اگر ذات کے اعتبار سے حسینؑ کو دیکھنا ہے تو حسینؑ کا رابطہ کسی سے نہیں "حسین منی" حسینؑ مجھ سے ہے۔ یہ میرا ٹکڑا ہے۔ یہ میرا جزء ہے (اور اسی لئے میں نے روز اوّل عرض کیا تھا) کہ یہ وہ شرف ہے جو پیغمبرؐ نے کسی کو نہیں دیا سوائے اہلبیتؑ کے۔ پورا عالم صحابیت آپ دیکھ ڈالیں۔ پورے عالم اسلام کا جائزہ لے لیں۔ شرف ملے گا۔ کرامت ملیگی۔ مگر یہ لہجہ کہیں نہیں ملے گا یہ لہجہ تنہا اہلبیتؑ کے بارے میں ہے کہ "علیؑ مجھ سے ہے" "حسنؑ مجھ سے" "فاطمہؑ میرا ٹکڑا"



حسین مجھ سے۔ یہ بات تنہا اہلبیتؑ کے لئے ہے یہ کسی کے واسطے نہیں ہے۔ یہ تو مسئلہ ہے ذات حسینؑ کا!! اب آیئے اس دنیا میں حسینؑ کی حیثیت کیا ہے (وہ بات میری نذر دلے گا کہ جو بھی شرف امام حسینؑ کا پیغمبر اسلام نے بیان کیا ہے وہ بہر حال چھ یا سات برس کے اندر ہی کی بات ہے) اسمیں نہ جوانی شامل ہے نہ ضعیفی شامل ہے۔ جب دونوں شہزادے پیغمبرؐ کے سامنے آئے تو پیغمبرؐ نے سارے مجمع صحابیت کو سنا کے فرمایا هٰذَانِ ابْنَایَ اِمَامَانِ یہ میرے دونوں فرزند امام ہیں "قاما او قعدا" کھڑے ہو جائیں تو امام اور بیٹھ جائیں تو امام۔ کس کے بارے میں فرما رہے ہیں؟ چھ برس کے بچہ کے بارے میں یا پانچ برس کے بچہ کے بارے میں۔ جب فرمایا ہوگا آخر وقت میں فرمایا ہوگا تو چھ یا سات کے بیچ میں اور اگر ایک سال پہلے فرمایا ہے تو عمر اور کم کر دیجئے اس کمسنی میں پیغمبرؐ فرما رہے ہیں کہ یہ میرے دونوں فرزند امام ہیں (نہیں ابھی آپ کو میری بات کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوگا) میں ایک لفظ سے وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ تو شاید بہت سے حضرات کے لئے گفتگو کا کوئی نیا رُخ ہو۔ چاہتا ہوں وہ آپ کے ذہن میں رہ جائے اور وہ یہ ہے کہ خدائی منصب دار دو طرح کے ہوتے ہیں!! ایک منصب دار وہ ہے جس کو پروردگار نے عہدہ اور منصب تو دے دیا لیکن اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی اور ذمہ داری بعد میں اس کے حوالے کی جائے گی۔ یہ بات جو آپ برابر سنا کرتے ہیں کہ بہت سے انبیاء تھے جو اپنے نفس کے لئے نبی تھے!! یہ نفس کے لئے نبی کیا ہوتا ہے؟ یعنی خدا نے انھیں نبوت دیدی ہے لیکن

ابھی کوئی کام نہیں دیا ہے۔ کام لینے کا وقت بعد میں آئے گا اور اس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ ابھی انسان نے دنیا قدم نہیں رکھا ہے اور خدا نے فرمایا کہ "اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" میں زمین میں خلیفہ بنا رہا ہوں۔ کس کے لئے بنا رہا ہے؟ کوئی یہاں ہے؟ یہ کسکو ہدایت دینے جا رہے ہیں؟ کس کی راہنمائی کے لئے جا رہے ہیں؟ خدا نے کہا کہ کام بعد میں طے ہوگا منصب کا اعلان پہلے ہوگیا ہے۔ تو پروردگار نے روز اول صاحب منصب کے منصب کا اعلان کر دیا۔ ذمہ داری وہ کب ادا کریگا اور اسے کب ذمہ دار بنایا جائے گا یہ بعد کا مسئلہ ہے۔ لیکن اس کے برخلاف جب خدا کسی کو امام بناتا ہے تو ظاہر ہے کہ امامت میں ایسا نہیں ہے کہ ... کہ آدمی آگیا اور ذمہ داری کچھ نہیں ہے۔ امامت اور خلافت میں بنیادی فرق یہی ہے کہ خلیفہ جو کسی کی جگہ پر آیا وہی خلیفہ۔ نبی کی جگہ پر آیا خلیفہ۔ خدا نے اپنا جانشین بنا دیا۔ خلیفہ اس کے سامنے کوئی ہو یا نہ ہو۔ مگر امام یعنی قائد۔ امام یعنی لیڈر۔ قوم کو لے کے چلنے والا لہذا جب تک کوئی جماعت میں پیچھے آکے نہ کھڑا ہو اسے امام جماعت بھی نہیں کہا جاسکتا ہے۔!! ایک صاحب آئے اور آکے مسجد میں نماز پڑھنے لگے پڑھے لکھے آدمی ہیں، عادل ہیں، عالم ہیں۔ نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ ہم مسجد میں آئے ہم نے دیکھا کہ یہ نماز پڑھ رہے ہیں اکیلے۔ ہم نے کہا بہترین موقع ہے جماعت کا ثواب لے لیں۔ اللہ اکبر کہہ کر شامل ہوگئے۔ یہ وہی صاحب ہیں دو رکعت پڑھ چکے ہیں۔ تیسری رکعت میں آکے ہم شامل ہوگئے۔ مگر فرق یہ ہوگیا کہ دو رکعت تک ان کا امام



امام نہیں تھا اور جیسے ہی میں جماعت میں شامل ہوگیا میرا امام ہوگیا ماموم اور ان کا امام ہوگیا امام۔ تو اس کے معنی ہیں کہ کوئی کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو۔ جب تک کسی کو لے کے نہیں چلتا ہے جبتک کوئی اس کے پیچھے نہیں چلتا ہے اسے امام نہیں کہا جاتا ہے!! یہی وجہ ہے کہ ابراہیمؑ نبی تھے۔ ابراہیمؑ رسول تھے۔ ابراہیمؑ خلیل اللہ تھے۔ مگر ایک دن آیا جب خدا نے کہا "اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" اے ابراہیمؑ اب تمہاری ذمہ داریوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہم تم کو امام بنا رہے ہیں۔ اب تمہیں قوم کو لے کے چلنا ہوگا۔ ادھر سے عہدہ لینا آسان ہے ادھر کی ملت کو لے کے جانا مشکل ہے کاش پیغمبرؐ نے یہی کہہ دیا ہوتا کہ یہ میرے دونوں بچے عالم ہیں تو ان کے ذاتی کمال کا اعلان ہوتا یہ دونوں بچے بہت قابل ہیں۔ یہ ان کے ذاتی کمال کا اعلان ہوتا۔ یہ معصوم ہیں یہ ان کے کمال کا اعلان ہوتا۔ لیکن پیغمبرؐ نے کہا یہ دونوں امام ہیں یعنی جتنے بچے، جوان، بوڑھے ہیں اگر سب مل کر قافلہ بنا کر چلیں تو بھی یہ دونوں بچے آگے ہی آگے چلیں گے۔ کتنا فرق ہے اس بڑھاپے میں جسے پیچھے چلایا جائے اور اس بچپنے میں جو آگے قوم کو لے کے چلے۔ صلوات (نعرہ حیدری)

عزیزان محترم یہ مسئلہ امامت وقیامت کا بڑا سنگین ہے واقعاً بڑا سنگین مسئلہ ہے۔ قوم کو لے کے چلنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔!! میں نے بھی دو چار کتابیں پڑھی ہیں تھوڑا بہت میں بھی جانتا ہوں لیکن آپ مجھ سے کہیں لیڈری کرنے کے واسطے تو یہ میرے بس کا کام ہی نہیں ہے۔ میں آپ کے سامنے حقائق مذہب پیش کرسکتا ہوں

اپنے بچوں کو نصیحت کر سکتا ہوں۔ اپنی بیٹیوں کو سمجھا سکتا ہوں۔ کتاب لکھ سکتا ہوں
تقریر کر سکتا ہوں۔ لیکن قوم کو لیکر قیادت کرنا اور لیڈری کرنا۔ یہ بڑا مشکل کام
ہے۔ انکو سنبھالنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے۔ یہ بڑا
نازک کام ہے سنگین کام ہے۔ خدا غریق رحمت کرے خطیب اعظم مولانا سید محمد دہلوی
کو جس زمانے میں وہ قائد ملت بنے تھے تو انھوں نے ایک فقرہ کہا تھا کہ میں دہلی کا رہنے
والا ہوں۔ میں نے وہاں کے بازار کے حالات دیکھے ہیں تو جب اپنی صورت حال دیکھتا
ہوں تو مجھے پرانا دہلی یاد آتا ہے ———— کہ دہلی کے بازار میں اور ہر جگہ
بازار میں یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے دوکان دار ہوتے ہیں جو ترازو اپنا رکھے ہوئے ہیں
اور جو مختلف لوگ سامان لاتے ہیں بیچنے کے واسطے تو ہر آدمی ترازو لے کے نہیں آتا
ہے اور ہر خریدار کے پاس بھی ترازو نہیں ہوتا ہے تو وہ جو سامان خریدنا چاہتا ہے تو
جہاں ترازو لگا ہوتا ہے وہاں لے جاتا ہے اور اس کو تول دیتا ہے۔ اس تولنے کے لئے پیسہ
لے لیتا ہے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک آدمی تھا اس کا یہی کاروبار تھا
وہ ہر ایک من تولنے کے واسطے مثلاً دو آنہ پیسہ لیا کرتا تھا۔ ایک آدمی نے دیکھا کہ کافی
اسمیں آمدنی ہے۔ صبح سے شام تک ترازو لگا ہوا ہے۔ لوگ اپنا سامان خود ہی لیکر
خود ہی اٹھاتے ہیں۔ اور دو آنہ پیسہ اسکو مل جاتا ہے آمدنی اچھی خاصی ہے لہذا اس
نے برابر میں لا کے ایک ترازو اور نصب کر دیا اور اعلان کر دیا کہ میں ایک من کا ایک
ہی آنہ لوں گا۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ کام وہی ہے۔ ترازو وہی ہے اور آدھے



پیسے میں کام ہو رہا ہے تو سارا مجمع ٹوٹ کے ادھر چلا گیا۔ جو برسوں سے کما رہا تھا
اس بیچارہ کی دوکان تقریباً ٹوٹنے کے قریب آگئی اور سارا مجمع ٹوٹ کے ادھر
چلا گیا۔ اس نے اپنے کسی پرانے دوست سے کہا کہ بھائی یہ تو غضب ہو گیا۔ اب اگر
ہم چاہیں کہ دام بھی کم کر دیں تو جو مجمع ٹوٹ کے گیا ہے وہ پلٹ کے نہیں آئے گا اور کہیگا
کہ تم بے ایمان ہو۔ اگر یہ کام ایک آنے میں ہو سکتا تھا تو تم نے دو آنے پہلے کیوں لئے
تھے سب پرانا حساب کر کے واپس کرو۔ اب قوم کو اعتبار نہیں پیدا ہوگا۔ کوئی ترکیب
بتائیے کہ مجمع کیسے پلٹ کر آئے!! وہ بھی پرانا تجربہ کار تھا۔ اس نے کہا کہ ایک آسان
ترکیب میں بتائے دیتا ہوں۔ آپ ایک دن اسے آزمالیں انشاءاللہ سارا مجمع پلٹ
آجائے گا!! کہا بتائیے ترکیب کیا ہے؟ اس نے ایک آدمی کو پیسہ دیا اور وہ گاؤں
میں گیا۔ تالاب کے پاس۔ بچوں سے کہا کہ جو مینڈک پکڑ کے لائے گا اسے ایک مینڈک
پر مثلاً ایک پیسہ انعام دیا جائے گا۔ اب سارے بچے تالاب میں کود پڑے اور جس کے
جتنا امکان میں تھا پکڑ کر لے آیا۔ اور سارے مینڈک اس نے ایک ایک پیسہ دے کر
خرید لئے۔ سب کو ایک ظرف کے اندر رکھا اور اوپر سے کپڑے سے بند کر دیا۔ اب یہ نہیں
معلوم کہ اس کے اندر کیا ہے؟ آم ہے۔ سیب ہے۔ سنترہ ہے۔ گندم ہے جو ہے کیا ہے
اور صبح سب سے پہلے ایک آدمی کو بھیج دیا۔ اس نے ایک آنے والی دوکان والے سے
کہا کہ میرا سامان تول دیجئے۔ لیکن پہلے میرا کام کر دیجئے۔ میں ایک آنے کے بجائے دو
آنے دیدوں گا۔ لیکن پہلے ہمارا کام ہو جائے!! اس نے کہا ٹھیک ہے آپ لائیں ہیں

پہلے ہیں آپ کا کام پہلے ہوگا۔ کہا نہیں میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے پہلے کوئی نہ ہو اسکے
کہا ہمیں زیادہ پیسہ نہیں چاہیئے ایک ہی آنے میں تول دیں گے پریشانی کی بات کیا
ہے۔ کہا ایک خواہش اور ہے کہ آپ ہمارا مال تولیں بغیر اس برتن کے جسمیں ہے! اس بچارے
کو کیا معلوم تھا۔ اس نے کہا کوئی بات نہیں ہے انڈیل دیجئے ترازو کے پلے پر۔ ہم بغیر برتن کے
تول دینگے۔ اب جو اس نے کپڑے کو اٹھایا اور ترازو کے پلے پر سارا سامان انڈیل دیا۔ اور
غریب نے ترازو اٹھانا چاہا تو دو کود کر ادھر گئے، چار کود کر ادھر گئے۔ مینڈک میں انکا
ایک جگہ بیٹھنا مزاج ہی نہیں ہے۔ غریب انکو پکڑنے کے لئے گیا جب انھیں پکڑ لایا تو ۱۶ ادھر
کود گئے اب پیچھے جو بیچارے لائن لگائے کھڑے تھے کہ پہلا آدمی ہٹے تو ہمارا نمبر آئے۔ پانچ
منٹ انتظار کیا۔ دس منٹ انتظار کیا پندرہ منٹ انتظار کیا۔ آدھا گھنٹہ انتظار کیا۔ آخر
جب زیادہ دیر ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ بھائی وہ دو آنے والا ہی ٹھیک ہے۔ کم سے کم بروقت
کام تو ہو جاتا ہے۔ یہاں تو دن بھر کھڑے رہیں گے نمبر نہ آئے گا۔ مرحوم فرمایا کرتے تھے جو میں
وہاں دیکھا تھا دوکان کے اوپر۔ جب قیادت کا شرف حاصل ہوا تو اب یہاں دیکھ رہا ہوں
ملک کے اندر جب قوم کو اکٹھا کرنا چاہا۔ چار ادھر چلے گئے۔ دو ادھر چلے گئے۔ ان کی خوشامد
کر کے لے آئے تو وہ ناراض ہو گئے۔ انھیں منا کے لائے تو یہ چلے گئے۔ اب اندازہ ہوا کہ عالم بننا
آسان ہے قیادت کرنا مشکل ہے۔ صلوات

یہ تو چند افراد کا مسئلہ تھا یہاں مسئلہ چند افراد کا نہیں ہے اور نہ یہ کوئی دنیاوی
لیڈری ہے۔ یہ امامت ہے امامت!! اب پیغمبرؐ اسلام اپنے کمسن شہزادے کے



ہیں فرمایا ہے ہیں کہ یہ دونوں میرے شہزادے امام ہیں۔ حضورؐ ان کے پیچھے کونسی قوم چلے
گی۔ آپ کو تو قوم کا تجربہ ہے۔ یہ تو ابھی بچے ہیں۔ ابھی آپ بھی انکو گود میں لے کر چلتے ہیں
ابھی تو آپ بھی انھیں کاندھے پر بٹھا کے چلتے ہیں۔ ابھی کیوں فرما رہے ہیں کہ یہ امام ہیں؟
جب رہیں گے خدا رکھے۔ ترقی کریں گے تو امام ہو جائیں گے۔ پیغمبرؐ نے کہا نہیں۔ اگر یہ
تیرے سامنے آئیں گے تو گود میں رہیں گے کاندھے پر بٹھانے کے لائق ہوں گے۔ انگلی پکڑ کے
چلانے کے لائق ہوں گے۔ لیکن جب تمھارے سامنے آئیں گے تو امامت کے لائق ہوں گے۔
کوئی تصور نہیں کر سکتا ہے ان انسانوں کی شرافت وجلالت کا جو اس کمسنی میں اس بات کی
اہلیت رکھتے ہوں کہ ساری امت کی قیادت وامامت کا کام انجام دے سکیں۔ صلوات

(میں جہاں تک جانا چاہتا تھا وہ منزل اس کے بعد ہے شاید چند لمحہ میں اس
کی وضاحت کرسکوں) تو دنیا کے اعتبار سے یہ امام ہیں۔ اب آخرت میں انکا شرف کیا
ہے! اَلحَسَنُ وَالحُسَینُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهلِ الجَنَّة "حسنؑ وحسینؑ جوانانِ جنت
کے سردار ہیں۔ حدیث مبارک برابر آپ سنتے رہتے ہیں۔ مگر عزیزو اس کے معنی پر غور
کریں کہ حضورؐ نے آخرت میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے اس شرف کا اعلان کیا ہے۔ کہ
حسنؑ وحسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ کسی بھی آدمی کی سرداری اور حکومت کا
اعلان اسی وقت ہوتا ہے جب پہلے اس کی حکومت معلوم ہو جائے ورنہ ظاہر ہے کہ
آدمی اپنے گھر کے اندر تو حاکم ہوتا ہی ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو فرعون ہوتا ہے کہ باہر تو
کوئی ماننے والا ہے نہیں۔ گھر پر چار بچے ہیں وہیں ربِ اعلیٰ ہونے کا اعلان کر دیا جائے

انسان اندر سے ایسی حکومت کا جذبہ رکھتا ہے جہاں اس کا بس چل جائے دو آدمیوں
پر چار آدمیوں پر۔ ہر جگہ اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا ہے لیکن جو دو چار بچوں کا حاکم
ہو وہ اور ہوتا ہے اور جو ایک محلہ کا حاکم ہو جائے وہ اور ہوتا ہے۔ محلہ کا حاکم اور ہوتا
ہے اور شہر کا حاکم اور ہوتا ہے۔ شہر کا حاکم اور ہے۔ اور صوبے کا حاکم اور ہے۔
صوبہ کا حاکم اور ہے۔ اور ملک کا حاکم اور ہے تو جیسے جیسے اقتدار کی حدیں وسیع تر
ہوتی جائیں گی ویسے ویسے حاکم کا مرتبہ بلند تر ہوتا جائے گا۔ لہٰذا جہاں پیغمبر نے
حسینؑ کو سردار بنایا ہے میں چاہتا ہوں دو لفظوں میں آپ اسے پہچانیں کہ وہ علاقہ
کیا ہے؟ کوئی محلہ ہے، کوئی شہر ہے، کوئی صوبہ ہے۔ کوئی ملک ہے۔ کوئی خطہ ہے
یا کیا ہے؟ کہ جہاں کا سردار حسنؑ و حسینؑ کو بنایا گیا ہے۔ قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں
سب نہیں دو تین آیتیں جن سے آپ پہچان لیں گے کہ جہاں کا سردار بنایا گیا ہے
ہے وہ جگہ کونسی ہے۔!! قرآن مجید نے اس ملکِ جنت کا اعلان کیا تو پہلا اعلان
کیا "تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا" ہم اس جنت کا وارث
اپنے بندوں میں انھیں کو قرار دیتے ہیں جو متقی اور پرہیزگار ہوتے ہیں۔ یعنی اگر
کوئی آدمی متقی نہیں ہے۔ پرہیزگار نہیں ہے۔ صاحب ایمان نہیں ہے۔ اس کے
دل میں خوف خدا نہیں ہے۔ اسکا کردار پاکیزہ نہیں ہے تو وہ جنت میں قدم رکھنے
کے قابل نہیں ہے۔ جنت کی وراثت کی بنیادی شرط ہے ایمان اور تقویٰ جن کے
بغیر کوئی جنت میں قدم نہیں رکھ سکتا ہے سرداری کا کیا سوال ہے۔ اب



اعلان سنئے۔ "یا آدم اسکن"..... آدم تم اور تمھاری زوجہ دونوں جنت میں ساکن
ہو جاؤ۔ اس لئے کہ تم متقی تمھاری زوجہ پرہیزگار۔ اور ہم نے جنت بنائی ہے تقویٰ
والوں کے لئے۔ لہٰذا آدم تمھاری جگہ جنت ہے حوا کی جگہ جنت میں ہے اگرچہ تفاسیر
کے اعتبار سے یہ وہ جنت نہیں تھی جہاں کی آرزو میں ہم آپ ہیں۔ وہ جنتِ دنیا اور
جنت ارضی تھی۔ مگر وہاں بھی پروردگار عالم نے آدم و حوا کو رکھا تو اس پابندی کے
ساتھ "لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ" خبردار اس درخت کے قریب نہ جانا اور جیسے ہی
درخت کے میوے یا پھل کھائے ویسے ہی پروردگار نے کہا کہ اب چلو دنیا میں۔ دوبارہ
ریاضت کرکے محنت کرکے۔ پھر پلٹ کے آنا ہوگا۔ تو یہ جنت دنیا تھی جہاں مالک نے
آدم و حوا کو رکھا اور وہاں بھی اگر ترکِ اولیٰ ہو گیا تو کہا کہ باہر چلو۔ اب آپنے پہچانا کہ جنت
جگہ ہے متقی اور پرہیزگار لوگوں کی۔ جو جنت دنیا ہے اگر وہاں بھی ترکِ اولیٰ ہو جائے
تو ساکن جنت کو باہر آنا ہوتا ہے تو جو جنت حقیقی ہے جو جنت جزا ہے اسکا مرتبہ کتنا بلند
ہوگا!! یہی وجہ ہے کہ جب آدم نے ترک اولیٰ کا مسئلہ طے کر لیا تو اس جنت میں گئے جو
تقویٰ والوں کی منزل ہے۔ جہاں ترک اولیٰ کا علاج نہ ہو جائے تو کسی کو ساکن بھی
نہیں بنایا جاتا۔ تو جب آدم جیسا خلیفۃ اللہ بھی جنت کا ساکن بنے گا جب دامن کردار پر
ترک اولیٰ کا دھبہ بھی نہ رہ جائے۔ تو سردار کا مرتبہ کیا ہوگا؟ اور آگے بڑھے خلیل خدا
مالک کی بارگاہ میں دعا کر رہے ہیں پروردگار "وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ"
پروردگار مجھے جنت کے وارثوں میں سے قرار دے۔ میں پوری جنت پر قبضہ نہیں

چاہتا ہوں۔ میں پوری جنت کا اختیار نہیں چاہتا ہوں۔ مجھے جنت کے وارثوں میں سے بناوے۔ یعنی جنت اتنا عظیم ملک ہے کہ جہاں خلیل اللہ بھی وراثت کی دعا کر رہے ہیں۔!! اب وہ جنت جو تقویٰ والوں کی جگہ ہے، جو ترک اولیٰ کو برداشت نہ کر سکے، جس کے آدمؑ ساکن کہے جائیں، جس کے لئے ابراہیمؑ دعا کرنے ہوں تو سوچئے کہ جو متقین کا ملک ہو، جو صالحین کا ملک ہو، جو نیک کرداروں کا ملک ہو۔ جو انبیاء کا ملک ہو، جو مرسلین کا ملک ہو، جہاں کے سب باشندے ہوں وہاں کے حسنؑ وحسینؑ سردار ہیں۔ وہاں پیغمبرؐ نے اپنے شہزادوں کو سردار بنایا ہے تو اب مجھے کہنا پڑے گا کہ پیغمبرؐ ہی کے ارشاد کی روشنی ہیں۔ یہ وہ عظمت ہے کہ جس کے مقابلہ میں امتیوں کا کیا ذکر انبیاء و مرسلین نہیں آسکتے ہیں اس لئے کہ سب جنت کے رہنے والے ہیں اور یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں۔ شاید پیغمبرؐ نے اسی لئے کہا تھا کہ کسی کو خیال نہ پیدا ہو جائے کہ پیغمبرؐ نے حساب لگائے بغیر اعلان کر دیا ہے اور یہ نہیں سوچا کہ وہاں آدمؑ ہوں گے۔ ابراہیمؑ ہوں گے۔ نوحؑ و موسیٰؑ ہوں گے۔ فرمادیا کہ مجھے نہ سمجھاؤ مجھے پورا حساب معلوم ہے میں نے سب کو دیکھ کے کہا ہے کہ یہ سردار ہیں اگر حساب مکمل نہ ہوتا تو کبھی کہتا ان کے باپ ان سے افضل ہیں۔ صلوات (نعرۂ حیدری)

ابوھما افضل منھما یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سارا نقشہ سرکارِ دو عالم کے سامنے ہے تو حسنینؑ ذات کے اعتبار سے جزوِ پیغمبرؐ۔ دنیا کے اعتبار سے قیادت کے ذمہ دار۔ آخرت کے اعتبار سے سردار جوانان جنت۔ اس سے زیادہ انسان کی



عظمت ہو کیا سکتی ہے۔!! اس سے بلند تر اور کونسا مرتبہ ہو سکتا ہے جس کے لئے سرکارِ دو عالم ارشاد فرماتے۔ حضورؐ نے ان عظمتوں کا اعلان کیا ہے جہاں تک انسان کا تصور بھی نہیں جا سکتا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ یہ فقط امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی عظمت کا اعلان نہیں ہے یہ پیغمبرؐ کی امت پر صد درجہ مہربانی ہے جو انھوں نے یہ اعلان فرمادیا ہے کہ دنیا کا جغرافیہ تو ہم جانتے ہیں کہ جب کسی حکومت میں کوئی الکشن ہوتا ہے اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کون جیتنے والا ہے تو ادھر چلے جاتے ہیں مگر وہاں کا نقشہ کیا جائیں کہ وہاں اختیار کس کے ہاتھ میں ہوگا۔ وہاں کس سے رشتہ رکھیں اور کس سے رشتہ توڑیں۔ حضورؐ نے فرمایا! میں رحمۃ للعالمین ہوں۔ میری امت والو میں تمھیں اندھیرے میں نہ رکھوں گا۔ میں تمھیں مایوس نہ ہونے دوں گا۔ میں تمھیں پریشان نہ ہونے دونگا۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤ تو مطمئن ہو کے جاؤ!! سرکار ہم کیسے مطمئن ہو کے جائیں؛ فرمایا اندھیرے میں سفر تو نہیں کر رہے ہو۔ اندھیرے میں تو نہیں جا رہے ہو۔ مسئلہ بالکل واضح ہے حسنؑ وحسینؑ وہاں کے سردار ہیں۔ اب تم طے کرو جانا کہاں ہے۔ اگر جنت میں جانے کا ارادہ ہے تو ہمیں سے سرداروں سے وابستہ ہو جاؤ اندھیری قبر میں سفر نہ کرو روشنی میں سفر کرو۔ ورنہ کسی اور کا دامن پکڑ لیا اور کہیں اور چلے گئے تو میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ تو حضورؐ نے اعلان کیا کہ یہ سردار ہیں اور امامؑ نے اعلان کیا کہ ہمارے چاہنے والے جنت میں ہمارے ساتھ ہمارے درجہ میں ہوں گے۔ صلوات

یعنی جو ہم سے وابستہ ہوگیا اس کی منزل طے ہوگئی۔ تو عزیزو! حسینؑ جوانانِ جنت

کے سردار ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ کسی ملک کے باشندے کا حال الگ ہوتا ہے۔
اور حاکم کا حال الگ ہوتا ہے۔ باشندوں کو وہ اختیارات نہیں ہوتے ہیں جو اختیارات
کسی حاکم کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ حسینؑ جنت کے باشندہ نہیں جنت کے صاحب اقتدار
ہیں۔ جنت کے حاکم ہیں لہٰذا انھیں یہ حق ہے کہ جب چاہیں نگاہوں سے پردہ ہٹادیں اور
بتائیں کہ زہیرؓ یہ تمھاری جگہ ہے۔ حبیبؓ یہ تمھاری جگہ ہے، مسلمؓ یہ تمھاری جگہ ہے۔
عاشور کی رات آئی چاہنے والے اپنی وفا کا اعلان کر رہے تھے تو فرزند رسولؐ الثقلین
اپنے چاہنے والوں کے سامنے سے حجابات ہٹا رہے تھے۔ اے میرے چاہنے والو یہ جنت
تمھارے لئے بیقرار ہے۔ دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے مقامات دیکھ لو۔ یہ حبیبؓ کی جگہ ہے۔
یہ مسلمؓ کی منزل ہے۔ یہ بُربرؓ کی جگہ ہے۔ یہ زہیرؓ کی جگہ ہے۔ یہ کون کرسکتا ہے سوائے
اس کے جو سردار جوانان جنت ہے۔ لہٰذا امامؑ نے شب عاشور چاہنے والوں کو ان کی
منزلوں سے آشنا بنا دیا۔ دیکھ لو یہ تمھارے مقامات ہیں۔ یہ تمھاری منزلیں ہیں کل
جہاں تمھیں جانا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی کو یہ
نہ ہو کہ اصحاب حسینؑ میں یہ بیقراری کیوں تھی کہ پہلے ہم چلے جائیں کیا انھیں اپنی
پیاری نہیں تھی۔ کیا وہ قدر حیات نہیں جانتے تھے۔ کیا وہ زندگی کی قیمت سے آگاہ
نہیں تھے؛ نہیں بات یہ ہے کہ منزل نگاہ کے سامنے تھی۔ اب اتنی ہی تو دیر تھی کہ
سر و تن میں جدائی ہو جائے اور راہی واقعی منزل تک پہونچ جائیں۔ لہٰذا ہر ایک کو
اشتیاق تھا اس منزل تک جانے کا۔ فقط اتنا ہی خیال تھا کہ کب مولا پر قربان



اور ایسے وقت میں قربان ہو جائیں کہ کوئی دوسرا قربان نہ ہونے پائے۔ پہلے یہ شرف
ہمیں حاصل ہو جائے۔ تو ایک طرف عاشور کی رات۔ فرزند رسولؐ چاہنے والوں
کو اصحاب و انصار کو جنت کے مقامات کا مشاہدہ کرا رہے تھے اور دوسری طرف
زہیر بن قین علمدار کے سامنے آئے۔ عباسؑ! آپ سے کچھ کہنا ہے۔ فرمایا زہیر کیا کہنا
چاہتے ہو؟ کہا ذرا میرے ساتھ آپ چلیں۔ الگ چلیں تو میں آپ سے گذارش کروں
کہ مجھے کیا کہنا ہے۔ علمدار کربلا زہیر کے ساتھ چلے۔ مجمع سے الگ ہوئے۔ تو زہیر نے
کہا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بابا نے عقیل سے کہا تھا کہ بھیا کسی بہادر خاندان کی
خاتون کا پتہ بتاؤ جس سے عقد کروں تو ایسے بہادر فرزند پیدا ہوں جو میرے حسینؑ
پر قربان ہو جائیں۔ اے عباسؑ جس دن کے لئے آپ کے بابا نے آپ کو فراہم کیا
تھا وہ دن آگیا ہے۔!! روایت کہتی ہے کہ بس یہ سننا تھا کہ ایک مرتبہ شیر نے
انگڑائی لی فرمایا: ذھیر اتشجعنی فی مثل ھذا الیوم۔ آج تم مجھے شجاعت کا
جوش دلا رہے ہو۔ بس یہ رات درمیان میں ہے۔ یہ رات گذر جائے۔ وقت جہاد
آجائے تو دیکھنا حیدر کرار کا شیر کیسے لڑتا ہے۔ ہائے کیا آرزو تھی جہاد کی۔ جیسا
کہ جہاد تھی قلب علمدار میں۔ سب کی آرزو کسی نہ کسی شکل میں پوری ہو گئی۔ مگر
عباسؑ علمدار کی دو تمنائیں تھیں اور کوئی تمنا بظاہر پوری نہ ہو سکی!! ایک آرزو بظاہر
تھی کہ یوں میدان میں تلوار چلے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ شاہِ لافتیٰ کا بیٹا جہاد
کر رہا ہے۔ تو مولا نے کہا بھتیجا جنگ نہیں!! اور ایک آرزو یہ تھی کہ اگر تلوار کے بجائے

آقا نے مشکیزہ دے دیا تو پانی ہی بچوں تک پہونچ جائے اجرکم علی اللہ خدا
آپ کو کسی غم میں نہ رلائے سوائے غم آل محمدؐ کے۔ عجیب شخصیت ہے کربلا میں عباسؑ
علمدار کی۔ عجیب عظمت ہے علمدار کربلا کی۔ یہی کیا کم ہے عظمت عباسؑ کے لئے کہ حسینؑ
نے اپنے لشکر کا سردار و علمدار بنایا ہے جس کے بارے میں خود یہ اعلان فرمایا کہ خدا
کی قسم میرے علم میں کسی کے اصحاب ایسے نہیں ہیں جیسے میرے اصحاب ہیں۔ ایسا
بے مثل ولاجواب لشکر اور اسکا علمدار حسینؑ نے عباسؑ کو بنا دیا۔ یہ ایک عظمت ہے
علمدار کربلا کی۔ اور اس کے بعد حسینؑ کو اپنے شیر پر کتنا اعتماد و اعتبار تھا کہ جب نو محرم
کی شام کو۔ ابن سعد نے فوجوں کو حکم دیدیا کہ خیام حسینی پر حملہ کر دیا جائے تو امام حسینؑ
نے اپنے چاہنے والوں کو دفاع کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ پہلے اپنے علمدار سے کہا۔ بھیا عباسؑ
[illegible] رہے ہو ابن سعد نے حملے کا حکم دیدیا ہے۔ جاؤ اتمام حجت کرو۔ ابن سعد کو سمجھاؤ [illegible]
کا فقرہ ہے کہ آپ نے فرمایا اے عباسؑ اِرکب۔ گھوڑے پر سوار ہو کر جاؤ بنفسی [illegible]
اے علمدار تجھ پر میری جان قربان۔ اللہ مولا نے یہ وہ فقرہ ارشاد فرمادیا جس کی وجہ
سے عباسؑ تڑپ گئے کہ آقا غلام کے بارے میں یہ فرما رہے ہیں۔ خدایا وہ وقت کب
آئیگا جب میں اپنے مولا پر قربان ہو جاؤں۔ ایک رات کی مہلت، ایک رات کا [illegible]
عبادت الٰہی کے لئے۔ امام حسینؑ کی ذمہ داریاں اور عباسؑ علمدار کی خدمات!! عاشور
کی رات اس شان سے گذر رہی ہے کہ ایک طرف عبادتیں ہیں۔ تلاوتیں ہیں [illegible]
ہیں۔ اللہ کے نیک بندے زندگی کے آخری اعمال انجام دے رہے ہیں اور دوسرا



طرف امام حسینؑ کبھی مصلے پر۔ کبھی خیمہ میں۔ کبھی اصحاب و انصار کے درمیان۔ کبھی
سیدانیوں اور بیبیوں کے درمیان۔ بار بار ایک خیمہ سے دوسرے خیمہ میں۔ اور علمدار
سائے کی طرح مولا کے ساتھ۔ ایک لمحہ کے لئے عباسؑ آقا سے جدا نہیں ہو سکتے ہیں چلتے
چلتے ایک مرتبہ حسینؑ اپنی چھوٹی بہن کے خیمہ میں آئے تو عجب منظر دیکھا کہ شہزادی ام کلثوم
خیمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھی ہوئی زار و قطار رو رہی ہیں۔ حسینؑ نے یہ منظر دیکھا بے قرار
ہو گئے۔ عباسؑ آگے بڑھے۔ بی بی یہ رونے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا عباسؑ۔ کیا کہوں۔
[illegible] میرا مقدر کیسا ہے۔ اب تو مجھے معلوم ہو گیا کہ کل قربانی کا دن ہے۔ بہن عون و
محمد کو تیار کر رہی ہیں کل اپنے ماں جائے پر قربان کر دیں گی۔ اور بھابھی قاسم کو آمادہ کر رہی
ہیں۔ کل آقا پر قربان کر دیں گی۔ لیلیٰ اکبر کو سجا رہی ہیں کل مولا پر علی اکبرؑ کو قربان
کر دیں گی۔ ہائے میرا مقدر کہ میرے پاس تو کوئی فدیہ بھی نہیں ہے جو اپنے بھائی پر قربان
کر سکوں۔ یہ سننا تھا علمدار نے ہاتھ جوڑے شہزادی! اب آنسو روک لیجئے۔ یہ غلام
[illegible] ہے۔ کل قربانی کا دن آجائے تو عباسؑ کو آقا پر قربان کر دیجئے گا۔ اجرکم علی اللہ۔
اے عزیزو آپ متوجہ ہیں۔ انشاءاللہ بہت مثاب ہوں گے۔ اب یہ وہ تاریخیں آگئی ہیں
عباسؑ کو صبح سے مسلسل یہ خیال بے قرار کئے ہوئے ہے کہ آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے
[illegible] فرات پر پہرے تو تیسری تاریخ کو بٹھا دیئے گئے تھے۔ حسینؑ کے خیمے میں پانی کا
[illegible] تو بہت پہلے ہو گیا تھا۔ مگر ساتویں محرم آئی تو اب قحط آب اس منزل پر آگیا کہ درمیان
[illegible] ایک مشکیزہ ہے اور اس کے گرد بچے۔ العطش العطش۔ ہائے پیاس۔ ہائے پیاس

علمدار جو مڑ کے بچوں کو دیکھتے ہیں تو دل بیقرار ہو جاتا ہے۔ ہائے میں بچوں کے لئے پانی کا انتظام کیسے کروں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور اپنی پیاس کا شکوہ کسی سے نہیں کرتے ہیں۔ جب عباسؑ سامنے آجاتے ہیں تو زبان پر فقرہ آجاتا ہے العطش (عزیزو ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں شاید اگر آپ کے تجربہ میں یہ بات آئی ہو تو اندازہ ہوگا ورنہ میری بہنیں زیادہ محسوس کریں گی اس لئے کہ ان کے سامنے یہ تجربات آتے رہتے ہیں جب کسی عزیز ترین بچے کے بارے میں ڈاکٹر منع کر دیتے ہیں کہ یہ بچہ ایسا بیمار ہے کہ اسے مثلاً پانی نہ دیا جائے یا شربت نہ دیا جائے اور بچہ بیقرار ہو کے ماں کے سامنے پانی مانگتا ہے۔ تو اگرچہ ماں یہ جانتی ہے کہ پانی اس کے حق میں مضر ہے مگر ماں کے دل پر کیا گذرتی ہے۔ یہ ماں ہی کا دل جانتا ہے۔ باپ کا کیا عالم ہوتا ہے۔ یہ باپ ہی جانتا ہے کوئی دوسرا نہیں جانتا ہے۔ یہ تو فقط عباسؑ ہی کا دل جانتا ہے کہ جب بچے آ کے جمع ہوتے تھے اور پیاس کی فریاد کرتے تھے تو علمدار کے دل کا کیا عالم ہوتا تھا) جیسے وقت گذرتا رہا قربانیاں پیش ہوتی رہیں۔ بار بار عباسؑ مولا کے سامنے آ کے کھڑے ہوتے رہے۔ لیکن دیکھتے رہے کہ اب انھیں رخصت کر دیا اب انھیں اجازت دے دی اب وہ میدان میں چلے گئے، اب وہ جا کے گلا کٹا رہے ہیں۔ اور عباسؑ بار بار مولا کے سامنے آ کے کھڑے ہوتے ہیں۔ آخر وہ منزل آگئی جب عباسؑ علمدار کے دل کی بات زبان پر آگئی۔ سامنے آئے عرض کی مولا یہ بتائیے کبھی مجھے بھی اجازت ملے گی یا کہ روکے رکھئے گا۔ سارے چاہنے والے چلے گئے۔ سارے جاں نثار چلے گئے۔ جو



گود کے پالے تھے وہ بھی چلے گئے۔ جو میرے فنون حرب کے سکھائے ہوئے تھے وہ بھی چلے گئے۔ سب کے لاشے تو اٹھ گئے مجھے کب اجازت ملے گی۔ عباسؑ نے اصرار کیا تو مولا نے فرمایا عباس تم تو جانتے ہی ہو کہ جب کسی لشکر کا علمدار مارا جاتا ہے تو لشکر کے حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں۔ تم میرے لشکر کے علمدار ہو تمھیں کیسے جانے دوں گا۔ بس یہ سننا تھا کہ ایک مرتبہ غازی نے اپنے داہنے دیکھا بائیں دیکھا کہا آقا اتنا اور بتا دیجئے کہ جس کا میں علمدار ہوں وہ لشکر کہاں ہے!! حسینؑ نے یہ منظر دیکھا دل پر کیا گذر گئی یہ مولا ہی کا دل جانتا ہے۔ کہا اچھا اگر جانا ہی چاہتے ہو تو جاؤ۔ مگر تم تو سن رہے ہو کہ بچے پیاس سے بیقرار ہیں۔ تم اگر چلے گئے تو بچے پانی کس سے مانگیں گے۔ جاؤ عباسؑ بچوں کے لئے پانی کا انتظام کرو (بس عزیزو میں بیان کو آخری مرحلے تک لے آیا)۔ عباسؑ چلے۔ در خیمہ پر آئے۔ آ کے آواز دی سکینہ۔ سکینہ بچی نے چچا کی آواز سنی دوڑ کے در خیمہ کی طرف چلیں۔ پیچھے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے۔ چچا نے بھتیجی کو بلایا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ پانی کی کوئی سبیل ہو رہی ہے۔ بچے ساتھ ساتھ بھتیجی سامنے کھڑی ہو گئی۔ چچا کیوں یاد فرمایا؟ کہا مشکیزہ لاؤ؟ مولا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بچوں کے لئے پانی لے آؤں!!! اب سوچئے اس کے بعد کونسی کسر رہ جاتی ہے بچوں کے اطمینان میں کہ عباسؑ جائیں گے تو پانی ضرور لے کے آئیں گے۔ بچی دوڑ کے گئی مشکیزہ لا کے چچا کے حوالے کیا۔ عباسؑ نے مشکیزہ کو لیا۔ علم سے باندھا۔ آقا کی خدمت میں آئے۔ مولا اب اجازت ہے جاؤں؟ فرمایا عباس جاؤ۔ عباسؑ چلے۔ سارے واقعات

درمیان سے چھوڑ رہا ہوں۔ فرات کے کنارے پر ابن زیاد نے چار ہزار تیر اندازوں کو بٹھا دیا ہے اس لئے کہ کوئی لڑنے والا نہیں ہے۔ کوئی جنگ کرنے کا کام نہیں ہے۔ خالی تیروں کی بوچھار ہوتا ہے۔ کسی کی ذمہ داری نہ جنگ کرنا ہے۔ نہ تلوار چلانا ہے۔ بس عباسؑ پانی لے کے نہ جانے پائیں۔ علمدار کربلا چلے۔ ایک اکیلا انسان فرات کے کنارے چار ہزار تیر اندازوں کا پہرہ۔ عباسؑ نے پورے پہرے کو توڑا۔ فرات میں گھوڑا ڈال دیا۔ چلو میں پانی لیا ارباب مقاتل کی تعبیر یہ ہے کہ جب پانی ہاتھ میں لیا حسینؑ کی پیاس یاد آئی۔ میں نہیں جانتا کہ علمدار کو مولا کی پیاس یاد آئی یا پانی میں سکینہ کی شکل نظر آئی۔ پانی پھینک دیا۔ قبا کے دامن سے ہاتھ کو خشک کیا۔ مشکیزہ کو بھرا اور لے کے چلے۔ عزیزو! فوجوں کو ہٹا کے فرات تک جانا آسان تھا۔ مشکیزہ کو بھرنا آسان تھا۔ لیکن مشکیزہ کو سنبھال کے لے جانا مشکل ہے۔ عباس نے مشکیزہ کو سنبھالا پشت فرس پر رکھا اپنے سارے وجود سے اپنے مشکیزہ کو سنبھالے ہوئے ہیں اور گھوڑے کو آگے بڑھا رہے ہیں ایک ظالم نے داہنی طرف سے وار کیا داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ فرمایا مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے مجھے ہاتھ نہیں چاہیے۔ مشکیزہ کو پہونچانا ہے اور آگے بڑھے بایاں شانہ کٹ گیا۔ کہا مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ مشکیزہ کو پہونچانا ہے۔ آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ [illegible] ایک تیر مشکیزہ پر لگا۔ اب عباسؑ نے فرات کا رخ کر لیا اب خیمے کی طرف [illegible] مگر نہ قدم آگے بڑھتے ہیں نہ پیچھے ہٹتے ہیں۔ پشت فرس پر بیٹھے سوچ رہے ہیں کیا کروں پانی تو نہیں رہ گیا ہے۔ مشکیزہ کا پانی تو بہہ گیا ہے اب کیسے مولا کے سامنے



جاؤں کیسے مولا کو منہ دکھاؤں۔ ابھی عباس پشت فرس پر بیٹھے ہوئے یہ طے کر رہے تھے کہ تین حملے ایک ساتھ ہو گئے ایک تیر عباس کی آنکھ میں آ کے لگا دامن اٹھا کے خون صاف نہ کرنے پائے تھے کہ ایک تیر عباسؑ کے کلیجہ پر لگا۔ ایک ہاتھ سے آنکھوں سے خون صاف کرنا چاہتے تھے ایک ہاتھ کلیجے پر مگر نہ یہ ہاتھ رہ گیا نہ وہ ہاتھ رہ گیا۔ کیسے اپنے کو سنبھالیں سر جھکا کے چاہا کہ سینے کے زخم کو روکیں کہ ایک مرتبہ سر پہ گرز لگا۔ ام البنین کا لال پشت فرس سے چلا۔ یا علیؑ فریاد ہر بلندی سے گرنے والا ہاتھوں کا سہارا لیتا ہے۔ یا علیؑ تمہارا بیٹا کیا کرے۔ شانے قلم ہو چکے۔ عباسؑ پشت فرس سے گر رہے ہیں۔ مگر اب بھی حوصلے پست نہیں ہوئے۔ فرات کا رخ کئے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ گھوڑے سے گرے آواز دی۔ مولا آیئے۔ حسینؑ چلے۔ علمدار کے سرہانے آ کے بیٹھے۔ عباسؑ اب دشمن سوئینگے اور بہنیں نہ سو سکیں گی۔ بھیا بچے خیمے میں انتظار کر رہے ہیں اے میرے علمدار۔ اے میرے عباس۔ بتاؤ سکینہ سوال کرے گی کہ چچا کہاں ہیں تو میں کیا جواب دوں گا۔ بھیا کمر ٹوٹ گئی۔ راہ چارہ و تدبیر مسدود ہو گئی۔ دشمن طعنے دے رہے ہیں۔ علمدار کہاں ہے، سردار کہاں ہے۔ عباس۔ بتاؤ حسینؑ کیا جواب دے۔ واعباسا۔ وا اخاہ

سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# مجلس ۹

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ۔ سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا اَبِی الۡقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاھِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اَذۡھَبَ اللّٰہُ عَنۡھُمُ الرِّجۡسَ وَطَھَّرَھُمۡ تَطۡھِیۡرًا اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ

حُسَیۡنٌ مِّنِّیۡ وَاَنَا مِنۡ حُسَیۡنٍ۔

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اللہ اسے دوست رکھے جو میرے حسینؑ سے محبت کرے!! سرکار دوعالمؐ کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں جو سلسلۂ کلام "عرفان حسینؑ" کے عنوان سے پیش کیا جا رہا تھا اس کے نویں مرحلے پر کچھ باتیں کل کے موضوع کی تکمیل سے متعلق گذارش کرتا ہوں۔ یعنی حسینؑ کی معرفت سنت وسیرت کی روشنی میں"!! اس سلسلہ میں تمہیدی طور پر ایک نکتہ انتہائی اہم اور قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سنت وسیرت کے بارے میں تین نظریات پائے جاتے



ہیں!! ایک نظریہ عالم اسلام میں یہ ہے کہ سنت وسیرت سے مراد اور اس کا مقصد صرف سرکار دوعالمؐ کا کردار ہے۔ حضورؐ کے اقوال، حضورؐ کے اعمال اور حضورؐ کی تقریر یعنی وہ خاموشی جو کسی عمل کی منظوری کی علامت ہے۔ یہ تین باتیں وہ ہیں جن کو سنت وسیرت کہا جاتا ہے۔ اور عالم اسلام نے انھیں تین باتوں کو قوانین الٰہی کا مدرک و ماخذ قرار دیا ہے۔ کسی قانون الٰہی کو اگر دریافت کرنا ہے تو اس کا ذریعہ یا پیغمبرؐ اسلام کا ارشاد ہوگا یا پیغمبرؐ اسلام کا عمل ہوگا یا پیغمبرؐ اسلام کی خاموشی اور تقریر یعنی منظوری ہوگی دوسرا نظریہ جو عالم اسلام میں پایا جاتا ہے اور جسے ہمارے اور آپ کے عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ سرکار دوعالمؐ کی سنت وسیرت کو اسلام میں اس لئے معتبر قرار دیا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبرؐ کو معصوم قرار دیا ہے۔ اور معصوم کی زندگی میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ جو کچھ کہے گا وہ بھی سند ہوگا جو کرے گا وہ معتبر ہوگا اور جہاں خاموش رہ جائے گا اس کی خاموشی بھی حجت اور دلیل بنے گی اس اعتبار سے تنہا سرکار دوعالمؐ کی ذاتِ گرامی نہیں بلکہ اللہ کے وہ تمام بندے جنکو مالک نے معصوم قرار دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا قول۔ ہر ایک کا عمل اور ہر ایک کی خاموشی کو وہی درجہ حاصل ہوگا جو سرکار دوعالمؐ کے قول وعمل کو حاصل ہے۔ اور بات قرآن حکیم نے آیہ تطہیر میں واضح کی ہے کہ کچھ ایسے اللہ کے نیک بندے ہیں جنکو پروردگار نے ہر برائی سے دور رکھا ہے اور ہر برائی کو ان سے دور رکھا ہے اور جنہیں اتنا پاک وپاکیزہ بنا دیا ہے جو کمال طہارت اور حق طہارت کی منزل ہے ان کی

زندگی تک کوئی رجس، کوئی آلودگی، کوئی برائی، کوئی عیب اور کوئی خباثت نہ جا سکے گی۔ تو اگر ہم نے سرکارِ دو عالم کی سیرت و کردار کو اسلام کے لئے ماخذ اور مدرک قرار دیا ہے تو اہلبیت کے کردار کو ماخذ و مدرک نہ ماننے کے کوئی معنی نہیں ہیں اس لئے کہ اہلبیت کسی الگ شخصیت کا نام نہیں ہے۔ اہلبیت میں وہ علیؑ ہیں جو پیغمبرؐ سے ہیں۔ اہلبیت میں وہ حسنؑ ہیں جو پیغمبرؐ کا جز ہیں۔ اہلبیت میں وہ فاطمہؑ ہیں جو پیغمبرؐ کی پارۂ جگر ہیں۔

حسنینؑ نصف نصف بدن دل ہیں فاطمہؑ

اور شیر کبریا کے سوا سر کہیں کسے

اگر اہلبیت کی شخصیت کا جائزہ لیں تو پیغمبرؐ نے خود اعلان کیا ہے کہ میرے نصف بدن کی شباہت حسنؑ کے لئے ہے اور نصف کی شباہت حسینؑ کے لئے ہے۔ فاطمہؑ میرا دل ہے۔ علیؑ میرے واسطے سر ہے۔!! پیام اعظمی نے خدا سلامت رکھے نہایت ہی حسین انداز سے اس حقیقت کا شعری ڈھانچہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

حسنینؑ نصف نصف بدن دل ہیں فاطمہؑ ۔۔۔ اور شیر کبریا کے سوا سر کہیں کسے

اجزائے مصطفےٰ ہیں پیام آلِ مصطفےٰ ۔۔۔ عترت کو چھوڑ دیں تو پیمبرؐ کہیں کسے

لہٰذا اگر پیغمبرؐ کی سنت و سیرت کو قابل اعتبار اور دین اسلام کا ماخذ و مدرک مان لیا گیا ہے تو اہلبیت کے کردار کو یہی حیثیت حاصل ہونا چاہئے۔ یہ مسئلہ دورِ قدیم سے چلا آ رہا تھا کہ بعض حضرات کا خیال یہ تھا کہ صرف پیغمبرؐ کے کردار کو اسلام میں سند مانا جائے اس کے علاوہ کسی کا قول و عمل اسلام میں سند بننے کے لائق نہیں ہے اور



ہم دورِ قدیم سے اسی بات کا اعلان کرتے رہے کہ جو حیثیت پروردگارِ عالم نے باعتبار عصمت پیغمبرِ اسلام کے اقوال و اعمال کو عنایت فرمائی ہے وہی حیثیت اللہ نے اہلبیت کے کردار کو بھی عنایت فرمائی ہے۔ منصب کا فرق ضرور ہے لیکن عصمت کا فرق نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے معیارِ سند معیارِ اعتبار عصمت کو بنایا ہے منصب کو نہیں مانا ہے۔ لہٰذا اسے بھی معتبر مانا ہے جسکا منصب رسالت ہے۔ اسے بھی معتبر مانا ہے جسکا منصب امامت تھا اور اسے بھی معتبر مانا ہے جسکا کوئی منصب نہیں تھا۔ نہ خدا نے اسے امام بنایا تھا نہ اسے نبی بنایا تھا مگر عصمت میں ایسا بنایا تھا کہ عصمت کی آیت نازل ہوئی تو اسی کے گھر میں اور اسی کی چادر میں۔ بہرحال یہ مسئلہ دورِ قدیم سے چلا آ رہا تھا کہ سنت و سیرت میں تنہا پیغمبرؐ کا کردار شامل ہے یا کردارِ اہلبیت بھی شامل ہے یعنی کل ہمارے سامنے یہ ضد تھی کہ بس پیغمبرؐ کوئی اور نہیں۔ معصوم ہو جب بھی نہیں۔ مرکزِ تطہیر ہو جب بھی نہیں۔ مرکزِ عصمت ہو جب بھی نہیں۔ خدا اسکی طہارت کا اعلان کرے جب بھی نہیں۔ اسلام میں سند فقط پیغمبرِ اسلام کا کردار ہے۔ لیکن اب جو دورِ حاضر میں اسلام میں فراخدلی پیدا ہوئی تو مسئلہ عصمت کی حدوں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اور اعتبار ہونے کے لئے معصوم ہونے کی شرط بھی نہیں رہ گئی: صرف پیغمبرؐ کی محفل میں آ جاؤ۔ قول معتبر، عمل معتبر، سارے کردار معتبر۔ کتنا فرق پیدا ہو گیا نظریات کے انقلاب میں۔ کہ کل عصمت بھی قابل قبول نہیں تھی اور آج گناہ بھی قابل قبول ہو گیا ہے۔ کل معصوم کا کردار بھی سند بننے کے قابل نہیں تھا۔ اور آج غیر معصوم کا کردار بھی سند بننے کے قابل ہو گیا ہے۔!! دلیل کیا

ہے؛ دلیل یہ ہے کہ جو پیغمبرِ اسلام کی بارگاہ میں آگیا تھا اس نے پیغمبرؐ کی زندگی کو دیکھا ہے
پیغمبرؐ کے کردار کو دیکھا ہے۔ اگر اسی کی بات کا اعتبار نہ ہوگا تو کس کی بات کا اعتبار ہوگا
یعنی اگر سارے عالم کے نظریات کو جمع کر لیا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہوگا کہ جو پیغمبرؐ فرمائیں
وہ بھی سند۔ جو اہلبیتؑ کہیں وہ بھی مستند۔ جو صحابہ کرام کہیں وہ بھی سند۔ جو پیغمبرؐ کریں وہ
بھی معتبر۔ جو اہلبیتؑ کریں وہ بھی معتبر۔ اور بیسویں صدی کے اعتبار سے جو صحابہ کرام
کریں وہ بھی معتبر۔ جہاں نبیؐ چپ رہ جائیں وہ بھی قابلِ اعتبار۔ جہاں اہلبیتؑ خاموش
رہ جائیں وہ بھی قابلِ اعتبار۔ اور جہاں اصحاب چپ ہو جائیں وہ بھی قابلِ اعتبار۔
کیوں کہ سنت کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوگئی ہے!! میں اپنے مضمون کو کتنا ہی
سمیٹنا چاہوں مگر یہ چاہتا ہوں کہ یہ تینوں رُخ آپ کے سامنے آجائیں تاکہ کسی
مسلمان کو شکایت پیدا نہ ہو۔ نہ دورِ قدیم کا مسلمان کہے کہ آپ نے پیغمبرؐ کا ذکر نہیں کیا
ہے۔ نہ دوسرا مکتبِ فکر کہے کہ اہلبیتؑ کے کردار کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور نہ تیسرا مکتبہ فکر
جو نیا پیدا ہوا ہے اسے شکایت پیدا ہو کہ آپ نے سنت کی بحث کی اور صحابہ کرام کا ذکر
نہیں کیا ہے۔ اور اب موضوع یہ ہوگا کہ حسینؑ پیغمبرؐ کے اقوال میں کیسے ہیں؟ حسینؑ
کے بارے میں اہلبیتؑ نے کیا کہا ہے؟ حسینؑ کے بارے میں اصحاب نے کیا کہا ہے؟
حسینؑ کے ساتھ نبیؐ نے کیا برتاؤ کیا ہے؟ حسینؑ کے ساتھ اہلبیتؑ کا برتاؤ کیا تھا اور
حسینؑ کے ساتھ اصحاب کا برتاؤ کیا تھا اور حسینؑ کی زندگی کو دیکھ کر نبیؐ کہاں خاموش
رہے، حسینؑ کی زندگی کو دیکھ کر اہلبیتؑ کہاں خاموش ہوئے! اور حسینؑ کی زندگی



کو دیکھ کر اصحاب کہاں خاموش رہے!! معرفتِ حسینؑ کو سنت و سیرت کی روشنی
میں حاصل کرنا ہے تو یہ ساری باتیں دیکھنا ہوں گی اور ظاہر ہے اس پورے موضوع
کو اگر آپ کے سامنے عرض کیا جائے تو اس کے ایک دن نہیں نو دن بھی ناکافی ہیں۔
(لیکن میں سمیٹ کے چند باتیں گذارش کرنا چاہتا ہوں ایک حصہ میرے بیان کا کل
آپ کے سامنے آچکا ہے) یعنی پیغمبرؐ کے اقوال کی روشنی میں حسینؑ کا مرتبہ۔ اب نبیؐ
پیغمبرؐ کے اعمال کی روشنی میں حسینؑ کا مرتبہ کیا ہے؟!! اقوال میں میں نے چار باتوں
کو گذارش کیا تھا۔ اعمال میں صرف دو عمل اور خاموشی میں صرف ایک عمل کا ذکر کرتا ہے
دو اعمال اس لئے حوالے کے طور پر آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ پیغمبرؐ کی سنت
کے بارے میں ایک نئی بحث پیدا ہوگئی ہے کہ آیا پیغمبرؐ کا ہر عمل معتبر ہے یا خالی وہ عمل
معتبر ہے جو شریعت کا ہے؟!! یعنی پیغمبرؐ کی زندگی کے بھی دو حصے ہیں!! ایک حصہ معتبر
قابلِ اتباع، لائقِ اقتدار، قابلِ نامی ہے۔ اور ایک حصہ وہ ہے کہ آپ کا جی چاہے مان
لیجئے اور جی چاہے نہ مانیے، آپ کے اسلام پر کوئی حرف نہ آئے گا۔ آج کل جو نظریہ
بہت تیزی سے پھیلایا جا رہا ہے۔ وہ یہی ہے کہ پیغمبرؐ کی زندگی کے صرف وہ اعمال قابلِ
اعتبار ہیں جنکا تعلق شریعت اور دین سے ہو۔ ورنہ وہ اعمال جن کا تعلق سیاست سے ہو
انہیں پیروی کی شرط نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ اتنے بڑے سیاست مدار نہیں تھے۔ جتنے
بڑے ہم خود ہیں۔ ان کے پاس کیا تھا۔ صرف مکہ و مدینہ کی حکومت۔ ہمارے پاس
ساری دنیا کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا وہ جو کچھ کرتے تھے اپنے دور میں ٹھیک ہی کرتے تھے

لیکن کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم بھی اتباع کریں۔ ہم سیاست کا نیا راستہ نکالینگے۔ ہوسکتا ہے وہ نہ چاہیں یہودی مدینہ میں رہیں۔ وہ انکی اپنی سیاست تھی ان کے دور کا تقاضا تھا۔ ہمارے تقاضے بدل سکتے ہیں!! انھیں اپنی بیٹی سے بڑی محبت تھی کہ وہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے لیکن ہم کیوں کھڑے ہوجائیں۔ یہ کوئی شریعت کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ انکے گھریلو معاملات تھے۔ لہٰذا ہوسکتا ہے وہ اپنے نواسوں کا احترام کریں یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے اس کا ہم سے کیا تعلق ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اپنے داماد کا احترام کریں۔ لیکن ہم کیوں کریں۔ اگر کرینگے بھی تو اپنے داماد کا احترام کرینگے ان سے کیا تعلق ہے انکی دنیا الگ ہے ہماری دنیا الگ ہے۔ ہاں مگر اتنی احتیاط رکھیں گے کہ وہ بیٹی کا احترام کرینگے تو ہم انکا ساتھ نہ دینگے کہ یہ ان کا گھریلو معاملہ ہے۔ لیکن اگر واقعاً گھریلو معاملہ ہے تو ہمیں اتباع بھی کرلیں گے۔ وہ اگر نواسوں کو آگے بڑھائیں گے تو انکا ذاتی معاملہ ہے ہاں کسی اور کو آگے بڑھادیں گے تو یہ قومی معاملہ ہے وہاں تو ماننا ہی پڑے گا۔ وہ اگر واقعی داماد کو آگے بڑھائیں تو یہ انکا گھریلو معاملہ ہے۔ لیکن اگر غیر واقعی داماد کو آگے بڑھادیں گے تو سب کو سر جھکانا پڑے گا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔!! بہرحال یہ ایک مسئلہ ہے۔ کہ پیغمبرؐ اسلام کی زندگی کا ایک شعبہ ہے جو پیغمبرؐ کا ذاتی ہے اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اور ایک شعبہ جو شرعی ہے۔ دینی ہے، مذہبی ہے۔ جیسے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ خمس، جہاد یہ مسائل دین کے ہیں۔ تو پیغمبرؐ بیٹی کے بارے میں کیا کہیں گے ہمارا کوئی فرض نہیں ہے کہ ہم اتباع کریں۔ ہاں نماز کے بارے میں کیا کہیں گے ہمیں ماننا پڑے گا اب



یہ اور بات ہے کہ سننے میں فرق ہوجائے کہ کیا کہا تھا۔ وہ اگر بیٹی کے واسطے کھڑے ہوجائیں گے تو ہمارا کوئی فرض نہیں ہے کہ ہم اتباع کریں۔ وہ انکا ذاتی کام ہے۔ لیکن نماز میں آکے کھڑے ہوجائیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم کھڑے ہوجائیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ آگے کھڑے ہیں تو ہمیں کیا معلوم کیسے کھڑے ہیں۔ صلوات

ہاں اگر آمنے سامنے کھڑے ہوتے تو ہم دیکھتے کہ وہ کیسے کھڑے ہیں اور وہ دیکھتے کہ ہم کیسے کھڑے ہیں، ہم غلط کھڑے ہوتے تو وہ ہمیں ٹوک دیتے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ آگے کھڑے ہوتے تھے۔ اب وہ کیسے کھڑے ہوتے تھے۔ کیا دیکھ رہے تھے کیا سن رہے تھے۔ ہمیں تو نہیں معلوم۔ جب طے ہوجائے گا ہم ویسے ہی کھڑے ہوجائیں گے۔ مگر جبتک طے نہ ہوگا تو نمازیوں کا اعتبار تو نہ ہوگا۔ البتہ اگر اتفاق سے کوئی نہیں پڑھ رہا ہوگا تو اس کی ذات زیادہ معتبر ہوگی کہ وہ آگے سے دیکھ رہا ہے بشرطیکہ آگے سے گذرنا اس کے لئے جائز ہو۔ زندگی کے جو اپنے معاملات ہیں وہ ان کے اپنے معاملات ہیں۔ انمیں ہمارے لئے اتباع کرنا فرض نہیں ہے۔ لیکن جو شریعت کے معاملات ہیں انمیں سب ماننا پڑیگا کہ یہ دین کا معاملہ ہے وہ پیغمبرؐ اسلام ہیں۔ شریعت کے ذمہ دار ہیں۔ انکا ہر عمل شریعت کے معاملہ میں قابل اعتبار ہے۔ اب یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ یہ کون طے کرے گا کہ کتنا حصہ شریعت کا ہے اور کتنا حصہ ذاتی معاملات کا ہے۔ بس مختصر یوں سمجھ لیجئے کہ پیغمبرؐ جب مسجد میں بولیں۔ محراب میں رہیں۔ مصلے پر رہیں تو یہ شریعت ہے۔ جہاں پیغمبرؐ کی بات ماننا پڑے گی۔ لیکن جب مسجد سے باہر نکل جائیں تو یہ شعبہ شریعت سے باہر نکل گیا

اب نبیؐ کی زندگی ویسی ہو گئی جیسے ہماری ہوتی ہے۔ دو مسلمانوں میں مسجد کے اندر جھگڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک تکرار ہوتی رہی۔ کچھ انھوں نے کہا۔ کچھ اُنھوں نے کہا آخر میں ایک صاحب کو مسجد کا تقدس یاد آ گیا کہنے لگے باہر نکلنے تو بتائیں۔ اس لئے کہ یہاں تو خدا رہتا ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے۔ دوسرے کے گھر میں تو ہم بول نہیں سکتے۔ باہر نکلئے وہ ہماری سڑک ہے۔ ہم دیکھیں وہاں کیا ہوتا ہے!! تو مسلمان کی زندگی میں دورنگی پائی جاتی ہے۔ کہ مسجد کے اندر رہتا ہے تو معتبر مسلمان رہتا ہے اور باہر نکلتا ہے تو جھگڑالو ہو جاتا ہے۔ تو اب چاہتا ہے پیغمبرؐ بھی ایسے ہی ہو جائیں۔ مسجد کے اندر رہیں تو ہر عمل قابل اعتبار باہر نکل جائیں تو وہ جائیں۔ ہماری زندگی الگ انکا معاملہ الگ ہے تو چونکہ پیمبرؐ کے کردار کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا کہ مسجد کے اندر کا کردار الگ اور مسجد کے باہر کا کردار الگ لہذا میں دونوں کی لاج رکھنے کے لئے پیغمبرؐ کے کردار کو دو رُخ سے پیش کرنا چاہتا ہوں، ایک مسجد کے اندر، ایک مسجد کے باہر۔ تاکہ یہ دیکھا جائے کہ جب باہر آتے ہیں تو برتاؤ کیا ہوتا ہے۔ اور جب اندر آتے ہیں تو برتاؤ کیا ہوتا ہے۔ دو مثالیں اس لئے دے رہا ہوں کہ ایک باہر کی مثال ہے اور ایک اندر کی مثال ہے۔!! باہر کی مثال میں کیا دیکھا کہ عید کا دن ہے۔ پیغمبر اسلام مسجد کے باہر تھے۔ شہزادے بھی باہر تھے۔ سب جا رہے تھے اپنے اپنے گھروں سے نکل کے عبادت کے لئے۔ کوئی پیدل جا رہا ہے کوئی ناقہ پر سوار ہے۔ کوئی کسی سواری پر سوار ہے۔ مگر جو پیدل جا رہے ہیں وہ پیدل ہیں۔ جو سواری پر جا رہے ہیں وہ سواری پر سوار ہیں۔ پورے مجمع میں مدینہ میں ایک بھی ایسا نہیں



جو کسی کے کاندھے پر سوار ہو مگر فقط دو انسان ہیں جو نہ پیدل جا رہے ہیں اور نہ سواری پر سوار ہیں۔ اگر سواری پر ہیں تو سواری بھی کیسی ہے؟ سرکارِ دو عالمؐ نے خود ناقہ کا انداز اختیار کیا اور دونوں بچوں کو بٹھا لیا۔ منظر بالکل نیا تھا۔ لہذا دیکھنے والے نے بڑھ کے بچوں کو مبارکباد دی۔ اے شہزادو کیا کہنا تمھارے مرتبہ کا کہ مدینہ کے سارے لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر جا رہے ہیں۔ سواریوں پر جا رہے ہیں اور یہ تمھارا مقدر ہے کہ پیغمبرؐ تمھارے لئے سواری بن گیا ہے۔ مبارک ہو مبارک ہو تمھیں بہترین سواری مل گئی ہے۔ پیغمبرؐ تمھارے واسطے ناقہ بن گیا ہے۔ تمھیں ایسی سواری مل گئی ہے جسکی مثال نہ زمین پر ہے نہ آسمان پر ہے۔ نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں ہے۔ لیکن پیغمبرؐ نے یہ سن کر ٹوک دیا کہ خبردار یہ نہ کہنا انھیں کیا مبارکباد دے رہے ہو کہ بہترین سواری مل گئی ہے مجھے مبارکباد دو کہ بہترین سوار مل گئے ہیں۔ صلوات

وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پیغمبرؐ بے مثال اور لاجواب ہے۔ لہٰذا جس کے لئے پیغمبرؐ ناقہ بن جائے گا اس کے واسطے شرف ہوگا اور پیغمبرؐ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ میں تو بے مثال ہوں۔ میں لاجواب ہوں لیکن انھیں اسلئے کاندھوں پہ بٹھا کے لایا ہوں کہ یہ پہچانو یہ بھی بے مثال ہیں۔ یہ بھی لاجواب ہیں۔ امت کا کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو اس قابل ہو کہ میرے کاندھوں پر آ جائے۔ یہ شرف تنہا انھیں کے واسطے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب کل پیغمبرؐ نے اس منظر کو پیش کر دیا۔ اب یہیں ایک بات کہنا ہے کہ جو مسجد کے اندر کا معاملہ ہے وہ شریعت ہے۔ جو باہر کا ہے اسے شریعت نہیں مانا جاتا ہے۔ تو چلئے حدود شریعت میں،

شامل نہ سہی لیکن بالآخر پیغمبرؐ نے شہزادوں کو کاندھوں پہ جگہ دی یا نہیں۔ اچھا اگر [illegible]
عظمت حسینؑ کو۔ تو کم سے کم اسی کی عظمت کو مان لو جسکو کاندھوں پر مسجد میں جگہ [illegible]
حسینؑ کو اگر پیغمبرؐ نے باہر گلیوں میں اٹھایا ہے تو جب بت شکنی کا وقت آیا تھا تو یہ کسی
سڑک کا واقعہ نہیں تھا۔ یہ کسی گلی کا واقعہ نہیں تھا۔ یہ تو خانۂ خدا ہی کا واقعہ تھا [illegible]
علیؑ میرے کاندھوں پر آکے بتوں کو توڑ دو۔ تو اگر حسینؑ بے مثال سمجھ میں نہیں آتے [illegible]
کم سے کم حسینؑ کے باپ کو ہی بے مثال سمجھ لیا ہوتا۔

عزیزانِ محترم میں اس واقعہ کو صرف اس لئے مختصر گذارش کر رہا ہوں کہ [illegible]
کے تفصیلات کو آپ سنتے رہتے ہیں۔ اور یہ مسجد کے باہر کا واقعہ ہے اب آئیے مسجد
کے اندر جائزہ لیں کہ پیغمبرؐ کا کردار حسینؑ کے بارے میں کیا ہے؟!! کل ہی میں نے [illegible]
کیا تھا کہ سرکارؐ دو عالم منبر پہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ حضورؐ مسجد کے اندر تھے منبر پر
خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ جگہ بھی شریعت والی تھی۔ منزل بھی شریعت والی تھی۔ بیان بھی
شریعت والا تھا۔ یعنی بالکل سراپا مسئلہ شریعت کا تھا اور حضور بالکل منزل شریعت
میں تھے۔ نہ قرابتداری کی منزل میں تھے اور نہ خاندان کی منزل میں تھے۔ نہ بازار میں
تھے اور نہ کہیں سڑک پر تھے۔ بالکل شریعت کی منزل میں۔ مگر اسے کیا کیا جائے
کہ جیسے ہی بچہ زمین پر گرا ویسے ہی پیغمبرؐ نے خطبہ توڑ دیا۔ اب کون سمجھائے کہ شریعت میں
قرابت کو دخل نہیں ہوتا ہے۔ کون کہے کہ یہ شریعت کی منزل ہے۔ یہاں معنوں کا [illegible]



نہیں ہے۔ یہاں نواسہ نانا کا مسئلہ طے نہیں ہوتا ہے۔ مگر پیغمبرِ اسلام نے خطبہ توڑ دیا
اور آپ کو اٹھا لیا اور اٹھا ہی لیا تھا تو اٹھا کے بٹھا دیا ہوتا۔ بٹھایا بھی نہیں منبر پہ لے
کے چلے آئے۔ اب وہ تقریر کہاں تک پہونچی ہوگی وہ تو وہی جانتے ہوں گے جو سن
رہے تھے اس لئے کہ کسی روایت میں تفصیل نہیں ہے تو میں کیا بتاؤں گا۔ جب حسینؑ
کو لے کر منبر پر آئے تو فرمایا ھٰذا الحسین: یہ حسینؑ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ یہ حسینؑ ہے
اور یہ ہیں کون ہے! پیغمبرؐ کی بزم میں بیٹھنے والا۔ مسجد میں نماز پڑھنے والا۔ سرکار کا خطبہ
سننے والا کون نہیں جانتا کہ یہ حسینؑ ہے۔ لیکن پیغمبرؐ فرما رہے ہیں "ھٰذا الحسین" حضور یہ منبر
اس لئے نہیں بنا تھا؟ کیا یہ خطبہ آپ نے توڑا ہے ھٰذا الحسین کے لئے!! یہ حسینؑ تو ہے ہم
جانتے ہیں! فرمایا فاعرفوہ یہ حسینؑ ہے اسے پہچانو۔ تو اسے پہچان کے کیا کریں؟ تو اپنی
شریعت پہچانیں جو کام آئیں گے۔ حضور وہ احکام بیان کریں جو ہمارے کام آئیں گے فرمایا
سمجھانا چاہتا ہوں کہ جو ابتک کہہ رہا تھا وہ تمہارے کام آئے گا اور جس کو اب سامنے
لایا ہوں یہ ان احکام کے کام آئے گا گویا شریعت تمہارے کام آئے گی اور حسینؑ شریعت
کے کام آئے گا۔ صلوات

اب نہ کہنا میں نے بیان شریعت کو روک دیا ہے۔ میں نے بیان شریعت کو دوام
دیا ہے۔ میں نے شریعت کی بقا کا انتظام کر دیا ہے۔ اسے پہچان لوگے تو شریعت
بچ جائے گی۔ اسے پہچان لوگے تو دین باقی رہ جائے گا۔ اسے پہچان لوگے تو مسائل
حل ہو جائیں گے۔ اسے اگر نہ پہچانا تو کچھ نہ باقی رہ جائے گا۔ یہ ایک ضروری مسئلہ تھا

جس کے لئے سرکار نے خطبہ کو روکا اور اس کے بعد حسینؑ کو سامنے لا کے بٹھوا دیا۔ یہ واقعہ مسجد کے اندر کا ہے۔ یہ واقعہ منبر کا ہے۔ بالکل حدود شریعت کے اندر کا ہے۔ گویا پیغمبر اسلام کا وہ برتاؤ بھی حسینؑ کے ساتھ دیکھ لیا جسکو لوگ شریعت کی حدوں سے باہر سمجھ رہے تھے اور وہ برتاؤ بھی دیکھ لیا جو شریعت کی حدوں کے اندر تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر پیغمبر شرعی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو حسینؑ کے لئے خطبہ کو توڑ دیتے ہیں اور اگر پیغمبر عام زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو حسینؑ کے لئے ناقہ بن جاتے ہیں۔ اب تو عظمتِ حسینؑ کو پہچانو حسینؑ مسجد کے باہر بھی محترم ہے حسینؑ مسجد کے اندر بھی محترم ہے!! یہ تو تصویر کا ایک رخ تھا۔ اب اس کے بعد میں ایک بار کہتا ہوں کوئی پڑھا لکھا ہو تو اس سے پوچھے گا۔ کہ کوئی ایک انسان تاریخ میں ڈھونڈ کے نکالو جس کے لئے پیغمبر مسجد کے باہر ناقہ بنے ہوں اور مسجد کے اندر خطبہ توڑا ہو اور اگر کوئی نہیں ملتا ہے تو اتنا تو مانو کہ سوا لاکھ صحابیت کے درمیان ایک بھی ایسا نہیں تھا جو حسینؑ جیسا ہو اب تو مانو کہ صحابی اور ہوتا ہے اور اہلبیتؑ اور ہوتے ہیں۔ صلوات

(عزیزانِ محترم ظاہر ہے کہ اسی ذیل میں ایک مشہور واقعہ جو آپ سنتے رہتے ہیں میں اسے بھی اسی ذیل میں بیان کر دیتا مگر میں جانتا ہوں کہ گفتگو علمی حدوں سے باہر نہ جانے پائے اس لئے اس نازک فرق کو اپنے بچوں اور عزیز نوجوانوں کے ذہنوں کے حوالے کرنا چاہتا ہوں جس کی بنا پر میں نے واقعات کے حصے الگ الگ کئے ہیں۔ ایک حصہ پیغمبر اسلام کے اعمال کا ہے۔ اقوال کی بات کل عرض کر چکا ہوں۔ اعمال کی



دو مثالیں میں نے آپ کے سامنے گذارش کیں۔ ایک وہ منزل ہے جہاں پیغمبر شہزادوں کے واسطے ناقہ بن گئے۔ اور ایک وہ منزل ہے جہاں سرکارِ دو عالم نے شہزادے کے واسطے اپنے خطبہ کو توڑ دیا۔ وہ بھی پیغمبر کا عمل تھا اور یہ بھی پیغمبر کا عمل ہے!! اب ایسی جگہ ڈھونڈھ کے لاؤ جہاں عمل پیغمبر کا نہ ہو۔ خاموشی پیغمبر کی نہ ہوتا کہ معلوم ہو کہ اس سکوت سے حسینؑ کی عظمت کا کیسے اندازہ ہوگا اور پیغمبر جہاں خاموش رہ جائیں وہاں عظمت حسینؑ کو کیسے پہچانا جائے گا!! میں بہت آسانی سے واقعات کو ایک ساتھ بیان کر سکتا تھا۔ میرے بہت سے سننے والے عزیز نوجوان ایسے ہوتے جنھیں اندازہ بھی نہ ہوتا اور سوچتے کہ سب واقعات ایک ہی ذیل کے ہیں۔ لیکن میں بچر و بر آتا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ مسئلہ علمی حدود سے باہر نہ جانے پائے کہ کل کوئی آدمی آپ کو ملے اور کہے کہ یہ مسئلہ تو جناب اسمیں آتا ہی نہیں ہے۔ یہ آپ نے کہاں سے شامل کر لیا اور ساری بات کا اعتبار ختم ہو جائے۔ کہ جو بات نہیں ماننے والے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس ہزار بہانے ہوتے ہیں۔ تاریخ میں بڑا لطیف واقعہ پایا جاتا ہے کہ ایک صاحب نے منبر سے ارشاد فرمایا کہ پیغمبر اسلام نے اپنی بیٹی فاطمہ زہراؑ کے بارے میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ فاطمہؑ میرے دل کا ٹکڑا ہے۔ جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا" اور یہ ایسا معتبر ارشاد ہے جو کسی غلط کتاب میں نہیں ہے اور جس صحیح کتاب میں یہ واقعہ ہے اسی صحیح کتاب میں مثلاً پانچ صفحے کے بعد یہ روایت لکھی ہوئی ہے کہ فاطمہؑ زہرا کچھ لوگوں پر غضبناک ہو گئیں اب دونوں کو جوڑنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا

ہے کہ ان لوگوں پر گویا پیغمبرؐ غضبناک ہو گئے۔ ایک سمجھدار سامع کی اس وقت تو کوئی بات سمجھ میں آئی نہیں۔ سوچا پہلے تحقیق کرلیں کہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں۔ کتاب کو کھولا دیکھا پہلا بیان پیغمبرؐ بھی موجود ہے اور دوسرا واقعہ بھی موجود ہے۔ اب کیا کریں اگر دونوں باتوں کو مان لیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کچھ رہ نہیں گیا مذہب میں اسلام میں کچھ بچا ہی نہیں۔ لہٰذا کوئی نہ کوئی راستہ نکالنا چاہیئے نہ ماننے کا۔ چنانچہ آئے اس مجمع میں جو مخلصین کا تھا۔ ایسا مجمع تلاش کیا جو کہو سب ٹھیک ہے۔ گئے اور فرمایا کہ حضرات کل آپ لوگوں نے تقریر سنی وہ صاحب فرما رہے تھے کہ ایک کتاب میں یہ روایت بھی لکھی ہوئی ہے اور پانچ صفحہ کے بعد یہ دوسری روایت بھی لکھی ہوئی ہے۔ ایسے جھوٹے لوگ، ایسے بے ایمان لوگ ان کو حیا نہیں آتی ہے۔ ان کو شرم نہیں آتی ہے جھوٹ بولتے ہوئے۔ مجمع عام میں منبر سے اتنا بڑا جھوٹ۔ اب سارا مجمع مشتاق ہو گیا کہ اب کتاب نکلنے ہی والی ہے اور لوگوں کو دکھلائیں گے کہ دیکھو یہ کتاب ہے اسمیں کچھ نہیں ہے۔ نہیں جواب سنئے۔ فرمایا کہ آپ لوگوں کو یاد ہے کل کیا کہا تھا۔ فرمایا تھا کہ ایک کتاب میں یہ روایت بھی ہے اور پانچ صفحہ کے بعد وہ روایت بھی ہے۔ میں نے رات ہی جا کے گنا اور کتاب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ دوسری روایت چھٹے صفحے پر ہے پانچویں صفحے پر نہیں ہے۔ یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر پانچویں صفحے پر یہ روایت ہوتی تو قابل اعتبار ہوتی اب چونکہ چھٹے صفحے پر لکھی ہوئی ہے لہٰذا قابل اعتبار نہیں ہے۔ یہ بات کا جواب ہوا اور کیا کہنا مجمع کی خوشی کا عالم



ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ بیچارے بھول گئے کہ اصل بات کیا تھی اس لئے عزیزو میں نے اس تیسرے واقعہ کو بچا کے رکھا تھا تاکہ کوئی اتنا سمجھدار نہ پیدا ہو جائے جو کہدے۔ اسکو انھوں نے عمل پیغمبرؐ کے ذیل میں بیان کر دیا ہے حالانکہ اسکا عمل پیغمبرؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آئیے اب جہاں عمل پیغمبرؐ کا نہیں ہے۔ پیغمبرؐ کی خاموشی ہے۔ پیغمبرؐ اپنی نماز پڑھ رہا ہے۔ اپنا قیام۔ اپنا رکوع۔ اپنا سجدہ۔ پیغمبرؐ نے نہ کسی کو پکڑ کے بٹھایا اور نہ کسی سے کہا کہ آکے بیٹھ جاؤ۔ دیکھئے اس علمی نکتہ کو یاد رکھئے گا پیغمبرؐ نے نہ کہا کسی سے کہ میری پشت پر بیٹھ جاؤ کہ قول میں شامل ہو جائے۔ نہ کسی کو پکڑ کے بٹھایا کہ عمل میں شامل ہو جائے۔ آنے والا خود آکے بیٹھ گیا۔ اب تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ پیغمبرؐ کرتے کیا ہیں۔ کوئی عمل پیغمبرؐ کا نہیں ہے صرف ردعمل دیکھنا ہے کہ اگر قوم میں کوئی عمل ہو رہا ہے تو پیغمبرؐ کا ردعمل کیا ہے۔ اگر خاموش ہو جائیں تو عمل صحیح ہے اور اگر ٹوک دیں تو عمل غلط ہے۔ ابھی تک کوئی عمل پیغمبرؐ دیکھنے میں نہیں آیا۔ بچہ خود سے آکے پشت پر بیٹھ گیا ہے۔ تو اب ردعمل کا انتظار کر رہے ہیں سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ وَبِحَمدِہ ختم ہو گیا!! روزانہ دو مرتبہ فرماتے تھے تو چلئے دو مرتبہ ہو گیا اٹھ گئے۔ اگر تین مرتبہ فرماتے تھے تو تین مرتبہ ہو گیا اٹھ گئے۔ نہیں اس کے معنی کیا ہیں۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ سات۔ دس۔ بیس۔ پچیس۔ پچاس اور سر اٹھتا ہی نہیں ہے۔ تو حضور اگر کوئی قول نہیں ہے۔ کوئی عمل نہیں ہے تو ردعمل ہی دیکھتے رہیئے۔ دیکھتے رہیئے کہ اب اس عمل کے بعد پیغمبرؐ کیا کر رہے ہیں۔ اگر پیغمبرؐ سر اٹھا کے

بچہ کو گرا دیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو حق نہیں ہے کہ سجدۂ پیغمبرؐ میں پشت پر آجائے۔ چاہے نواسہ ہو چاہے رشتہ دار۔ اور اگر پیغمبرؐ سجدہ کو طول دیدیں تو اسکو کس خانہ میں رکھا جائے گا نماز تو شریعت کے خانہ میں ہے۔ ہم تو اسی رد عمل کا انتظار کرتے ہیں۔ بعض روایات میں ساٹھ بعض روایات میں ستر مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ۔ سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ۔ سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ کا ذکر ہے۔ !! اس بیچ میں اور کیا واقعات پیش آئے وہ اندازہ سے تو بیان کئے جا سکتے ہیں مگر چونکہ روایت میں نہیں ہے لہٰذا آپ خود اپنے اندازہ سے سوچئے جو تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کے عادی رہے ہوں گے انھوں نے چار تک پانچ تک برداشت کیا ہوگا۔ اور کچھ بیچاروں کو جلدی بھی رہی ہوگی۔ کام بھی رہا ہوگا سب تو اتنے مخلص نہیں تھے کہ کوئی کاروبار ہی نہیں۔ خالی نماز ہی پڑھنا ہے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے اور ہوتا بھی ہے اکثر نماز جماعت میں کہ اگر کسی وجہ سے امام نے رکوع یا سجدہ کو طول دے دیا تو جو بالکل روٹین والی نماز پڑھتے ہیں کہ اتنی دیر قیام اتنی دیر رکوع۔ اتنی دیر سجدہ جیسے ہی ذرا طول ہوا بیتاب ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک نئی پریشانی بھی کہ اگر ذرا کسی نے سر اٹھا کے دیکھا بھی ہوگا تو غریب کو ایک اور پریشانی ہوئی ہوگی کہ اگر حضورؐ کی مشکل کو حل کریں اور جا کے بچہ کو اتار لیں تو اپنی نماز کا کیا ہوگا۔ نماز میں تو کوئی عمل ہو نہیں سکتا کہ اٹھ کے اپنی جگہ سے گئے بچہ کو اتار کے بٹھایا اور آکے پھر سجدہ میں گر گئے۔ اور اگر یونہی بیٹھا رہنے دیں تو سرکار کو



پریشانی ہے۔ سجدہ طول پکڑ رہا ہے۔ سجدہ کو طول ہو رہا ہے۔ اب جب تک یہ سجدہ ختم نہ ہوگا نہ یہ اٹھیں گے نہ ہم اٹھیں گے۔ نہ انکی نماز ختم ہوگی نہ ہماری نماز ختم ہوگی۔ حضورؐ آپ کو محبت کرنے کا شوق تھا تو فرادیٰ نماز میں کیا ہوتا۔ جب کبھی فرادیٰ نماز میں حسینؑ آکے بیٹھ جاتے تو آپ رات بھر سبحان ربی الاعلیٰ کہتے۔ اتنے مسلمانوں کا تو خیال فرمایئے۔ کچھ بیچاروں کے پاس کام ہوگا۔ کچھ دوکان چھوڑ کے آئے ہوں گے کوئی نوکری چھوڑ کے آیا ہوگا برخواست ہو جائے گا۔ کتنے مسائل پیدا ہو جائیں گے ایک بچے کی ناز برداری کے لئے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ یہی تو سمجھانا چاہتا ہوں کہ سب کے مسائل ایک طرف ہیں تنہا عظمت حسینؑ کا مسئلہ ایک طرف ہے۔ صلوات

اگر کوئی روایت نہ بھی ہوتی تب بھی قرآن مجید کا اعلان اور پیغمبرؐ کی عصمت کا تقاضا تھا کہ جس پیغمبرؐ پر خدا نے اتنی پابندی عائد کر دی ہو کہ اپنی خواہش سے بول نہ سکا ہو وہ پیغمبرؐ اپنی خواہش سے سجدہ کو کیسے طول دیدیگا۔ یہ جو سجدہ کو طول ہو رہا ہے یہ بھی حکم الٰہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب نماز تمام ہوئی۔ لوگ پریشان تھے۔ حضورؐ نے کہا میں کیا کروں۔ یہ بچہ میری پشت پر آکے بیٹھ گیا تھا مجھے خیال آنا چاہیئے تھا کہ اتنی بڑی امت نماز پڑھ رہی ہے۔ مگر کیا کروں ملک مقرب پیغام الٰہی لے کے آگیا پیغمبرؐ جب تک خود نہ اتر جائیں۔ سجدہ سے سر نہ اٹھائیگا۔ لہٰذا میں تو حکم الٰہی کی تعمیل کر رہا تھا۔ امت اتباع پیغمبرؐ میں سجدہ میں ہے۔ اور پیغمبرؐ اطاعت الٰہی میں سجدہ کو طول دے رہے ہیں۔ اور درمیان میں حسینؑ بن علیؑ ہیں۔ یہ نماز وہ ہے جس کو اسلام

مومن کی معراج بنایا ہے۔ تو جو صاحبِ معراج کی نماز ہوگی جسکے تقرب کا اعلان خدا نے یوں کیا ہو۔ کہ دو کمان یا اس سے کچھ کم۔ وہ صاحب معراج جو تقرب کی منزلوں سے گذر چکا ہے اب وہ منزلِ معراج میں ہے۔ یعنی ادھر بندہ اُدھر خدا فاصلہ کوئی طے نہیں کر سکتا۔ بس ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب بندہ اور خدا کو منزلِ معراج پر دیکھا تو درمیان میں کچھ نظر نہ آیا سوائے حسینؑ کے۔ صلوات

یہ ہے عظمت حسینؑ کے معاملہ میں پیغمبرؐ کا طرزِ عمل یا ردِ عمل!! اس مقام پر ایک بات آپکی توجہ کیلئے گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اگر لوگ چاہے اسے فراست میں کہئے چاہے اپنی نادانی میں کہئے اس واقعہ سے یہ غلط استفادہ کرتے ہیں یا واقعہ کی روح کو نہیں سمجھتے ہیں اور از راہ خلوص اسکا مطلب یہ نکال لیتے ہیں کہ نبیؐ نے سجدہ کو طول دے دیا۔ یعنی حسینؑ کے سامنے سجدہ کی کوئی اوقات نہیں ہے۔ تو عزیزو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ واقعہ کا نتیجہ کہاں سے نکلا۔ اگر پیغمبرؐ یہ سمجھانا چاہتے کہ حسینؑ کے سامنے سجدہ کی کوئی اوقات نہیں ہے تو فوراً سر اٹھا لینا چاہئے تھا تاکہ کوئی جاہلانہ استنباط نہ کر سکے۔ اٹھ کر حسینؑ کو گود میں لے لیتے!! کیسی نماز، کیسا سجدہ اب حسینؑ آگئے اب کچھ نہیں چاہئے تب تو مسلمانوں کو یہ اندازہ ہوتا کہ حسینؑ کے آگے نہ نماز کی کوئی اوقات ہے نہ سجدہ کی کوئی اوقات ہے مگر ایسا تو نہیں ہوا بلکہ حسینؑ آگئے تو سجدہ اور طولانی ہوگیا (تو مجھے ایک لفظ کہنے دیجئے) یہ کہنا جہالت ہے کہ حسینؑ نے آکے سجدہ کو روک دیا۔ روک دیا ہوتا تو نبیؐ سر اٹھا لیتے۔ حسینؑ



نے آکر سجدہ کو روک دیا نہیں بلکہ روک لیا۔ وہ سجدہ جو تین سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد ختم ہونے والا تھا حسینؑ نے ستر سبحان ربی الاعلیٰ تک روک لیا۔ حسینؑ سجدہ روک دینے والے کا نام نہیں ہے حسینؑ سجدہ روک لینے والے کا نام ہے

کیا وہ سجدہ بوقتِ رِدا روی تو نے!
نماز جانِ جاتی تھی دنیا سے روک لی تو نے!

اور یہی وجہ ہے کہ جیسے نبیؐ نے عظمت حسینؑ کو پہچنوایا تھا اپنے سجدے سے ویسے ہی عظمت پیغمبرؐ اور عظمت دین پیغمبرؐ کو حسینؑ نے پہچنوایا اپنے سجدہ سے تاکہ اندازہ ہوجائے کہ سجدہ کو رہنا چاہئے کہ جب نبیؐ کا سجدہ رہ گیا تو میری عظمت کو پہچانا گیا اور جب میرا سجدہ رہ جائے گا تو نبیؐ کی عظمت کو پہچانا جائے گا۔ عظمت دین عظمت حسینؑ۔ عظمت پیغمبرؐ سجدہ کے مٹ جانے سے نہیں ہے سجدہ کے رہ جانے سے ہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جسکو مختلف شعراء نے اپنے اپنے انداز سے بیان کیا ہے جسنے حسینؑ کے سجدہ کی تعریف اسی لئے کی کہ حسینؑ کے سجدہ نے عظمت پیغمبرؐ کو پہچنوایا ہے عظمت بندگی کو پہچنوایا ہے حسینؑ کے سجدہ ہی نے اسلام کو روک کے رکھا ہے۔ میرؔ نے حسینؑ کے سجدہ کو خراج عقیدت پیش کیا۔

زیر شمشیر ستم میرؔ تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا

وہ سجدہ ہے جس نے دین کو بچا کے رکھا ہے۔ خیر میرؔ تو اپنے ہی تھے۔ میرؔ ہی تھے

ہمارے ہندوستان کے اہلسنت شاعر نظیر بنارسی نے عجیب بات کہی ہے۔

ترے شمشیر سجدہ اور اتنا معتبر سجدہ
بنا او بے نیاز اب بندگی کا اعتبار آیا

یہ سجدہ اعتبار بندگی ہے یہ سجدہ ادائے تسلیم ہے۔ پیام اعظمی کہتے ہیں۔

مانا کہ نماز علوی کی خاطر  خورشید سر شام پلٹ آیا تھا!
لیکن ترے اک سجدہ کی اثر کشش  جاتا ہوا اسلام پلٹ آیا تھا! صلوات

یہ سجدہ حسینؑ بن علیؑ ہے۔ اعتبار محبت یہی سجدہ۔ اعتبار بندگی یہی سجدہ۔ ادائے تسلیم یہی سجدہ۔ بقائے نماز یہی سجدہ۔ دین کی بقا یہی سجدہ۔ سجدوں کے مٹ جانے سے دین رہنے والا نہیں ہے۔ سجدوں کے رہ جانے سے دین رہنے والا ہے! اسی لئے پیغمبرؐ نے سجدہ کو طول دیدیا کے تاکہ دنیا حسینؑ کو پہچان لے۔ اور حسینؑ نے سجدہ کو طول دیا تھا تاکہ دنیا دین کو پہچان لے۔ کوئی ایک سجدہ کائنات میں ایسا نہیں ہے جیسا سجدہ حسینؑ نے کیا۔ ہر سجدہ گذار کو پیشانی خاک پر رکھتے بھی دیکھا اور پیشانی کو خاک سے اٹھاتے بھی دیکھا لیکن یہ تنہا ایک سجدہ تھا حسینؑ بن علیؑ کا جہاں پیشانی خاک پر رکھتے ہوئے تو دیکھا۔ مگر پھر حسینؑ کو سر اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اگر سجدہ حسینؑ بن علیؑ کو تسلیم محبت کی نشانی کہا گیا ہے تو اس سجدہ کو کیا کہا جائے گا جو کڑیل جوان کے لاشہ کو دیکھنے کے بعد حسینؑ خدا کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ اے پروردگار ایسی سخت مصیبت میں کونسا بندہ ہوگا جو ایسی مصیبت کو برداشت کرے



اور ایسی مصیبت پر صبر کرے گا۔ مگر میرے مالک یہ تیرا کرم ہے کہ تو نے یہ صبر حسینؑ کو دیا ہے (بس عزیزو آپ متوجہ ہو گئے ہیں انشاءاللہ بس پانچ منٹ ذکر مصائب کرونگا اور آپ مثاب ہوں گے) اس لئے کہ کل کے حالات الگ تھے آج کے حالات الگ ہیں۔ کل اگر میں حبیب یا زہیر جیسے بزرگوں کا ذکر کر رہا تھا تو مجھے مجمع میں چند ہی بزرگ دکھائی دیتے تھے۔ کل میں قاسمؑ کی یتیمی کا ذکر کر رہا تھا تو مجھے مجمع میں چند ہی بچے نظر آرہے تھے۔ لیکن ماشاءاللہ آج میرے سامنے جوانوں کی کثرت ہے اور آج ایک کڑیل جوان کا ماتم ہے لہٰذا آپ کو رونا بھی ہے اور مجھے ذکر مصائب کرنا بھی ہے۔ واقعات آپ سنتے رہتے ہیں۔ شاید میں واقعات تو گذارش نہ کرسکوں گا مگر ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں شاید بہت سے بچوں نے نہ سنا ہو۔ یا اس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ علی اکبرؑ کا غم حسینؑ کے لئے کیسا تھا۔ فقط یہ نہ سوچیں کہ ایک بیٹے کا غم باپ کے لئے کیسا ہوتا ہے۔ ایک کڑیل جوان کا غم اس کے باپ کے لئے کیسا ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے مقام پر صحیح ہے لیکن حسینؑ جیسا صابر کربلا میں کتنے مصائب برداشت کئے۔ اولین و آخرین میں کوئی مثال نہیں ہے۔ تین دن کی بھوک۔ تین دن کی پیاس۔ بچوں کی آوازِ العطش۔ جاں نثاروں کی قربانیاں۔ اصحاب و انصار کے گلے کٹتے رہے۔ گود کے پالے جاتے رہے۔ سب قربان ہوتے رہے۔ مگر حسینؑ ہر منزل پر خاموش رہے۔ صبر کرتے رہے۔ مصیبت کو برداشت کرتے رہے ایک حرف بد دعا مظلوم کربلا کی زبان پر نہیں آیا (میں ایک بات کہہ رہا ہوں سنئے) آپ

مقتل پڑھے گا تاکہ آپ کو علی اکبرؑ کے غم کا اندازہ ہو سکے۔ اتنے مصائب کربلا میں حسینؑ کے دل نازنین پر گذر گئے۔ مگر حسینؑ نے ایک حرف بددعا زبان پر لانے کا ارادہ نہیں کیا مگر جب کڑیل جوان بیٹے کو میدان میں بھیجا اور ابن سعد پر نگاہ پڑ گئی تو فرمایا۔ قطع اللہ رحمک۔ اللہ تیری نسل کو قطع کرے جیسے تونے میرے لال کو قتل کیا تونے میرے جوان بیٹے کو مجھ سے چھڑا دیا ہے۔ اللہ تجھ کو تیرے بستر پر ذبح کرائے۔ ہائے میرے دل سے تو پوچھو کہ میرا جوان جا رہا ہے مجھ پر کیا گذر رہی ہے۔ عزیزو یہ ایک موقع تاریخ میں ایسا ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علی اکبرؑ کے جانیکے بعد حسینؑ کے دل پر کیا گذر رہی تھی کہ حسینؑ سے صابر کی زبان پر حرف بددعا آگیا اور سوچئے جب باپ کا یہ عالم ہو تو ماں کا کیا عالم ہوگا اسی لئے یہ روایت کہتی ہے کہ جب کڑیل جوان کو میدان میں بھیجنے کا ارادہ کیا تو پہلے فرمایا علیؑ۔ بڑا ابھی مت جاؤ۔ پہلے خیمے میں جاؤ۔ جا کے خیمے سے رخصت ہو کے آؤ۔ ماں کو سلام کر کے آؤ۔ پھوپھی کو الوداع کہہ کے آؤ۔ علی اکبرؑ خیمے کے اندر آئے۔ باپ کا حکم ہے رخصت ہونے کے لئے آئے ہیں۔ آئے اور آ کے کھڑے ہو گئے ماں کے سامنے۔ اجازت دیدیجئے میدان میں جانے کی۔ ماں کیا پھوپھی نے اجازت دیدی ہے کہا نہیں پہلے آپ فرمایئے۔ کہا میں کیا کہنے والی ان کے پاس جاؤ جنھوں نے ناز و نعم سے پالا ہے۔ مشققتوں سے پالا ہے۔ آئے اور آ کے پھوپھی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ بابا نے تو میدان میں جانے کا اذن دیدیا ہے مگر فرمایا ہے جاؤ خیمے سے رخصت ہو کے آؤ۔ پھوپھی اماں آپ کیا فرماتی ہیں۔ زینبؑ



نے سر سے پیر تک علی اکبرؑ کو دیکھا کس زبان سے کہیں بیٹا جاؤ۔ مگر کیسے کہیں کہ نہ جاؤ۔ پھوپھی اماں بتایئے کہ کیا ارادہ ہے؟ زینبؑ خاموش ہیں۔ کہا اچھا اگر آپ اجازت نہ دیں گی تو میں نہ جاؤں گا مگر ایک بات پھر کہہ رہا ہوں کہ اگر محشر میں یہ سوال اٹھے کہ حسینؑ زیادہ عزیز تھا یا علی اکبرؑ تو پھوپھی اماں دادی کو میں جواب نہ دونگا آپ ہی جواب دیجئے گا۔ بس یہ سننا تھا کہ زینبؑ نے کہا جاؤ۔ بیٹا جاؤ۔ جاؤ میرے ماں جائے پر قربان ہو جاؤ۔ اب جو مڑ کے ماں کو دیکھا تو آواز آئی جب پھوپھی نے رخصت کر دیا تو میں کون روکنے والی۔ جاؤ علی اکبرؑ خدا حافظ۔ جاؤ میرے لال خدا حافظ۔ ماں نے رخصت کیا۔ پھوپھی نے رخصت کیا۔ علی اکبرؑ چلے۔ خیمے کے اندر کی باتیں تو ظاہر ہے وہی افراد بیان کر سکتے ہیں جو آل محمدؐ کے گھر کے مزاج کو پہچانتے ہوں۔ مگر باہر کا منظر تو راوی بھی دیکھ رہا ہے دیکھا علی اکبرؑ نکلنا چاہتے ہیں خیمے کا پردہ اٹھا اور ایک مرتبہ پردہ گر گیا۔ علی اکبرؑ اندر چلے گئے۔ دوبارہ پھر خیمے کا پردہ اٹھا علی اکبرؑ نکلنا چاہتے ہیں کسی نے دامن پکڑ کے کھینچ لیا پھر واپس ہو گئے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا سات مرتبہ خیمے کا پردہ اٹھا اور گرا۔ علی اکبرؑ باہر آنا چاہتے ہیں مگر کوئی دامن پکڑ کے کھینچ لیتا ہے۔ پھر پلٹ جاتے ہیں۔ اے اولاد والو روایت میں کسی کا نام تو نہیں صرف تصور ہے آپ بھی میرے ساتھ چلیں اور سوچیں آخر جب ماں نے رخصت کر دیا۔ پھوپھی نے رخصت کر دیا تو کون ہے جو علی اکبرؑ کو بار بار روک رہا ہے۔ مقاتل میں مجھے کسی کا نام تو نہیں ملا مگر ایک خیال آتا ہے کہ اگر کسی

بزرگؑ نے روکا ہوتا تو بازو تھاما ہوتا۔ بازو تھام کے روکا ہوتا۔ یہ دامن پکڑ کے
کون روک رہا ہے۔ عجب نہیں جب اکبرؑ جانا چاہتے ہوں تو چھوٹی بہن بڑھ کر دامن
تھام لیتی ہو۔ بھیا کہاں جا رہے ہو!! علی اکبرؑ خیمے سے نکلے جیسے بھرے گھر سے جنازہ نکلتا
ہے۔ بابا کے سامنے آ کے کھڑے ہوئے۔ حسینؑ نے سجایا۔ آراستہ کیا۔ بازو تھام کے
گھوڑے پر بٹھایا۔ کہا جاؤ میرے لال جاؤ علی اکبرؑ بس ایک بات کا خیال رکھنا کہ
جب تک میرا تمہارا سامنا ہے مڑ مڑ کے دیکھتے رہنا (ہاں رونے والو بہت روئیں
گے آپ بس دو چار منٹ اور) جب تک ہمارا تمہارا سامنا رہے مڑ مڑ کے دیکھتے رہنا
علی اکبرؑ رخصت ہو کے چلے حسینؑ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ خدایا گواہ رہنا
وہ جا رہا ہے جو صورت میں بشر ہیں۔ رفتار و گفتار میں میرے نانا کی شبیہ تھا۔
خدا جب میں نانا کو دیکھنا چاہتا تھا تو علی اکبرؑ کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ اب تصویر پیغمبرؐ
خاک میں ملنے جا رہی ہے۔ رخصت کر دیا۔ علی اکبرؑ چلے ابھی تھوڑی دور آگے بڑھے
تھے کہ ایک مرتبہ آہٹ محسوس کی۔ اب جو مڑ کے دیکھا تو دیکھا کہ ضعیف باپ گرتا
چلا آ رہا ہے۔ آواز دی بابا! آپ نے تو رخصت کر دیا تھا اب آپ کیوں آ رہے
ہیں؟! کہا بیٹا اگر تم صاحب اولاد ہوتے تو یہ اندازہ ہوتا کہ جوان بیٹے کو رخصت
کرنے کے بعد ایک باپ کے دل کا کیا عالم ہوتا ہے۔ اچھا جاؤ علی اکبرؑ جاؤ (دس
عزیزو میں نے بیان کو سمیٹ دیا۔ ایسے واقعات گذارش نہ کر سکوں گا انشاء اللہ کل
کی رات اذان علی اکبرؑ کے ذیل میں کچھ باتیں گذارش کروں گا) تو علی اکبرؑ میدان



میں آئے۔ کیسے پلٹ کے آئے۔ کیسے دوبارہ گئے۔ کچھ گذارش نہ کروں گا۔ حسینؑ
کا بیٹا مصروف جہاد ہے۔ تین دن کی بھوک۔ تین دن کی پیاس۔ زخموں سے چور
دو سو ظالموں کو علی اکبرؑ نے تن تنہا تہ تیغ کیا۔ بڑے بڑے پہلوان آتے رہے علی اکبرؑ
فی النار کرتے رہے۔ بڑے بڑے بہادر آتے رہے علی اکبرؑ انکا خاتمہ کرتے رہے
مگر ایک مرتبہ ایسی منزل مصیبت آئی کہ اب آؤ دیکھو علی اکبرؑ پر کیا گذر گئی۔ حسینؑ کا
جوان بیٹا مصروف جہاد ہے۔ جب ابن سعد نے دیکھا کہ ایک کڑیل جوان اتنے
افراد تہ تیغ کر چکا اور علی اکبرؑ کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو حکم دیا کہ سارے فوجی آگے
بڑھیں اور چاروں طرف سے گھیر لیا جائے۔ چاروں طرف سے ظالم آگے بڑھے،
ایک مرتبہ علی اکبرؑ کے جسم پر ایک تیر آ کے لگا۔ جیسے ہی ایک تیر آ کے لگا اکبرؑ نے
سر جھکا لیا۔ جیسے ہی سر جھکایا ویسے ہی سر پر وار ہوا۔!! اب ایک طرف سر سے خون
جاری ہے ایک طرف سینے سے خون جاری ہے۔ علی اکبرؑ نے دیکھا کہ اب سنبھلنا
ممکن نہ ہوگا اب میں اپنے ارادہ سے خیمہ کی طرف جانا چاہوں تو نہ جا سکوں گا! اکبرؑ
نے گھوڑے کے گلے میں باہیں ڈالدیں اور جھکتے جھکتے آواز دی بابا آپکو زحمت
تو نہ دوں گا مگر میرا آخری سلام لے لیجے" یا ابتاہ علیک منی السلام" سلام آخر
کیا۔ گھوڑے کے گلے میں باہیں ڈالدیں اور چاروں طرف سے تلواروں والے
بڑھے روایت کہتی ہے اب جو گرتے پڑتے حسینؑ مقتل میں پہونچے اور اپنے کڑیل جوان
کے لاشہ کو دیکھا تو کوئی جگہ ایسی نہ تھی جس کو حسینؑ بوسہ دے سکیں" قطعہ قطعہ

بسیوفھم اد بٓا اد بٓا" اکبرؑ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ حسینؑ نے کلیجہ سے لگالیا اے میرے لال۔ اے میرے لال تیرے بعد اس زندگانی دنیا پر خاک ہے۔ آپ حسینؑ کیا کریں۔ چاہتے ہیں کہ لاش کو خیمہ کی طرف لے جائیں مگر عزیزو تنہا ایک ہی مسئلہ نہیں ہے کہ کمر ٹوٹ گئی ہے۔ بس اسی مصیبت کو سوچو اور سوچتے رہو جو میں عرض کر رہا ہوں تنہا ایک مسئلہ نہیں ہے کہ جوان کا لاشہ ضعیف باپ۔ تنہا ایک مسئلہ نہیں ہے کہ باپ کی کمر ٹوٹی ہوئی ہے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ لاش اٹھائیں کیسے (سوچ رہے ہو میرے جوانوں) ارے لاش ہو تو اسکو اٹھائیں مگر جس پر تلواروں کے اتنے وار ہوگئے ہوں۔ حسینؑ اس لاشے کو کیسے اٹھائیں آواز دی اے بنی ہاشم کے بچو آؤ۔ مجھے سہارا دو۔ مقتل میں ایک فقرہ ہے اور تو کسی کو نہ دیکھا ایک مرتبہ کانوں میں آواز آئی بھیا میں آگئی۔ ارے زینبؑ تم کیوں آگئیں؟ کہا:۔

لاشہ بے بَرابر کا بھیا سے نہ اٹھے گا!

میں پالنے والی ہوں گودی میں اٹھالونگی

زینبؑ پلٹ جاؤ ابھی حسینؑ زندہ ہے۔ اس کے بعد جلتے خیمے۔ لٹتی چادریں۔ وا

محمداہ واعلیاہ

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون



بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مجلس ۱۰

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین الذین اذھب اللہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا اما بعد فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

حسین منی وانا من حسین

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا اسکو دوست رکھے جو میرے حسینؑ سے محبت کرے!! سرکار دو عالم کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں جو سلسلۂ کلام آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا اس کے دسویں مرحلہ پر بہت سی باتیں اپنے گذشتہ موضوع کی تکمیل سے متعلق گذارش کرنا تھیں مگر وقت اتنا زیادہ گذر چکا ہے کہ اب کسی تفصیلی بیان کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے۔ درحقیقت میرے اس موضوع کے دو حصے تھے ایک کا تعلق امام حسینؑ کی عظیم

شخصیت سے تھا اور ایک کا تعلق امام حسینؑ کے افکار و نظریات، کارنامے اور ان امتیازات سے تھا جن کی بنا پر آج بھی دنیا بآسانی فرزند رسولؐ کو پہچان سکتی ہے۔ لیکن یہ ساری مجلسیں موضوع کے ایک ہی حصے سے متعلق تمام ہوگئیں اور اس حصے کا حق بھی حقیقتاً ادا نہ ہوسکا۔ انشاءاللہ اگر زندگی رہی تو موضوع کے دوسرے حصہ سے متعلق آئندہ سال اپنے معروضات پیش کروںگا چونکہ اس مجلس میں حسبِ روایات آپ کے تعاون کا مظاہرہ ہوتا ہے اور اب اس بات کا موقع بھی نہیں رہ گیا ہے کہ تقریر کے دوران بیان کو روک کے اس عمل کو انجام دیا جائے۔ لہٰذا آپ کے حوصلہ کا خیال رکھتے ہوئے میں ابتدا ہی میں چند لمحوں کے لئے مزید اپنی تقریر کو روک رہا ہوں تاکہ آپ جس کارِ خیر میں حصہ لینا چاہتے ہیں اس سے محروم نہ ہوجائیں۔ یہ آپ کو خیال رہے کہ اگر آپ نے مرکز کے کرائے کی ادائیگی میں تعاون فرمایا ہے تو وہ الگ ایک مسئلہ ہے ان مجالس کی ذمہ داری الگ ہے۔ مجالس کے مصارف اور اخراجات الگ ہیں۔ مرکز کا کرایہ الگ ہے اگر آپ نے اس شعبہ میں حصہ لیا ہے تو اس میں بھی حصہ لینا ضروری ہے اور اگر آپ مجالس کے اخراجات میں حصہ لے رہے ہیں تو مرکز کے کرایہ کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے!! ایک بہت آسان سی بات ہے جو ہر آدمی کے سامنے ہے۔ آپ انصاف سے بتائیں کہ اگر ایک مجلس آپ کو بذاتِ خود براہ راست منعقد کرنا ہو فرزندِ رسولؐ کی یاد میں اور اتنا بڑا مجمع



آپ کو فراہم ہوجائے اس مجلس میں شرکت کرنے کے واسطے تو آپ بتائیں کہ اس مجلس کے لئے آپ کن امکانات کا مظاہرہ کریں گے۔ اور کتنا خرچ کریں گے۔ کیا یہ کوئی انصاف کی بات ہے کہ کوئی آدمی یہ تصور کرے کہ اتنا بڑا فرش عزا اتنا بڑا اہتمام و انتظام یہ ہمارے دس بیس پچاس درہم کے تعاون سے انجام پاسکتا ہے۔ اس کے لئے سنجیدگی سے آپ کو اور ہمیں غور کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ یہ فرش عزا آپکا محتاج نہیں ہے خبردار کسی کے دل و دماغ میں یہ خیال نہ آنے پائے۔ حسینؑ نہ کل کسی کے محتاج تھے نہ آج کسی کے محتاج ہیں۔ ہمارا پیسہ اس بات کا محتاج ہے کہ حسینؑ کی راہ میں صرف ہوجائے تو کم سے کم اتنا تو اطمینان ہوجائے کہ کسی غلط راستہ پر نہیں گیا ہے۔ کم سے کم اتنا سکون تو ہوجائے کہ اسی کی راہ میں لگایا ہے جس سے سال بھر لیا ہے۔ بلکہ زندگی بھر لیا ہے اگر ان کا صدقہ کھاتے رہے ہیں تو اس فرش عزا کے بچھانے میں ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ نہ کوئی چندہ ہے نہ کوئی امداد ہے۔ یہ فریضہ کی ادائیگی ہے جو ہر صاحب ایمان کی ذمہ داری ہے جو اسمیں حصہ نہ لے گا وہ سمجھے کہ اس نے حقِ حسینؑ میں کوتاہی کی ہے اسے یہ خیال رہنا چاہیئے کہ اس نے اپنے فریضہ کو ادا نہیں کیا ہے۔ لہٰذا اسوقت آپ کے امکان میں ہے تو ابھی۔ اور اگر نہیں ہے تو اس کے بعد۔ لیکن خبردار شیطان کسی کے ذہن میں وہ تصور نہ پیدا کرادے جو عام طور سے پیدا کرادیتا ہے۔ کہ انسان کارِ خیر میں حصہ لینا چاہتا ہے تو جیب میں ہاتھ ڈالنے کے بعد جو کچھ نکالتا

ہے اس میں دیکھتا ہے کہ جو سب سے چھوٹا سکہ ہے وہ راہ خدا میں دیدیا جائے
یعنی جب اس سے لینا ہو تو سب سے زیادہ لیا جائے اور جب دینا ہو تو اس
کی راہ میں سب سے کم دیا جائے۔ اس کا نام کارِ خیر نہیں ہے۔ یہ ایک وسوسۂ شیطانی
ہے جو انسانوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ تقاضائے عدل و انصاف اور تقاضائے
حق و صداقت یہ ہے کہ لیتے وقت بغیر مانگے لیا ہے تو جیسے وہ بغیر مانگے دیتے ہیں ویسے
ہی انکی راہ میں بغیر مانگے دیا جائے۔ صلوات

مرکز کے اسکاوٹ آپ کے سامنے آرہے ہیں آپ حضرات اس کارِ خیر میں حصہ
لیں)

میں جو اپنے معروضات آپ کے سامنے پیش کر رہا تھا اس کے بارے میں
آج دو باتیں گذارش کرنے کا ارادہ تھا اور کوشش کرونگا کہ درمیان بیان ان دو
باتوں کی طرف اشارہ سہی مگر کوئی تذکرہ ضرور آجائے۔ ایک مسئلہ یہ تھا کہ اگر سرکارِ دو عالم
نے اپنے قول سے، اپنے عمل سے اور اپنے ردِ عمل سے عظمت حسینؑ کا اعلان کیا ہے
تو اس دور کے بزرگترین افراد نے واقعاً عظمت حسینؑ کو پہچانا بھی ہے یا نہیں
اور صحابہ کرام نے سرکارِ دو عالم سے عظمت حسینؑ کے بارے میں کیا سیکھا ہے! یہ ذکر
اس لئے ضروری ہے کہ امت اسلامیہ کے پاس یہی تین عنوان ہیں عظمتوں کے
پیغمبرؐ یا اہلبیتؑ یا اصحاب کرام۔ درمیان میں اہلبیتؑ کی شخصیت ہے۔ ایک طرف پیغمبرؐ
کی زبان پر اہلبیتؑ کا قصیدہ ہے اور دوسری طرف اصحاب کی نگاہ میں اہلبیتؑ کا



احترام ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں مسلمان کے سامنے ہیں اور اس کے بعد بھی
کوئی مسلمان عظمت اہلبیتؑ کو نہیں پہچانتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نہ اس نے
پیغمبرؐ کے احترام کا حق ادا کیا ہے اور نہ واقعاً صحابہ کرام کی عظمت کو پہچانا ہے
دوسرا مسئلہ امام حسینؑ کی حیثیت، اقوام عالم کی نگاہ میں ہے جو عالم اسلام سے باہر
ہیں۔ انھوں نے حسینؑ کے کارناموں کو سننے کے بعد ان کی کس عظمت و بزرگی
اور بلندی کا اقرار کیا ہے!! یہ دو باتیں ہیں جو درمیان گفتگو آنے والی ہیں لیکن
میں اس سے پہلے دو ایک سوالات ہیں جو ان مجالس کے دوران سامنے آئے
ہیں ان کے بارے میں نہایت ہی مختصر گذارش کر کے آج کی شب کے اعتبار
سے ذکر مصائب کچھ تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔!!
تین مسئلے ہیں جو گذشتہ نو دنوں کی تقریر کے نتیجہ میں سامنے آئے ہیں!! ایک
مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے سارے بیانات سے یہ تو اندازہ کر لیا کہ اہلبیتؑ یا امام حسینؑ
ایک باعظمت شخصیت کے مالک ہیں لیکن اس سے یہ بات کہاں معلوم ہوتی
ہے کہ امام حسینؑ یا اہلبیتؑ معصوم بھی ہیں!! دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امام حسینؑ کے
جو کارنامے اور امام حسینؑ کے فضائل و مناقب جو قرآن مجید کی آیات یا سرکارِ دو عالم
کے ارشاد کی روشنی میں سامنے آئے ہیں ان سارے بیانات کو سننے کے بعد
شہادت امام حسینؑ کے بارے میں امت اسلامیہ کا ردِ عمل کیا ہونا چاہیئے تھا اور
اس شہادت کے ساتھ امت کا برتاؤ کیا ہونا چاہیئے؟ پیغمبرؐ کے ارشادات سے

مسلمان کیا سمجھا ہے۔ قرآنی بیانات کا نتیجہ کیا ہے؟ کہ اگر حسینؑ دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ اور انھیں مظلومیت کے ساتھ شہید کر دیا جائے۔ اُن کے سارے گھر کا خاتمہ کر دیا جائے تو اس کے نتیجہ میں مسلمان کو کیا کرنا چاہیئے؟ اور وہ محبت جس کے لئے پیغمبرؐ نے دعا کی ہے کہ جو حسینؑ سے محبت کرے خدایا تو اس سے محبت کرنا۔ اس محبت کا تقاضا کیا ہے؟ اور اس دن کو روزِ غم و الم و حزن قرار دیا جائے یا معاذ اللہ یہ کوئی خوشی اور مسرت کا دن ہے کہ جس دن سارے عالم اسلام کو خوش ہونا چاہیئے؟ نہ میں اپنے جذبات کا ذکر کروں گا۔ نہ میری نگاہ میں کسی مسلمان کے جذبات کی کوئی قدر ہے کہ جسکا جی چاہے ہنسے اور جس کا جی چاہے روئے۔ نہ مسلمان مسلمان کا امتی ہے۔ نہ مسلمان نے مسلمان کا کلمہ پڑھا ہے۔ ہمیں تو فقط یہ دیکھنا ہے کہ روزِ عاشور پیغمبرِ اسلام کا حال کیا تھا۔ اگر مسلمان کا حال روزِ عاشور وہی ہوتا ہے جو پیغمبرؐ کی کیفیت تھی تو یہ وفادار امتی ہے اور واقعاً مسلمان ہے لیکن اگر اس کا طرزِ عمل پیغمبرؐ کے کردار سے الگ ہو گیا تو یہ پیغمبرؐ کا امتی نہیں کہا جائے گا۔ چاہے کسی راوی کا ماننے والا کیوں نہ کہا جائے۔ ہم نے راوی کا کلمہ نہیں پڑھا ہے۔ ہم نے پیغمبرؐ کا کلمہ پڑھا ہے۔ ہم کسی بیان کرنے والے کے امتی نہیں ہیں۔ سرکارِ دو عالم کے امتی ہیں۔ ہم نے کسی مہمل کتاب پر اعتبار نہیں کیا ہے۔ ہم نے صحیح کتابوں پر اعتبار کیا ہے۔ لہٰذا دیکھنا ہوگا کہ سرکارِ دو عالم کا طرزِ عمل صحیح کتابوں کی روشنی میں کیا ہے؟ نہ ہمیں دنیا کے اخبارات سے کوئی



تعلق ہے اور نہ دنیا کے رسالوں سے کوئی تعلق ہے۔ نہ ہم مضمون نگاروں کے ماننے والے ہیں۔ نہ ہم کسی حکومت کے پرستاروں کے ماننے والے ہیں۔ نہ ہم دولت کے پجاریوں کے ماننے والے ہیں۔ نہ ہمیں دنیا سے کوئی تعلق ہے نہ کسی سے دوستی کرنے والے ہیں نہ کسی سے دشمنی کرنے والے۔ جس پیغمبرؐ کے ماننے والے ہیں اس پیغمبرؐ کا طرزِ عمل صحیح کتابوں کی روشنی میں عاشور کے موقع پر کیا ہے؟ اگر آج دو چار ایسے سمجھدار پیدا ہو گئے ہیں یا ناسمجھ پیدا ہو گئے ہیں جو دو چار مضامین تیار کر کے اسے عالم اسلام میں مشہور کرنا چاہتے ہیں تو یہ مضامین نہ سیرتِ پیغمبرؐ بنیںگے۔ اور نہ کردارِ پیغمبرؐ بنیں گے۔ نہ پلٹ کے یہ چودہ سو سال پرانے کردار بننے کے قابل ہیں۔ اب آیئے موضوعات کا تفصیلی جائزہ لیں!! پہلا مسئلہ جو عصمتِ حسینؑ یا عصمت اہلبیتؑ سے متعلق ہے۔ جتنی آیتیں میں نے پڑھی ہیں آپ ہر آیت کے مضمون پر غور کریں اور ہر طرح کے شبہ کو، وسوسہ کو، شک کو اور مختلف مقامات پر ہونے والی تقریروں کو ذہن سے نکال کے خالی آیات کے مضامین پر غور کریں۔ تو معلوم ہو گا کہ پروردگارِ عالم نے اعلان کیا ہے۔ اے اہلبیتؑ خدا کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے ہر رجس، ہر گندگی، ہر خباثت، ہر برائی اور ہر کمزوری کو دور رکھے اور تمھیں ویسا پاکیزہ بنائے جو حق طہارت ہے۔!! خدا اہلبیتؑ کو ویسا پاکیزہ رکھنا چاہتا ہے جو حق طہارت ہے۔ اب میرا سوال یہ ہے جس کی زندگی میں گناہ آ گیا۔ کیا وہ حق طہارت کی منزل پر ہے۔ کیا گناہ بھی طہارت

کا کوئی شعبہ ہے۔ ایک آدمی کے بارے میں ہم نے طے کیا کہ یہ انتہائی پاکیزہ
انسان ہے۔ جیسے ہی ہم نے تعریف کی یہ انتہائی پاکیزہ انسان ہے ایک صاحب
نے کہا کہ ہم نے تو خود ان کو پانچ پیسے چراتے دیکھا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی یہ پاکیزہ
ہیں۔ ہمیں اپنے بیان کو بدلنا پڑا اس لئے کہ جو چوری کرے گا وہ پاکیزہ نہیں
ہوگا۔ جو خیانت کرے گا وہ پاکیزہ نہیں ہوگا۔ بڑے پاکیزہ کردار ہیں فقط صبح کی
نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ یہ پاکیزہ کردار ہیں؟ کیا پاکیزگی کردار میں صبح کی نماز چھوڑنا
بھی شامل ہے۔!! بڑے پاکیزہ کردار ہیں مگر یتیموں، بیواؤں کا مال کھا جاتے ہیں
کیا پاکیزگی میں دوسروں کا مال کھا جانا بھی شامل ہے؟!! بڑے پاکیزہ کردار
ہیں مگر گھر میں خاموشی سے موقع پا کے گانے سنا کرتے ہیں۔ کیا گانا سننا بھی
پاکیزگی میں شامل ہے؟!! بڑے پاکیزہ کردار ہیں مگر جہاں دشمن کا مقابلہ ہوتا
ہے میدان چھوڑ کے چلے جاتے ہیں۔ کیا فرار بھی پاکیزگی کا کوئی حصہ ہے!!
یہ کسی بڑے پڑھے لکھے مسلمان سے پوچھے گا کیا کوئی گناہ بھی پاکیزگی کردار کا
حصہ ہے؟ کیا گناہ کو بھی پاکیزگی کہا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی گناہ کو پاکیزگی کہتا ہے
تو اصل میں وہی انسان ہے جسکا نفس پلید ہے۔ ورنہ اسلام میں جائز امور
مستحب کام، اور واجبات پاکیزگی کے حصے ہیں۔ گناہ، معصیت، حرام کام
نقص، عیب یہ کثافتوں کے حصے ہیں۔ طہارتوں کے حصے نہیں ہیں۔ تو
ہم نے پاکیزہ کہہ دیا جب اس کی پاکیزگی نہ واجبات کے چھوڑنے کو برداشت



کرتی ہے۔ نہ گناہوں کے کرنے کو برداشت کرتی ہے۔ نہ حرام کو برداشت
کرتی ہے۔ نہ برائی کو برداشت کرتی ہے تو خدا جس کو طیب و طاہر کہہ دیگا
اگر اس کی زندگی میں ایک گناہ بھی شامل ہو جائے تو بیان خدا کا کیا اعتبار
رہ جائے گا۔ اور جب زندگی سے اچھائی جانے نہ پائے گی اور برائی آنے نہ
پائے گی تو اسی کو معصوم کہا جائے گا۔ صلوات

مشکل یہ ہے کہ مسئلہ الجھ گیا ہے بجائے اس کے کہ قرآن سے شخصیت کو
پہچانا جاتا شخصیت سے قرآن کو پہچانا جانے لگا۔ ہم نے طے کر لیا کہ اہلبیت سے مراد
ہم ہیں اور ہماری زندگی میں دس خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا جس کے کوئی
ایسے معنی ہونا چاہئیں جسمیں دس برائیوں کی گنجائش ہو تاکہ ہم اہلبیت بنے رہیں
اسی بنیاد پر قرآن کے معنی طے کیجئے تاکہ ہماری جگہ رہے۔ ہمیں دیکھ کے قرآن
کے معنی طے کیجئے گا تاکہ ہماری گنجائش رہے ورنہ ہماری کوئی جگہ نہیں
رہ جائے گی!! بھلا سوچئے یہ کون سا قانون اسلام ہے۔ اسلام میں قانون سے
شخصیت طے ہوتی ہے شخصیت سے اسلام نہیں طے ہوتا ہے۔ جو قرآن نے
معیار دیا جو اس معیار پر پورا اتر آئے سمجھو وہی صاحب کردار ہے جو پورا نہ اترے
اسے الگ کر دو۔ قرآن کو الگ نہ کرو۔ قرآن نے کہا سچوں کے ساتھ
رہو دنیا میں کون نہیں جانتا کہ سچوں کے معنی کیا ہوتے ہیں۔ لیکن ہم چاہتے
ہیں کہ ہم بھی سچے کہے جائیں جبکہ دس مرتبہ جھوٹ بول چکے ہیں۔ کیا اب

صادقین کے ایسے معنی طے کئے جائیں جسمیں دس جھوٹ کی گنجائش ہو۔ کیوں اس لئے کہ ہم کو صادقین بننے کا شوق ہے۔ عزیزو ہمارے صادقین بننے سے قرآن کے معنی طے نہیں ہوں گے۔ قرآن کے معنی سے صادقین تلاش کرو کہ اگر ایک جھوٹ بول دینے والے کو ہم سچا نہیں کہہ سکتے تو ایک جھوٹ بول دینے والے کو خدا کیسے صادق کہیگا۔ خدائی معیار دیکھ کے انسانوں کو تلاش کرو انسانوں کی زندگیاں دیکھ کے خدائی معیار طے نہ کرو۔ اس لئے کہ بندے خدا کے بندے ہیں خدا بندوں کا بندہ نہیں ہے۔ صلوات

ہمیں اپنا بچہ انتہائی عزیز ہے۔ ہر باپ کو اپنا بیٹا پیارا ہوتا ہے۔ ہر ماں کو اپنا بیٹا عزیز ہوتا ہے لیکن جیسے ہی بچے نے کوئی شرارت کی ماں محبت بھول گئی طمانچہ مارنے کے لئے تیار ہو گئی۔ اس لئے کہ مسئلہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ اس سے محبت کریں یا شرارت سے محبت کریں۔ یعنی جتنی دیر تک شرارت نہ کرے گا قابل محبت رہے گا جیسے ہی زندگی میں ایک شرارت آئی ماں محبت بھول گئی باپ محبت بھول گیا۔ رشتہ دار بھول گئے۔ یعنی محبت اسی سے کی جاتی ہے جس کے کردار میں عیب نہ ہو تو اگر ایک عیب دیکھ لینے کے بعد باپ محبت بھول جاتا ہے۔ ماں محبت چھوڑ دیتی ہے۔ استاد محبت چھوڑ دیتا ہے تو یہ خدا کیسا ہے کہ گنہگار کی محبت کو اجر رسالت بنا رہا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ پروردگار کسی گنہگار سے محبت کرنے کا حکم دیدے؟ جب خدا محبت کرنے کا حکم دے گا تو بندے کو معصوم



ہونا چاہیئے تاکہ ہر رُخ سے قابل محبت ہو اور کسی رُخ سے قابل نفرت نہ ہونے پائے۔ جب پروردگار نے کہا کہ یہ پیغمبرؐ کے قرابتدار ہیں جن سے محبت کرنے کو میں نے فرض کیا ہے۔ میں نے رسالت کی اجرت قرار دیا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ اللہ کے معصوم بندے ہیں ورنہ اگر معصوم نہ ہوتے تو کبھی قابل محبت نہ ہوتے۔ کبھی قابل نفرت ہوتے اور کبھی محبت کے لائق ہوتے مگر خدا نے یہ نہیں کہا کہ کبھی محبت کرو اور کبھی نہ کرو بلکہ اس نے صاف کہدیا ہے کہ ان سے محبت کرنا ہی ہے تو اگر محبت کرنا ہی ہے تو اس حکم کے دینے سے پہلے ایسا پاکیزہ کردار بنانا چاہیئے جس کا ہر رُخ محبت کے لائق ہو اور کوئی رُخ عداوت کے قابل نہ ہو۔ آیۂ مودت تنہا اہلبیت کی محبت کا اعلان نہیں ہے بلکہ اہلبیت کی عصمت کا بھی اعلان ہے۔ آیۂ تطہیر تنہا پاکیزگی کا اعلان نہیں ہے بلکہ عصمت کا بھی اعلان ہے!! آیئے اب مباہلہ کے میدان میں دیکھیں۔ پیغمبرؐ جن افراد کو لے جا رہے ہیں تاکہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں اگر انمیں سے کسی نے زندگی میں ایک دفعہ بھی جھوٹ بول دیا ہے اور پیغمبرؐ اسے لے آئے فنجعل لعنة اللہ علی الکاذبین" تاکہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں تو اگر دنیا میں ایک لاکھ خبریں پائی جاتی ہیں اور جو قافلہ پیغمبرؐ کے ساتھ آیا ہے وہ ۹۹ ہزار ۹ سو ۹۹ خبریں صحیح بیان کرنے والا ہے صرف ایک خبر میں غلط بیانی کی ہے تو جب لعنت کا بٹوارہ ہوگا تو ۹۹ ہزار ۹ سو حصے دشمن کی طرف جائیں گے لیکن ایک حصہ تو

ادھر بھی آجائے گا۔ اس لئے کہ ایک جھوٹ ادھر بھی ہے اب آپ سمجھے کہ پیغمبرؐ نے اتنی بڑی بستی میں سے صرف چار افراد کو کیوں نکالا ہے۔ اگر مسئلہ خالی سچے لوگوں کا ہوتا تو کون کہیگا کہ مسلمان جھوٹے ہیں۔ کون کہیگا ابوذر جھوٹے ہیں۔ کون کہیگا مقداد جھوٹے ہیں۔ سچے تو بہت تھے لیکن سچے نہیں چاہئیں ایسے سچے چاہئیں جو جھوٹوں پر لعنت کرنیکے قابل ہوں۔ تو ایسا صاحب کردار جسکی زندگی میں ایک غلطی، ایک غلط بیانی نہ ہو معصوم نہ کہا جائے گا تو اور کیا کہا جائے گا۔ تو جہاں سے بھی آپ حساب لگائیں گے آیۂ تطہیر دیکھیں عصمتِ اہلبیت کا اعلان۔ آیۂ مودت کو دیکھیں عصمتِ اہلبیتؑ کا اعلان۔ مباہلہ کی آیت کو دیکھیں عصمتِ اہلبیتؑ کا اعلان اور اس کے بعد پھر پروردگار نے صاف صاف واضح کر دیا کہ یہ جو عمل انجام دے رہے ہیں اس کے اخلاص کا میں ذمہ دار ہوں انما نطعمکم لوجہ اللہ اے آنے والے سائلو۔ اے فقیرو ہم تمکو لوجہ اللہ کھلا رہے ہیں۔ اللہ کے لئے کھلا رہے ہیں۔!! یہ کون کہہ رہا ہے پڑھ لیجئے قرآن مجید میں سورۂ ہل اتیٰ۔ ابھی تو خدا کہہ رہا تھا "یوفون بالنذر" یہ نذر کو پورا کرتے ہیں" ویخافون یوما" قیامت کا خوف رکھتے ہیں ویطعمون الطعام" یہ راہ خدا میں یتیم و مسکین و اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ یہ سب دوسروں کے عمل کا تذکرہ ہو رہا تھا اب یکبارگی "اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ" ہم کھلا رہے ہیں۔ یہ نون سے ہم کیسے ہو گیا جب سب وہ وہ چل رہا تھا تو کم سے کم اتنا ہی ہوتا کہ



یتیم و مسکین و اسیر کو کھلا دیتے ہیں اور اس کے بعد ان سے یہ کہتے ہیں کہ دیکھو ہمیں شکریہ نہیں چاہیئے ہم اللہ کے لئے کھلا رہے ہیں۔ کم سے کم ایک یقولون تو ہوتا کہ یہ کہتے ہیں مگر قرآن میں تو کہیں نہیں ہے۔ قرآن میں صاف صاف ہے کہ ہم کھلاتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ بات ہے اہلبیتؑ کے دل میں اور خدا آیت قرآن بنا کے اسکا اعلان کر رہا ہے۔ اب اندازہ ہوا کہ وہ افراد اور ہوتے ہیں جو اپنے خلوص کا اعلان خود کرتے ہیں ان کے یہاں ریاکاری کا شبہ بھی ہو سکتا ہے لیکن جنکے خلوص کا اعلان پروردگار کرتا ہے ان کی زندگی میں کمزوری، ریاکاری کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ صلوات

اب ایک بات انتہائی خطرناک عرض کر رہا ہوں اسے ذہن میں رکھیگا اور اگر کوئی پڑھا لکھا مسلمان مل جائے تو اس سے دریافت کیجیے گا کہ آیۂ تطہیر یا آیۂ مودت یا آیۂ مباہلہ یا سورۂ دہر سب مل کے اہلبیتؑ کی عصمت و طہارت کو ثابت نہیں کر سکتے ہیں تو پیغمبرؐ اسلام کی عصمت کو آپ نے کس آیت سے ثابت کیا ہے؟ اگر کوئی دشمن اسلام پلٹ کے پوچھ لے کہ یہ تو خالی مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ آپ مسلمان ہیں آپ کو کہنا ہی ہے۔ جیسے ہم اپنے پیغمبرؐ کے بارے میں کہتے ہی ہیں بلکہ ہم تو اپنے پیغمبر کے زیادہ مخلص ہیں کہ ہم تو برداشت نہیں کرتے کہ ہمارے پیغمبر کے بارے میں کوئی غلط بات کہی جائے آپ تو خود ہی بڑے گناہ تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کبھی اپنے پیغمبر کو جاہل کہتے ہیں۔ کبھی گنہگار کہتے

ہیں۔ کبھی خطا کار کہتے ہیں۔ اور آخر میں کہتے ہیں معصوم بھی ہیں۔!! عجیب و غریب بات ہے آپ عالم اسلام کی کتابیں پڑھیں کتنی بحثیں سامنے آئیں گی نبی بعثت سے پہلے گناہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ ایک نے کہا نہیں ایک نے کہا ہاں۔!! نبی بننے کے بعد گناہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ ایک نے کہا ہاں!! چھوٹا یا بڑا گناہ کر سکتا ہے؟ ایک نے کہا ہاں بس چھوٹے گناہ بڑے نہیں۔ ایک نے کہا بڑا بھی!! خالی گناہ کر سکتا ہے یا کافر بھی ہو سکتا ہے؟ ایک نے کہا نہیں ایک نے کہا ہاں!! اس کے معنی کیا ہوئے کہ قبل بعثت بھی گناہ کر سکتا ہے معاذ اللہ بعد بعثت بھی کر سکتا ہے!! چھوٹا والا بھی بڑا والا بھی بلکہ کفر بھی اور یہ سب کہنے کے بعد جب پوچھا نبی کے بارے میں عقیدہ کیا ہے۔ کہا حضورؐ معصوم تھے اب ہم سمجھے کہ اہلبیت میں شاید کوئی ایسی ہی عصمت ڈھونڈھ رہے ہیں اور وہ معصوم نہیں دکھائی دے رہے ہیں۔ کہ ان کے یہاں نہ کوئی چھوٹے گناہ مل رہے ہیں نہ بڑے گناہ مل رہے ہیں نہ کوئی کفر دکھائی دے رہا ہے نہ کوئی نفاق دکھائی دے رہا ہے۔ آپ ایسی عصمت کے قائل ہیں جسمیں ہزار گناہ مل جائیں اور ہم کسی ایسی عصمت کے قائل نہ پیغمبرؐ کے بارے میں ہیں اور نہ اہلبیت پیغمبرؐ کے بارے میں ہیں۔ صلوات

ہم تو سرکار کے بارے میں گناہ کا تصور کرنے والے کو بھی واقعی مسلمان نہیں سمجھتے ہیں تو جو پیغمبرؐ ہی کا اعتبار نہ کرے وہ کس بات کا مسلمان ہے اور



جو پیغمبرؐ کے قول و فعل کا اعتبار نہ کرے وہ کس کام کا مسلمان ہے۔ خالی کلمہ پڑھ لینے سے کوئی واقعی مسلمان نہیں ہوتا ہے۔ مسلمان وہ ہے جو پیغمبرؐ سے واقعاً عقیدت رکھتا ہو۔ پیغمبرؐ کا واقعی اعتقاد رکھتا ہو اور پیغمبرؐ پر واقعی اعتبار رکھتا ہو اور پیغمبرؐ کو ہر اعتبار سے طیب و طاہر پاک و پاکیزہ بے گناہ بے خطا بے سہو و بے نسیان تسلیم کرتا ہو اس سے ہٹ کے کوئی پیغمبرؐ کا ماننے والا نہیں ہے۔!!

دوسرا مسئلہ جو دو چار دن سے مسلسل لوگ ٹیلیفون سے دریافت کر رہے ہیں کہ یہ بتائیے روز عاشور کی اسلام میں کیا حیثیت ہے؟ ہم نے ایک روایت سنی ہے کہ روز عاشور ایک بابرکت دن ہے کہ اسی دن کہ جناب آدمؑ کی دعا قبول ہوئی ہے اسی دن جناب نوحؑ کی کشتی کوہ جودی پر ٹھہری ہے۔ اسی دن ابراہیمؑ کے لئے آگ گلزار ہوگئی ہے۔ اسی دن موسیٰؑ دریائے نیل سے پار ہو گئے ہیں اسی دن فلاں کام ہوگیا ہے۔ جتنے تاریخ کے کارنامے ہیں سب کو جوڑ جمع کر کے روز عاشور میں اکٹھا کر دیا ہے کاش کوئی تاریخ جاننے والا اور جغرافیہ جاننے والا ہوتا اور وہ دیکھتا کہ یہ سارے واقعات ایک دن میں ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اگر کوئی پرانا کلنڈر مل جائے تو وہ یہ کہے کہ یہ جتنے واقعات ہیں یہ سب ایک دن میں ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ لیکن میرا تو فقط ایک سوال ہے کہ ٹھیک ہے جناب آدمؑ کی توبہ قبول ہوگئی۔ جناب نوحؑ کی کشتی ٹھہر گئی۔ جناب ابراہیمؑ پر آگ گلزار ہوگئی۔ جناب موسیٰؑ فرعون کے شر سے بچ کے نکل گئے۔ جناب

عیسیٰ سولی سے بچ گئے۔ سب واقعات اسی دن ہوئے ہوں گے لیکن ہمارا صرف ایک سوال ہے کہ آپ امتہ آدم میں کس دن سے ہوگئے ہیں۔ دیکھئے ہمارا ایمان ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء پر ہے کہ جو ایک نبی پر بھی ایمان نہ لائے وہ کافر ہے لیکن امت میں تو سب کی نہیں ہیں۔ نہ ہم امت جناب آدمؑ میں ہیں۔ نہ امت جناب نوحؑ میں ہیں۔ نہ امت جناب ابراہیمؑ میں ہیں۔ نہ امت موسیٰؑ میں ہیں۔ نہ امت عیسیٰؑ میں ہیں۔ ہم امت میں ہیں پیغمبر اسلام کی۔ اور امت میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایمان سب پر ہے عمل صرف سرکار کے قانون پر ہے۔ ایمان سارے انبیاء پر ہے عمل سرکار کے احکام پر ہے تو اگر لاکھوں واقعات تاریخ میں بہترین سے بہترین گذر گئے ہوں تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسکی اطلاع خالی ہمیں ہوئی ہے یا پیغمبرؐ کو بھی تھی؟ اگر پیغمبرؐ کو معلوم تھا کہ آدمؑ کا مسئلہ حل ہوا عاشور کے دن۔ نوحؑ کا مسئلہ حل ہوگیا عاشور کے دن موسیٰؑ عیسیٰؑ ابراہیمؑ سب کے مسائل حل ہو گئے عاشور کے دن۔ تو یہ فریضہ پیغمبرؐ تھا کہ ایسے خوشی کے دن میں کوئی تو خوشی کا مظاہرہ کرتے۔ امام ترمذی نے صحیح میں ام سلمہ اور ابن عباس سے روایتیں کیسے نقل کی ہیں کہ دونوں نے خواب میں عاشور کے دن پیغمبرؐ کو روتا ہوا دیکھا۔ یہ کیسی روایات تھیں جو مسلمانوں کے گھر آگئیں اور پیغمبرؐ تک نہ پہونچ سکیں۔ حضورؐ کو ان کی اطلاع نہیں تھی۔ کیا حضورؐ کو نہیں معلوم تھا کہ اس دن



منانا چاہیئے۔ حضور آئے ام سلمہؓ کے خواب میں روتے ہوئے ابن عباس کے خواب میں روتے ہوئے۔ تو لاکھ روایتیں ہوں۔ کتنے ہی واقعات ہوں، ہمیں واقعات وروایات سے کیا تعلق ہے۔ ہم پیغمبرؐ کے ماننے والے پیغمبرؐ کے ہیں امتی اگر پیغمبرؐ ہنس دینگے ہم بھی ہنس دیں گے۔ اگر پیغمبرؐ رو دیں گے تو ہم بھی رو دیں گے۔ وہ تو کہئے حضورؐ نہیں تھے روز عاشور دنیا میں مگر جس عالم میں تھے اسی عالم ارواح سے ام سلمہؓ کے خواب میں آگئے۔ اسی عالم ارواح سے ابن عباس کے خواب میں آگئے اور بتا دیا کہ میرا تاثر پہچانو کہ روز عاشور میرا طرز عمل کیا ہے۔ جو میرا طرز عمل ہے اگر میرے امتی ہو تو وہی کرنا جو میں کر رہا ہوں اور اگر کسی اور کے امتی ہو راویوں کے امتی ہو تو وہ کرنا جو راوی کہتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ اور آخری یہ ہے کہ بعض حضرات نے کہا کہ جب عاشور کے دن امام حسینؑ کو درجہ شہادت ملا ہے جس سے بڑا کوئی درجہ نہیں ہے تو ہر امام حسینؑ کے چاہنے والے کو چاہئے کہ خوش ہو۔ درجہ شہادت ملا ہے۔ جس دن کسی کو بڑا درجہ ملے اس دن سب کو خوشی منانا چاہیئے۔ یہ بھی ایک فلسفہ ہے جو صرف امت کی سمجھ میں آیا ہے۔ ورنہ تاریخ اسلام میں اسکی کوئی مثال نہیں ہے۔ احد کے میدان میں پیغمبرؐ کے چچا جناب حمزہ مارے گئے۔ اور بہت سے مسلمان شہید ہوگئے تو جب احد کی شہادتوں کی خبر مدینہ کے اندر آئی تو

تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان کے گھر کا کوئی رشتہ دار مارا گیا ہے تو عورتیں بیٹھ کے رونے لگیں اس لئے کہ انہیں نہیں معلوم تھا کہ شہادت کوئی درجہ ہے۔ یہ فہم تو بیسویں صدی کے لئے بچا کے رکھی گئی تھی۔ انکو صرف یہ معلوم ہوا کہ بھائی مارا گیا تو گھر والے رونے لگے۔ کسی کو معلوم ہوا کہ چچا مارا گیا اس کے گھر والے رونے لگے۔ ہر گھر سے رونے کی آواز آنے لگی کسی کو قدر شہادت نہیں معلوم تھی۔ نہ کوئی صحابی سمجھا کہ شہادت درجہ ہے نہ اسکی بیوی سمجھی کہ شہادت درجہ ہے نہ اس کی بہن سمجھی کہ شہادت درجہ ہے۔ نہ اس کی بیٹی سمجھی کہ شہادت درجہ ہے نہ اس کی ماں سمجھی کہ شہادت درجہ ہے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ شہادت درجہ ہے سب رو رہے تھے۔ خیر چلئے یہ سب اصحاب تھے۔ امتی ہی تو ہیں کوئی معصوم تو نہیں۔ لیکن جب پیغمبرؐ نے ہر گھر سے گریہ کی آواز سنی تو ایک مرتبہ سر جھکا کے بیٹھ گئے "اما عمی حمزہ فلا بواکی لہ" ہائے غضب ہر شہید کے رونے والے ہیں اور میرے چچا کا رونے والا کوئی نہیں ہے۔ کاش کوئی بیسویں صدی کا سمجھدار اس دن پیدا ہو گیا ہوتا جو یہ کہہ کے تسلی دیتا کہ حضورؐ رونے کی کیا پریشانی ہے۔ چچا کو درجہ ملا ہے عید منائیے عید۔ خوشی منائیے خوشی۔ ابھی تک تو روایات بدلی نہیں گئیں ہر تاریخی کتاب میں پیغمبرؐ کا یہ فقرہ موجود ہے کہ حمزہ سید الشہداء (اس دور کے) حمزہ کی شہادت پر پیغمبرؐ نے اظہار افسوس کیا کہ کوئی رونے والا نہیں ہے اب اندازہ ہوا کہ درجہ شہادت کتنا ہی بڑا کیوں نہ



ہو مگر پیغمبرؐ شہادت پر رونے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ہنسنے کا نہیں۔ پیغمبرؐ عید کا کوئی تقاضا نہیں کر رہے ہیں جو عید کا مطالبہ کرے گا اسکا مسلک پیغمبرؐ سے الگ کوئی مسلک ہوگا۔ اسکا سنت پیغمبرؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ صلوات

اتنے واضح حقائق کو اتنے واضح تاریخی مسائل کو نظر انداز کر دیا صرف اس لئے کہ ہم نے اخبار میں ایک مضمون دیکھا ہے۔ گویا اخبار کے مضامین بھی تاریخ بن گئے۔ اخبار کے مضامین بھی سیرت بن گئے۔ اخبار کے مضمون کیا ہیں۔ اخبار پڑے ہوئے ہیں بازار میں بک رہے ہیں۔ آپ بھی ایک مضمون لکھ دیجئے۔ جو چاہے لکھ دیجئے۔ کچھ دنوں بحث چلے گی۔ اخبار بکے گا اور کیا ہوگا۔ عزیزو مسئلہ اخبار کا نہیں ہے۔ مسئلہ روایات کا نہیں ہے۔ خود سرکارؐ دو عالم کا ردعمل شہادت جناب حمزہ پر کیا ہے اس کے بعد دوسرا واقعہ جو تاریخ کے اندر موجود ہے اس کا انکار کرنے والا بھی الحمد للہ ابھی تک کوئی پیدا نہیں ہوا ہے۔!! پیغمبرؐ کا چچا زاد بھائی میدان جہاد میں ہے۔ پیغمبرؐ کے اصحاب میدان جہاد میں ہیں۔ سرکارؐ دو عالم مسجد میں ہیں اور یہ خبر سنا رہے ہیں کہ اب میرا فلاں علمدار مارا گیا ہے۔ اب میرا فلاں علمدار مارا گیا ہے۔ اب میرا فلاں علمدار مارا گیا ہے اور یہ تذکرہ کرتے کرتے حضورؐ اتنا روئے کہ روایات میں ہے کہ ہچکیاں بندھ گئیں اور لوگوں نے پیغمبرؐ کو ہچکیوں کے عالم میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ کل احد میں تو خالی اظہار افسوس کیا تھا کہ حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں ہے۔ مگر

جناب جعفر کے مسئلہ میں پیغمبرؐ خود رو رہے ہیں اور جب دیکھا کہ لوگ گریہ میں
شامل نہیں ہو رہے ہیں تو فرمایا کہ "علی مثل جعفر فلیبک البواکی" رونے
والوں کا فریضہ ہے کہ جعفر جیسے پر روئیں۔ رونے والیوں کی ذمہ داری ہے
کہ جعفر جیسے انسان پر روئیں جعفر پر نہیں کہ یہ ایک انفرادی قصہ ہو جائے
"علی مثل جعفر" یہ اس مثل میں بڑی معنویت پائی جاتی ہے۔ جعفر جیسے
رویا جائے اب اس جیسے میں جتنی وسعت پائی جاتی ہے آپ سوچتے چلے
جائیگا۔ اور یہی جیسے کی اہمیت تھی کہ امام حسینؑ نے انکار بیعت کر دیا تو یہ نہیں
فرمایا کہ میں بیعت نہیں کرونگا!! بلکہ فرمایا کہ "مثلی لایبایع مثلہ" مجھ جیسا
یزید جیسے کی بیعت نہیں کرے گا!! ایک جملہ کہہ کے ماضی اور مستقبل دونوں
کا فیصلہ کر دیا۔ اگر مجھ سے پہلے کوئی روایت بنائی گئی ہے تو سمجھو وہ بھی جھوٹی ہے
کہ مجھ جیسا بیعت نہیں کرتا ہے اور میرے بعد بھی اگر کسی کو مطالبہ بیعت کرنا ہو تو وہ
مایوس ہو جائے کہ مجھ جیسا بیعت نہیں کرتا ہے۔ صلوات

(بس عزیزان محترم اس سے زیادہ اس رات میں گنجائش
نہیں ہے یہ مرتبہ حسینؑ بن علیؑ ہے جس کے بارے میں کل میں نے عرض کیا تھا
کہ سرکارؐ دو عالم نے سجدے کو طول دیا تھا حسینؑ کے لئے۔ خطبے کو توڑ دیا تھا حسینؑ کے
لئے۔ ناقہ بن گئے تھے حسینؑ کے لئے۔ اور اس طرز عمل کو اصحاب کبار نے دیکھا تھا
اور یہی وجہ تھی کہ جب حسینؑ گھوڑے پر سوار ہو کے چلتے تھے تو ابن عباس جیسا



حبرالامۃ، مفسر قرآن حسینؑ کی لجام فرس پکڑ کے چلتا تھا۔ کسی نے دیکھ لیا کہ
ابن عباس لگام پکڑے ہوئے ہیں۔ اور حسینؑ سوار ہیں تو کہہ دیا کہ ابن عباس
آپ کی حیثیت ہے آپ کی شخصیت ہے آپ مفسر قرآن ہیں آپ حبر الامۃ
ہیں۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا میں جو کچھ بھی ہوں انھیں کا صدقہ تو ہے
ارے جو کچھ بھی ہے وہ انھیں کے گھر سے لیا ہے۔ اگر مفسر قرآن ہو گیا ہوں تو
انھیں کے باپ سے لیا ہے اگر حبر الامۃ ہو گیا تو انھیں کے نانا سے لیا ہے ان کے
سامنے میری کیا اوقات ہے تمھارے لئے سب کچھ ہوں تم میں کسی میں دم نہیں
کہ میرے سامنے کھڑا ہو جائے لیکن ان کے لئے اسی قابل ہوں کہ یہ گھوڑے
پر سوار ہو کے چلیں اور میں لجام فرس پکڑ کر چلوں۔!! اور ایک اور واقعہ جو
تاریخ اسلام میں نقل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے ہر واقعہ کی ذمہ داری میرے اوپر
نہیں ہے لیکن تاریخ میں یہ واقعہ موجود ہے اور امام حسینؑ کی عظمت سے متعلق
ہے۔ لہٰذا یہ جملہ سن لیجئے اور اس کے بعد میں ذکر مصائب کروں تاکہ موضوع کا یہ
رُخ مکمل ہو جائے کہ حسینؑ کی شخصیت سرکارؐ دو عالم کی نظروں میں اور اس
دور کے مسلمانوں کی نظروں میں کیا تھی۔ تاریخ یہ واقعہ یوں بیان کرتی ہے
کہ دور خلافت دوم میں خلیفۃ المسلمین نے بیت المال کا مال تقسیم کیا اور جب
مال تقسیم کیا تو بروایت تذکرہ خواص الامۃ اپنے بیٹے عبداللہ کو ایک ہزار دیا اور
امام حسنؑ کو دس ہزار۔ امام حسینؑ کو دس ہزار۔ روایت جس طرح ہے ویسے ہی

آپ سن لیں بغیر کسی تبصرہ کے ۔ کہ اب تبصرہ کا وقت نہیں ہے ۔ ظاہر ہے کہ بیٹے کو یہ بات ناگوار گذری کہ ہر بیٹا اس دن کی توقع رکھتا ہے یا اسوقت کا انتظار کرتا ہے جب باپ کے ہاتھ میں حکومت آئے تو گھر میں آرام آئے ۔ تو جب معلوم ہوا کہ حکومت ہمارے گھر میں آئی ہے اور پیسہ دوسروں کے گھر میں جا رہا ہے تو آکے بیٹے نے باپ سے گذارش کی بابا جان یہ آپ نے کیا کیا؟ انکو اتنا دیدیا ۔ انکو اتنا دیدیا ۔ اور مجھے خالی ایک ہزار میں آپ کا بیٹا ہوں ۔ خلیفۃ المسلمین کا بیٹا ۔ بڑی شخصیت کا بیٹا ۔ اس کا تو خیال کیا ہوتا ۔ میں کسی قابل نہیں ہوں تو آپ تو قابل ہیں کم سے کم برابر ہی دیا ہوتا ۔ اس کے معنی کیا ہیں کہ میرا ایک ہزار اور ان کے دس ہزار ؟ جواب تاریخ میں دیکھئے ۔ خلیفۃ المسلمین نے جواب دیا ۔ خبردار ان کے سامنے اپنا نام نہ لینا اور خبردار میرا نام بھی نہ لینا ۔ تمھیں معلوم ہے یہ کون ہیں ؟ اِئْتِنِیْ بِجَدٍّ مِثْلِ جَدِّهِمَا " اگر تمھیں مقابلہ کرنے کا شوق ہے تو لاؤ کوئی ۔ ان کے جد جیسا ہو جیسا حسنین کا جد ہے ایسا کوئی نانا لے آؤ تمھیں بھی دس ہزار مل جائے گا ۔ " وَاَبٍ مِثْلِ اَبِیْهِمَا اور کوئی باپ لے آؤ جوان کے باپ جیسا ہو ۔ " وَبِاُمٍّ مِثْلِ اُمِّهِمَا " اور کوئی ماں بتاؤ جوان کی مادر گرامی جیسی ہو " وَبِخَالٍ مِثْلِ خَالِهِمَا " اور کوئی ماموں لاؤ جوان کے ماموں جیسا ہو " وَبِعَمٍّ مِثْلِ عَمِّهِمَا " اور کوئی چچا لے آؤ جوان کے چچا جیسا ہو ۔ یعنی جیسا حسینؑ کا جد ہے ویسا کسی کا نانا نہیں ہے ۔ جیسے حسینؑ



کے باپ ہیں ویسے کسی کے باپ نہیں ۔ جیسی حسینؑ کی مادر گرامی ہیں ویسی کسی کی ماں نہیں ہے ۔ جیسا انکا ماموں ہے ویسا کسی کا ماموں نہیں ہے ۔ جیسا انکا چچا ہے ویسا کسی کا چچا نہیں ہے ۔ اب اس سے بڑی عظمت کیا چاہیئے تو عزیزو جب پیغمبرؐ اس عظمت کا اعلان کریں ۔ عالم صحابیت اس عظمت کا اعلان کر رہا ہے تو امتی کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا ہے ۔ یہ کتابیں تو سب پڑھتے ہیں اگر میری لکھی کتاب کوئی نہیں پڑھتا ہے اور میں چاہتا بھی نہیں کہ عظمت حسینؑ کو آپ میری کتاب سے پہچانیں انھیں سے پہچانیں جن کتابوں کا اعتبار ہے وہی عظمت حسینؑ کو سمجھانے کے لئے بہت کافی ہیں ۔ انھیں واقعات سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس دور میں حسینؑ کی عظمت کیا تھی ۔ اور لوگ کس طرح فرزند رسولؐ کی شخصیت کو پہچانتے تھے اور شخصیت کا خیال رکھتے تھے ۔ مگر جیسے ہی پیغمبرؐ دنیا سے گئے اور وہ دور گذرا ویسے ہی عالم میں وہ انقلاب آیا جس کی مثال بھی تاریخ دنیا میں کہیں نہیں ہے ۔ اتنا بڑا انقلاب جو کسی دورِ تاریخ میں نہیں آیا کہ جیسے ہی پیغمبرؐ اسلام دنیا سے رخصت ہوئے پیغمبرؐ کی آنکھوں کا بند ہونا تھا کہ وہ دروازہ جس پر امت سلام کرنے آتی تھی ۔ وہ شخصیتیں جن کے قدموں کے سامنے لوگ پلکیں بچھایا کرتے تھے ۔ ان کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی ۔ اتنا بڑا انقلاب تاریخ میں پیدا ہوگیا اور اسی انقلاب کا جو نبی کے بعد شروع ہوا آخری انجام تھا جو کربلا کی شکل میں سامنے آیا ۔!! دھواں وہاں دیکھا تھا جلتے خیمے یہاں دیکھے

ایک علیؑ کے گلے میں رسی وہاں دیکھی تھی اور بارہ گلوں میں ایک رسی یہاں دیکھی
ہے۔!! ایک محسن کا لاشہ وہاں دیکھا تھا اور بہتر جنازے یہاں دیکھے ہیں۔ اگر
اگر کل اتنا بڑا انقلاب شروع نہ ہوا ہوتا تو کربلا میں ایسے حالات کیسے پیدا
ہوتے یکبارگی زمانہ یوں بدلا کہ کربلا تک آتے آتے وہ دور آگیا کہ جہاں
کوئی کمسن بچوں پر بھی رحم کھانے والا نہیں تھا۔ کہ اگر کوئی چھوٹا بچہ پیاسا ہے،
تو اسے قطرۂ آب دیا جائے۔ (بس ارباب عزا آپ متوجہ ہوگئے۔ اور
انشاءاللہ بہت روئیں گے بہت مثاب ہوں گے میں آغاز مجلس کے وقت
جب سے یہاں آکے بیٹھا ہوں اور مسلسل میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک ایک دو
دو نہیں۔ جوق در جوق گروہ در گروہ مومنین چلے آرہے ہیں۔ ادھر سے بھی
آرہے ہیں ادھر سے بھی آرہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ ایسی ایسی جگہوں سے
حضرات تشریف لے آئے ہیں جہاں نہ کوئی بلانے والا گیا تھا نہ کوئی دعوت نامہ
لے کے گیا تھا۔ یہاں تو کوئی اشتہار بھی نہیں چھپتا۔ یہاں تو اخبار میں بھی اعلان
نہیں چھپتا۔ یہاں تو ریڈیو۔ ٹی وی سے بھی اعلان نہیں ہوتا ہے۔ یعنی بلانے
والا کوئی نہیں ہے اور یہ ہزاروں چاہنے والے چلے آرہے ہیں۔ خدا جانتا ہے
جتنی دیر میں آنے والوں کا یہ سلسلہ دیکھتا رہا ایک ہی خیال مجھے بے تاب
بے چین کئے ہوئے تھا کہ مولا حسینؑ آج بلانے والا کوئی نہیں ہے تو ہزاروں
آرہے ہیں۔ کل آپ آواز دے رہے تھے۔ ہے کوئی جو میری مدد کے لئے



آئے۔ "ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا ھَلْ مِنْ مُعِینٍ یُعِینُنَا" اور کوئی آنے والا
نہیں تھا۔ فقط ایک چھ مہینے کا بچہ تھا جس نے اپنے کو گہوارے سے گرا دیا تھا۔
عزیزو! اگر کل حسینؑ کی غربت و بیکسی کا یہ عالم تھا کہ کبھی بیمار بستر سے گھبرا کے اٹھ کھڑا
ہو۔ کبھی بچہ اپنے کو جھولے سے گرا دے تو آج میرا حسینؑ غریب نہیں ہے۔ آج
میرا حسینؑ تنہا اور بیکس نہیں ہے۔ آج حسینؑ کے نام پر اتنے چاہنے والے چلے
آرہے ہیں نہ کسی کو تکلیف کی فکر ہے۔ نہ کسی کو جانے کی فکر ہے۔ یہ
لوگ جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں یہ اسی ملک میں رہتے ہیں۔ یہ مجمع جو یہاں آکے
بیٹھا ہے کون ایسے گھر میں رہتا ہے جسمیں اے سی نہ لگا ہو۔ جس کمرہ میں دس
رہتے ہیں وہاں بھی اور جہاں ایک رہتا ہے وہاں بھی۔ جو بہترین مکان میں
رہنے والے ہیں وہ بھی اور جو معمولی مکان میں رہنے والے ہیں وہ بھی۔ اور
اگر دو چار منٹ کے واسطے A.C. بند ہوجائے تو یہی لوگ پریشان ہوجاتے
ہیں۔ گھر کے باہر نکل آتے ہیں۔ یہ سب اسی ٹھنڈی ہوا کے عادی ہیں یہ سب
اسی شہر کی فضا کے عادی ہیں۔ یہ دس منٹ کے واسطے اپنے کمرے میں بغیر
ہوا کے نہیں بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ آخر آٹھ بجے سے کیوں بیٹھے ہوئے ہیں! یہ چار
گھنٹے سے، نہ یہاں کوئی پنکھا چل رہا ہے نہ یہاں کوئی اے سی ہے۔ نہ کوئی ٹھنڈی
ہوا کا نظام ہے۔ یہ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیا انھیں آج کی رات ٹھنڈی ہوا
سے نفرت ہوگئی ہے۔ کیا آج کی رات انھیں گرمی نہیں معلوم ہو رہی ہے نہیں

عزیزو! یقیناً آج کی رات واقعاً گرمی کا احساس نہیں ہے اس لئے کہ کل تک اپنی ذات نگاہ کے سامنے تھی آج وہ قافلہ نگاہوں کے سامنے ہے جس قافلہ کے بچوں کے پاس پانی بھی نہیں ہے۔ یہاں کم سے کم سبیل تو لگی ہوئی ہے کہ اگر ذرا پیاس کا احساس ہوا تو فوراً جا کے پانی پی لیا۔ مگر آج کی رات کربلا والوں کا عالم کیا ہے۔ چاہے چار برس کی بچی ہو یا چھ مہینے کا بچہ۔ کسی کے لئے ایک قطرۂ آب نہیں ہے۔ ہم نے کیا تکلیف برداشت کی ہے ان تکالیف کے مقابلہ میں جن سے آج کی رات حسینؑ والے گذر رہے ہیں اس سے زیادہ گذارش روں آج ہماری بہنیں جو اپنے بچوں کو گودیوں میں لے کے آئی ہیں۔ اگر ذرا بچہ تڑپنے لگے تو جب گھر سے نکلی تھیں تو دودھ کی شیشی ساتھ لے کے چلی تھیں۔ اگر بچہ پیاسا ہوگا تو کیا ہوگا اور اگر دودھ نہیں رہ گیا تو پانی ہی بچہ کو دیدیا جائے ہے کوئی ماں جو اس بات کو برداشت کر سکے کہ اس کا بچہ ایک گھنٹہ پیاسا رہ جائے اور اسے پانی نہ ملے۔ ماں بیقرار ہو جائے گی۔ بچے کا تڑپنا تو الگ ہے۔ ہر ایک کے لئے پانی کا انتظام ہے۔ ہر ایک کے لئے راحت کا انتظام ہے اتنے انتظامات میں بیٹھ کے ہم کیا جانیں کہ شب عاشور کربلا میں کیا تھا۔ ہمیں کیا اندازہ ہوگا کہ قلب رباب کا کیا عالم تھا۔ جب بچے کو گہوارے میں تڑپتا دیکھ رہی تھیں اور ایک قطرۂ آب کا انتظام نہیں تھا۔ اجرکم علی اللہ۔ خدا آپ کسی غم میں نہ رلائے سوائے غم آل محمدؐ کے۔ کیا قیامت کی رات تھی۔



اور اتنا ہی نہیں میرے چاہنے والو۔ ایک فقرہ پر اور توجہ دو اتنا بڑا مجمع جو آج بیٹھا ہوا ہے ہر ایک کو معلوم ہے کہ صبح آئے گی تو انشاءاللہ یہی سب رہیں گے۔ کل دوپہر کا وقت آئے گا تو بھی یہی مجمع رہے گا۔ کل شام کا وقت آئے گا تو یہی مجمع رہے گا۔ ہر ماں کو معلوم ہے کہ انشاءاللہ میرا جوان سلامت رہے گا میری گود کا بچہ سلامت رہے گا۔ ہر خاتون کو یہ اطمینان ہے کہ انشاءاللہ اس کا شوہر رہے گا۔ مگر کربلا میں جب یہ رات آئی تھی تو ہر خاتون کو معلوم تھا کہ صبح آئے گی تو گود کا پالا نہ رہے گا۔ کل کا دن آئے گا تو میرا بھیا نہ رہے گا۔ کل کا دن آئے گا تو میرا سہاگ نہ رہ جائے گا۔ ارے کل کا دن آئیگا تو گہوارہ بھی خالی رہ جائے گا اور اصغر نہ رہے گا۔ اجرکم علی اللہ (بہت روؤ گے عزیزو بہت روؤ گے) ابھی منزل بہت دور ہے ابھی تو میں چاہتا ہوں کہ سوچیں آپ۔ آج کی رات کربلا میں خواتین کا کیا عالم ہے کربلا میں ان بچوں کا کیا عالم تھا جنھیں ایک قطرۂ آب نصیب نہیں تھا۔ وہ رات عاشور کی گذری دن کا وقت آیا۔ قربانیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جب سب راہ خدا میں کام آچکے۔ کوئی نہ رہ گیا۔ تو ایک مرتبہ حسینؑ نے ایک بلندی پر آکر آواز دی ھل من ناصر ینصرنا ہے جو کوئی میری مدد کیلئے آئے۔ ہے کوئی جو میری نصرت کے لئے آئے۔ جیسے ہی آواز خیمہ میں پہونچی۔ حسینؑ نے دیکھا کہ جیسے خیمہ سے رونے کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ خیمہ میں کہرام برپا ہے۔ دوڑ کے

درِ خیمہ پر آئے بہن زینبؑ خیر تو ہے۔ ابھی تو حسینؑ زندہ ہے۔ یہ رونا کیسا؟ یہ بیبیوں میں سیدانیوں میں کہرام کیسا۔ کہا جیا جب آپ کی آواز گہوارے تک پہونچی تو علی اصغر نے اپنے کو جھولے سے گرا دیا۔ حسینؑ سے بہتر بچہ کے اشارہ کون پہچانے گا۔ کہا لاؤ بہن لاؤ اصغر کو۔ کہا بھیا اصغر کسی کی گود میں نہیں آتے۔ بچہ کسی کی گود میں نہیں آتا۔ حسینؑ تڑپ کے آئے گہوارے کے قریب۔ کیا باپ نے کہا۔ کیا بچہ سمجھا۔ یہ تو کسی کو نہیں معلوم۔ بس منظر سب نے دیکھا کہ حسینؑ نے ہاتھ پھیلائے اور بچہ ہمک کے گودی میں آگیا۔!! جو میدان میں جانے کے لائق تھے سب نے جا کے اپنی جان قربان کر دی۔ میں تو چلنے کے لائق نہیں تھا اس لئے زحمت دی ہے کہ مجھے مقتل میں لے چلیں مجھے میدان میں لے چلیں۔ اب یہ حسینؑ کا آخری مددگار، حسینؑ کا آخری ناصر میدان میں آ رہا ہے۔ حسینؑ نے بچہ کو سنبھالا اور چلے۔ جب درِ خیمہ کے قریب پہونچے تو دیکھا رباب سر جھکائے کھڑی ہیں۔ کہا رباب تم یہاں آکے کیوں کھڑی ہو گئیں کہا مولا صبح سے دیکھ رہی ہوں کہ جو گیا وہ پلٹ کے نہیں آیا۔ اب میرا لال جا رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں جاتے جاتے اصغر کو آخری دفعہ دیکھ لوں۔ اپنے بچے کو رخصت کر لوں۔ حسینؑ نے تسکین کے لئے فرمایا رباب! جو اب تک میدان میں گیا اس کے بارے میں یہ خیال تھا کہ لڑنے کے لئے آیا ہے اس لئے ظالموں نے رحم نہیں کیا۔ تمہارا بچہ تو جنگ کرنے کے قابل نہیں ہے۔



میں جا رہا ہوں اتمامِ حجت کے لئے۔ شاید ظالموں کو رحم آجائے۔ ماں نے دل سنبھالا۔ حسینؑ اصغر کو لے کے چلے۔ یہ حسینؑ کا ناصر ہے "ھل من ناصر ینصرنا" حسینؑ نے مددگار بلایا تھا۔ اصغر مددگار بن کے جا رہے ہیں۔ پانی کے طلبگار بنکے نہیں جا رہے ہیں۔ اس جملہ کو نہ بھولے گا۔ اصغر پانی کے طلبگار نہیں نہیں حسینؑ کے مددگار بن کے جا رہے ہیں اسی لئے بہترین نقشہ شاعر نے کھینچا کہ حسینؑ جب اصغر کو اپنے مددگار کے طریقہ سے لے کے چلے تو کس شان سے لے کے چلے۔

بنا کے شکل مجاہد کی لے چلے شبیرؑ
الٹ دیا علی اصغرؑ کی آستینوں کو

ظالمو ہوشیار ہو جاؤ میں اپنے بابا کی مدد کے لئے آ رہا ہوں۔ اے اصغرؑ ہتھیار کیا ہے۔ تلوار کیا ہے۔ اسلحہ کیا ہے۔ کہا ابھی دیکھنا۔ سوکھی زبان خشک ہونٹوں پر اصغر نے پھرانا شروع کی۔ فوج میں کہرام برپا ہوا۔ ابن سعد نے کہا حرملہ اِقطع کلام الحسین حرملہ آگے بڑھا۔ دوش سے کمان اتاری ترکش سے تیر نکالا اور تیر چلہ کمان میں جوڑا۔ علیؑ اصغر کے گلے کو نشانہ بنایا۔ جیسے ہی تیر لگا بچہ باپ کے ہاتھوں پر پلٹ گیا۔ بچہ باپ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا (سنو گے فقرہ جو مقتل کہتا ہے) جیسے ہی بچہ باپ کے ہاتھوں پر منقلب ہوا حسینؑ نے جھک کے علی اصغر کو دیکھا بچے کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ بابا آپ پریشان نہ ہوں میں مسکرا کے دنیا سے جا رہا ہوں۔ آپ میری پیاس کا خیال

نہ کریں۔ میں نے اپنا حق ادا کر دیا۔ اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپ پر اپنی جان کو
قربان کر دیا۔ ہائے اس منظر کا عالم حسینؑ کے دل سے کوئی پوچھے۔ عزیزو بس
ایک فقرہ کہہ کے مجلس کو تمام کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن ابھی منبر پر آنے سے پہلے
یہ تقاضا کیا گیا کہ ایک روایت یا ایک واقعہ جو میں نے اس سے پہلے کبھی بیان
کیا تھا اگر موقع ہو تو اسکا تذکرہ ہو جائے۔ چونکہ میرے موضوع کے اندر شامل
ہے "اقوام عالم میں حسینؑ کا مرتبہ"۔ لہٰذا اس لو واقعہ یہ میرا اپنا تقریباً مشاہدہ ہے۔
یہ کوئی پرانا تاریخی واقعہ نہیں ہے نہ کسی کتاب کا قصہ ہے۔ ہندوستان کا مشہور
معروف شہر ہے کلکتہ جیسے آپ جانتے ہیں مومنین کی بہت مختصر آبادی ہے زیادہ
آبادی غیر مسلمین کی ہے اور ایک دو نہیں بلکہ ایک کروڑ سے زیادہ کی آبادی
ہے۔ اتنا بڑا شہر ہے لیکن میں نے خود دیکھا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں تقریباً میں عشرہ
محرم میں وہاں تھا پانچ محرم۔ چھ محرم۔ سات محرم۔ آٹھ۔ نو۔ دس محرم جو جلوس
نکلتا ہے تو گھوڑے سے ماتم دار حلقہ بنا کے درمیان میں چلتے ہیں اور ہزاروں
نہیں بلکہ لاکھوں افراد جلوس دیکھنے کے لئے ہندو، سکھ اور دوسری قومیں
سب جمع ہو جاتی ہیں۔ درمیان میں علم و ذوالجناح اور سامنے چاروں طرف
سے زمین کے اوپر پشت بام پر۔ چھتوں پر سب دیکھنے والے۔ ہو سکتا ہے مسلمان
اسکو اپنی زبان میں تماشائی کہیں مگر وہ اپنی زبان میں عقیدتمند ہیں جو اس منظر
کو دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر یہ منظر دیکھا گیا کہ ایک عورت



گود میں ایک بچہ لئے ہوئے اور شاید آپ نے نہ دیکھا ہو گا ہندو عورتیں عام
طور سے جب نکلتی ہیں تو برتن میں دودھ یا پانی لے کے نکلتی ہیں۔ وہ عورت
آئی گود میں ایک بچہ لئے ہوئے نہایت کمسن بچہ شاید دو چار مہینے کا رہا ہو۔
ایک بچہ لئے ہوئے اور برتن میں دودھ لئے ہوئے۔ آئی اور لوگوں سے کہا
ہٹ جاؤ میں اس ذوالجناح کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ وہ غریب کیا جانے
ذوالجناح کیا ہے بس اس نے خالی سن لیا ہے کہ امام حسینؑ کے نام پر یہ گھوڑا نکلتا ہے۔
اور یہاں ذکر حسینؑ سنا ہو مجھے نہیں معلوم۔ لیکن بہر حال اس نے کہا ہٹ جاؤ۔
لوگوں نے کہا نہیں۔ نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ آپ جانتے ہیں ۱۹۷۰ء کا زمانہ
تھا۔ انتہائی ہندو مسلم تعصب کا زمانہ۔ مومنین کو یہ خیال کہ اگر اس کے
ل گئی اور جانور کی وجہ سے کوئی تکلیف پہونچ گئی تو ابھی ایک ہندو
فساد کھڑا ہو جائے گا۔ کہا نہیں قریب نہ جانے دیں گے۔ اس نے کہا میں
ر ہوں گی۔ میں گھوڑے کے قریب جاؤنگی۔ لوگ منع کرتے رہے۔ مگر
کہا میں جاؤں گی۔ کیوں جاؤگی تم سے کیا تعلق ہے۔ کہا میری منت ہے۔
عزیزو شاید میرا بیان یہیں تمام ہو جائے) بس آپ متوجہ رہیں۔ سوچتے رہیں
عالم میں حسینؑ کیا ہیں؟ دوسرے مذاہب میں حسینؑ کی کیا شخصیت اور حیثیت
کھ جاتے وہ میری منت ہے۔ منت کیا ہے؟ کہا گذشتہ سال جب
اس جلوس کو جاتے دیکھا تھا تو میری شادی کو ایک زمانہ گذر گیا تھا اور

میرے کوئی اولاد نہیں تھی۔ میں نے اس ذوالجناح اس گھوڑے کو دیکھ کر کہا تھا
کہ اے اس سواری کے سوار تو یقیناً اپنے مالک کی بارگاہ میں کوئی بڑا درجہ رکھتا
ہے ورنہ اتنے تیرے چاہنے والے کیوں اکٹھا ہو جاتے۔ اتنے آدمی تیرے غم میں
ماتم کرنے کے لئے جمع ہو گئے۔ یقیناً تیرا کوئی مرتبہ ہے۔ میں بے اولاد ہوں تو
اپنے خدا سے دعا کر دے کہ مجھے اولاد مل جائے میں تجھ سے وعدہ کرتی ہوں کہ
اگلے سال اگر میں صاحب اولاد ہو گئی تو اپنے بچے کو لاکر تیرے اس گھوڑے
کے نیچے سے گذار دوں گی۔ سب روک رہے ہیں اسکا اصرار بڑھتا جا رہا ہے
بالآخر لوگوں نے پولیس کی انتظامیہ سے کہا کہ دیکھئے آپ گواہ رہئے کہ ہم نے
بہت منع کیا اب یہ جا رہی ہے اگر اسکو کوئی تکلیف پہونچ جائے تو اس کا
مسلمانوں کا کوئی قصور نہ کہیئے گا۔ اس مسئلہ کو ہندو مسلم رائٹ نہ بنائے۔ دیکھا
کہا ٹھیک ہے ضد کر رہی ہے تو جانے دو۔ دیکھو یہ کرنا کیا چاہتی ہے۔ وہ آگے
بڑھی۔ ذوالجناح کے پیروں کے پاس پہونچی اور اس کے بعد اس نے ایک
مرتبہ اس کے پیروں پر اس برتن سے دودھ کو ڈالا۔ اور دودھ گرا کے اپنے
سر کے بالوں سے ذوالجناح کے پیروں کو دھونا شروع کر دیا (بس سن لو
عزیز و آخری فقرہ آگے میں گذارش نہ کر سکوں گا) ظاہر ہے کہ آپ جانتے
ہیں جب بال کسی کے بھی جسم کو لگ جائیں تو انسان کو احساس ہو جاتا ہے
چہ جائیکہ جانور۔ اس نے اپنے سر کے بالوں سے اس کے پیروں کو دھویا اور



کیا جب سارا دودھ ڈال کے اس کے پیروں کو دھولیا تو اس کے بعد زمین پر
جو دودھ بہہ گیا تھا اسے اپنے بچے کے سارے جسم پر ملنا شروع کیا اور یہ
سارا عمل جب انجام پا گیا تو اس کے بعد اٹھی اور اپنے بچے کو لے کر چلی۔ کسی
مرد مومن نے بڑھ کے اس سے پوچھ لیا یہ تمہاری منت کیا تھی یہ تم نے کیا کیا۔ یہ
دودھ تم نے اس کے پیروں پر کیوں ڈالا اور یہ تم نے اس کے پیر کیوں دھوئے
اور تم نے زمین پر پڑے ہوئے دودھ کو اپنے بچے کے جسم پر کیوں ملا؟ کہا میں
نے سنا ہے کہ حسینؑ بابا کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا اسے دودھ نہیں ملا تھا۔ لہٰذا
میں نے سوچا کہ اگر اس کے واسطے دعا کیجائے تو یقیناً اللہ اولاد دے گا اور
ظاہر ہے کہ اسکا حق یہی ہے کہ اسی دودھ میں اس بچہ کو آلودہ کر دیا جائے۔
تاکہ وہ یاد برقرار رہے۔ اے چاہنے والو۔ اے عزادارو! ایک غیر قوم کی عورت
جب اس نے علی اصغرؑ کی پیاس کو سن لیا چودہ صدیوں کے بعد تو اس کی
بیقراری کا یہ عالم تھا۔ کاش کوئی اس ماں کے دل سے پوچھتا کہ جب درخیمہ
سے آواز آئی رباب! اپنے لال کو لے جاؤ۔ رباب درخیمہ پر آئیں۔ کہا لائیے
آقا میرے بچے کو لائیے۔ قبا کا دامن اٹھا۔ گلے پر تیر کا نشان۔ اے میرے لال
کیا اس عمر کے بچے یوں ذبح کئے جاتے ہیں۔ کیا اس عمر کے بچے یوں نحر کئے
جاتے ہیں۔ حسینؑ گھبرا کے پیچھے ہٹ آئے۔ اس لئے کہ رباب اس منظر کو
نہ دیکھ سکیں گی۔ باہر آئے پشت خیمہ پر ذوالفقار سے قبر بنائی اور اس کے

بعد اب حسینؑ قبر کے کنارے اصغرؑ کی لاش کو لئے بیٹھے ہیں۔ چاہتے ہیں خاک پر لٹا دیں۔ دل نہیں مانتا۔ گود میں لئے ہیں۔ وعدۂ طفلی کو ادا کرنا ہے ایک مرتبہ کانوں میں آواز آئی کہ جیسے کوئی ہاتف غیبی کہہ رہا ہے۔ یا حسین ضعنہ حسینؑ اب گود سے اصغرؑ کو الگ کردو۔ خاک پر لٹا دو۔ کوئی ماں آگئی ہے۔ لینے کے واسطے۔ حسینؑ نے اصغرؑ کو لٹا دیا۔ پہچانا کون لینے کے لئے آیا ہے شاید وہ ماں ہے جو شب عاشور سے اپنے لال کے خیموں کے گرد نوحہ پڑھ رہی ہے میرے حسینؑ جاؤ تم وعدۂ طفلی ادا کرو۔ بیٹا! اصغرؑ کو میرے حوالے کر دو۔ میرے لال میں تیرے اصغرؑ کو گود میں رکھوں گی۔ وامحمداہ واعلیاہ واحسیناہ رباب کی جان۔ کربلا کی خاک۔ اصغرؑ اب گہوارہ نہیں۔ اے میرے لال شام غریباں میں تجھے ماں کہاں تلاش کرے گی۔ اے اصغرؑ بتاؤ ربابؑ تمہیں کہاں ڈھونڈے۔ بیٹا ماں کی گود سونی ہے۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# مجلس اذانِ علی اکبرؑ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ الَّذِیْنَ اَذْھَبَ اللّٰہُ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھَّرَھُمْ تَطْھِیْرًا اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ
حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا اسے دوست رکھے جو حسینؑ سے محبت کرے۔!! سرکار دو عالم کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعا اللہ اسے دوست رکھے جو میرے حسینؑ سے محبت کرے۔ ہر صاحب شعور یہ جانتا ہے کہ جب کسی انسان کو کسی سے بے پناہ محبت ہوتی ہے تو اسکا چاہنے والا بھی انسان کی نگاہ میں محبوب بن جاتا ہے۔ اگر آپ کو

آپ کی اولاد سے محبت ہے تو جو بھی آپ کی اولاد سے محبت کا اظہار کرتا ہے یقیناً آپ کا دل اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اگر کوئی کسی کے محبوب کے اسوقت کام آئے جب کوئی کام آنیوالا نہ ہو۔ تو یقیناً اس کے حق میں دل سے دُعا نکلتی ہے۔ حسینؑ کے چاہنے والوں کا انداز دنیا کے تمام محبوبوں کے چاہنے والوں سے الگ ہے۔ صاحبان حیثیت سے محبت کرنا، صاحبان راحت و آرام سے محبت کرنا، صاحبان جاہ وجلال و دولت و اقتدار سے محبت کرنا آسان ہے مگر کسی غریب، بیکس، بے نوا جس کا سارا گھر قربان ہو گیا ہو اس سے محبت کرنا آسان نہیں ہے۔ اور واقعاً اگر کسی دلمیں اس کی محبت پیدا ہو جائے تو اس دل کی قدر انھیں کو ہوتی ہے جو اصل محبوب سے محبت کرنے والے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے آپ غور کریں اس وقت جبکہ ساری بستی سو رہی ہے۔ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے ہیں۔ کیا پیغمبرؐ کی نگاہ میں ان غریبوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے؟ جو فقط شبیہ پیغمبرؐ کو یاد کر کے خاک پر آکر بیٹھ گئے ہیں۔ کیا فاطمہؑ زہرا کی نگاہ میں ان عزاداروں کی کوئی حیثیت نہیں ہے جو اپنا سارا آرام چھوڑ کے زہراؑ کے لال کا ماتم کرنے کے لئے جمع ہو گئے ہیں کون دنیا کا انسان سوچ سکتا ہے کہ اس وقت پیغمبرؐ کی نگاہ ان غریبوں پر نہیں ہے۔ کون یہ تصور کر سکتا ہے کہ



جنت الفردوس سے صدیقہ طاہرہؑ اس منظر کو نہیں دیکھ رہی ہیں جسکی ایک ہی آرزو تھی کہ بابا میرا حسینؑ اسوقت مارا جائے گا جب نہ آپ ہوں گے نہ میں رہوں گی نہ ابوالحسنؑ رہیں گے۔ نہ میرا حسنؑ رہے گا تو بابا میرے لال کی صف عزا کون بچھائے گا؟ میرے لال کا رونے والا کون ہوگا؟ پیغمبرؐ نے مطمئن کر دیا۔ زہراؑ گھبراؤ نہیں۔ اللہ یونہی ایک قوم کو پیدا کرتا رہے گا جس کے مرد کربلا کے مردوں کا ماتم کرتے رہیں گے اور جسکی عورتیں کربلا کی خواتین پر آنسو بہاتی رہیں گی۔ ابھی تک تو ذکر شہادت حسینؑ آیا تھا مگر جب پیغمبرؐ نے یہ کہا کہ اس قوم کی عورتیں کربلا کی خواتین پر آنسو بہاتی رہیں گی تو ایک مرتبہ شہزادی متوجہ ہو گئیں کہ کربلا کی مصیبت تنہا میرے حسینؑ کے لئے نہیں ہے میری زینبؑ بھی مبتلائے مصیبت ہوگی، میری ام کلثومؑ بھی مبتلائے مصیبت ہوگی۔ کربلا میں مردوں کے لئے مصیبت اتنی مشکل نہیں تھی کہ میدان میں آکے جہاد کرنا شہیدوں کی شان ہے۔ میدان میں آکے گلے کٹا دینا مجاہدوں کا انداز ہے۔ مگر اٹھارہ برس محنت و مشقت سے کسی بیٹے کو پال کر میدان میں بھیجدینا یہ عورتوں کا کام نہیں ہے اس کے لئے بڑا کلیجہ چاہیئے اس کے لئے بڑا حوصلہ چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ راہ خدا میں اپنے محبوب کی بارگاہ میں جانے کے ارادے سے اور گھر میں یہ بتا کر ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ کو لے کر چلے لیکن جب پلٹ کے آئے تو ہاجرہ نے اسمٰعیلؑ

کے گلے پر چھری کا نشان دیکھ لیا۔ بیٹا یہ نشان کیسا ہے؟ کہا مادر گرامی حکم پروردگار کی بنا پر بابا نے مجھے محل ذبح میں لٹا دیا تھا میرے گلے پر چھری پھیر دی تھی لیکن اللہ نے ایک فدیہ بھیجدیا اور مجھے بچالیا۔ یعنی اگر فدیہ نہ آیا ہوتا تو میں ذبح ہوگیا ہوتا۔!! یہ خیال ہاجرہ کے دلمیں پیدا ہوا اور اس خیال کے بعد پھر ہاجرہ دنیا میں نہ رہ سکیں۔ جب تک رہیں اسی تصور میں کھوئی رہیں اور ایک وہ وقت آیا جب دنیا سے رخصت ہوگئیں اس لئے کہ ماں اپنے بیٹے کے گلے پر چھری کا نشان نہیں دیکھ سکتی ہے۔ ہاجرہ کربلا میں آؤ۔

ذبح فرزند پہ راضی یہ ارادہ تو نہیں!

ہاجرہ صبر میں زینبؑ سے زیادہ تو نہیں!

ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ کو لے کر آئے تھے۔ ہاجرہ نے اسمٰعیلؑ کو قربان ہونے کے واسطے نہیں بھیجا تھا یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ منزل ذبح میں بیٹا لٹایا گیا تھا اس واقعہ کا کیا مقابلہ کیا جائے اس خاتون کے ساتھ جس نے اپنے لال کو نہایت ہی اہتمام کے ساتھ میدان میں قربان ہونے کے لئے رخصت کیا ہو تاریخ کائنات اس بات کی گواہ ہے کہ پیغمبرؐ کا یہ لال جسکو حسینؑ کہا جاتا ہے اس سے زیادہ دور پیغمبرؐ میں کوئی پیغمبرؐ کا ہمشکل نہیں تھا۔ کسی کی شکل وصورت پیغمبرؐ سے اتنی زیادہ نہیں ملتی تھی جتنی ملتی ہوئی شکل وصورت



حسینؑ بن علیؑ کی تھی۔ مگر تاریخ کا یہ دوسرا بیان بھی قابل قدر ہے کہ پیغمبرؐ کے دنیا سے جانے کے بعد پھر کوئی ایسا پیمبرؐ کا ہمشکل نہیں پیدا ہوا جیسے علی اکبرؑ تھے۔ اسی لئے جوان بیٹے کو رخصت کر کے حسینؑ نے خدا کی بارگاہ میں فریاد کی تھی خدایا گواہ رہنا وہ جارہا ہے جو سیرت وصورت میں رفتار وگفتار میں میرے نانا کی شبیہ تھا۔ اس کے بعد عجب فقرہ فرمایا امام حسینؑ نے۔ اسکو اہل درد ہی پہچانتے ہیں۔ میرے مالک جب کبھی نانا کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوتا تھا جب کبھی تیرے پیغمبرؐ کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوتا تھا تو میں اپنے علی اکبرؑ کو دیکھ لیا کرتا تھا مگر خدایا اب اس کے بعد یہ تصویر پیغمبرؐ بھی خاک میں ملنے جارہی ہے۔ کیسے باپ نے بیٹےؑ کو رخصت کیا۔ یہ حسینؑ ہی کا کلیجہ جانتا ہے لیکن میں ایک فقرہ عظمت علی اکبرؑ کے بارے میں گذارش کر کے چند جملے مصائب کے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ہمہ تن متوجہ ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر صاحب دل اس درد کو خوب پہچانتا ہے۔ امام حسینؑ کربلا کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ مکہ سے نکل چکے ہیں ابھی وارد سرزمین کربلا نہیں ہوئے ہیں ایک مقام پر قافلہ ٹھہرا ہوا ہے۔ روایت کہتی ہے کہ ایک مرتبہ بیٹھے بیٹھے امام حسینؑ کی آنکھ لگ گئی ایسا دیکھا کہ جیسے کوئی آواز دے رہا ہے ھُم یَسِیرُونَ وَالمَنَایَا تَسِیرُ بِھِم یہ قافلہ جارہا ہے اور اس قافلہ کو موت لے جارہی ہے۔ جیسے ہی امام

حسینؑ کی آنکھ کھلی آپ کی زبان پر فقرہ تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔
روایت کہتی ہے جیسے ہی امام حسینؑ کی زبان پر یہ فقرہ آیا جوان بیٹا تڑپ
کے باپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ بابا یہ فرمایئے کہ یہ انا للہ پڑھنے کا
کون سا موقع ہے؟ کہا بیٹا ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی میرے کان میں جیسے
کسی کی آواز آ رہی تھی کہ کوئی ہاتف غیبی کہہ رہا ہے کہ یہ قافلہ جا رہا ہے
اور موت اسے لئے جا رہی ہے۔ ظاہر ہے جوانی کا عالم، جوانی کی امنگیں
جوانی کی تمنائیں اور آرزوئیں مگر یہ فقرہ سننے کے بعد کہ قافلہ کو موت لئے
جا رہی ہے دنیا کا کوئی دوسرا انسان ہوتا تو فوراً یہ کہتا کہ اچھا بابا اگر معلوم
ہے کہ سامنے موت ہے تو بہتر یہ ہے کہ واپس چلئے۔ کیوں ہم لوگ موت
کے منہ میں جانا چاہتے ہیں۔ کوئی اور راستہ اختیار کیجئے مگر روایت کہتی
ہے کہ جیسے ہی امام حسینؑ نے یہ کہا کہ بیٹا یہ قافلہ وہ ہے جسکو موت لیجا رہی
ہے۔ علی اکبرؑ نے کہا بابا اتنا اور بتا دیجئے۔ "اَلَسْنَا عَلَی الْحَق"۔ کیا ہم حق پر
نہیں ہیں؟ امام حسینؑ نے کہا بیٹا اگر ہم حق پر نہ ہوں گے تو کون حق پر ہوگا۔
اس پروردگار کی قسم جسکی بارگاہ میں ہمکو پلٹ کے جانا ہے یقیناً ہم حق پر
ہیں تو جیسے ہی امام حسینؑ کی زبان پر یہ اعلان آیا علی اکبرؑ نے سر اٹھایا بابا
"اذا لا نبالی بالموت" اگر ہم حق پر ہیں تو پھر موت کی کیا پرواہ ہے۔
ہم جان دینے کیلئے تیار ہیں۔ موت ہم تک آ جائے جب بھی ہمیں کوئی



پرواہ نہیں ہے اور ہمیں موت کے منہ میں جانا پڑے جب بھی کوئی پرواہ
نہیں ہے۔ موت ان کے واسطے ہوتی ہے جو باطل پر مرا کرتے ہیں۔ جو
اہل حق ہوتے ہیں ان کی موت حیات جاودانی بن جاتی ہے۔ بابا آج
سفر کربلا میں جو فقرہ علی اکبرؑ کی زبان پر آیا وہی بات ہے جو صفین کے میدان
میں دادا نے کہی تھی۔ جب ابن عباس نے کہا یا علیؑ یہ میدان جنگ ہے
یہاں آپ ایک کرتا پہن کے کیسے آ گئے نہ تلوار نہ زرہ نہ سامان جنگ تو
فرمایا ابن عباس کسے سمجھا رہے ہو۔ میں ابو طالب کا بیٹا ہوں اور ابو طالب
کے لال کو پرواہ نہیں ہے کہ موت مجھ تک آ جائے یا میں موت تک چلا
جاؤں۔ بالکل یہ حوصلہ علیؑ کے دلمیں دیکھا تھا یا آج یہ حوصلہ علی اکبرؑ کے دل
میں دیکھا ہے۔ بابا حسینؑ نے اپنے لال کو کلیجے سے لگا لیا۔ ہمیں ایسے ہی چاہنے
والے اور ایسے ہی دل کے ٹکڑے درکار ہیں جو راہ حق میں یوں جان دیتے
ہیں۔ بابا قافلہ آگے بڑھا یہاں تک کہ دو محرم کو یہ قافلہ وارد سرزمین کربلا
ہو گیا۔ مصیبتیں بڑھتی رہیں۔ تیسری محرم کی تاریخ آئی ابن سعد نے آ کے
فرات کے کنارہ چار ہزار تیر اندازوں کا پہرہ بٹھا دیا کہ اب پانی کا کوئی قطرہ
خیام حسینؑ تک نہ جائے۔ ہائے پیاس کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ بچوں
کی پیاس کا عالم کوئی سوچ نہیں سکتا ہے۔ کتنی پیاس، کیسی پیاس۔ یہی وجہ
ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ کربلا میں کوئی کسی مصیبت کی شکایت کرتا نظر نہیں

آتا ہے کوئی ایسا نہیں ہے جس نے مولا کے سامنے آکے کہا ہو آقا دیکھئے
میرے ہاتھ میں زخم لگ گیا ہے۔ مولا دیکھئے میری پیشانی زخمی ہوگئی ہے۔
آقا دیکھئے میرا سینہ زخمی ہوگیا ہے۔ مگر ایک پیاس ایسی مصیبت ہے کہ جب
کسی زبان پر کوئی ذکر سنا تو اسی تشنگی کا سنا جب چھوٹے بچے علمدار کے گرد جمع
ہوئے تو یہی ایک فقرہ تھا العطش العطش ہائے پیاس ہائے پیاس۔ اور
جب کڑیل جوان میدان سے پلٹ کے آیا، خون میں نہا کے آیا مگر بیٹے
نے باپ سے یہ نہیں کہا کہ بابا ذرا میرے زخم کو دیکھ لیجئے۔ بابا میرے بدن
سے بہتا ہوا خون تو دیکھئے۔ بابا میرا عالم تو دیکھئے۔ یہی ایک فقرہ کہا انّ
العطش قد قتلنی "مجھے تلواروں زخموں کی کوئی پرواہ نہیں ہے پیاس
مارے ڈال رہی ہے" فهل الی شربة الماء سبیل" بابا کیا ایک گھونٹ
پانی کے لئے کوئی سبیل ہے (بس عزادارو میں اپنے بیان کو آخری مرحلہ
تک لے آیا) بابا کیا ایک گھونٹ پانی کے لئے کوئی سبیل ہے۔!! آپ
جانتے ہیں کہ اسنی ظالموں کو فی النار کرنے کے بعد تین دن کی بھوک و
پیاس میں اتنا بڑا جہاد کرنے کے بعد علی اکبرؑ پلٹ کے آئے ہیں۔ باپ
سے نہ کوئی جائزہ مانگتے ہیں۔ نہ کوئی انعام چاہتے ہیں صرف ایک
سوال ہے بابا کیا ایک گھونٹ پانی مل سکتا ہے؟" کوئی اس باپ کے
دل سے پوچھے کہ جس کی مجبوری اور بےبسی کا یہ عالم ہو کہ جوان بیٹے کو ایک



گھونٹ پانی بھی نہ دے سکے۔ حسینؑ کیا جواب دیں؟ کہا کہ بیٹا تم تو جانتے
ہو کہ خیموں میں ایک قطرہ پانی نہیں ہے۔ بتاؤ باپ تمہارے لئے پانی
کا انتظام کہاں سے کرے۔ جی چاہتا ہے اس مقام پر ہاتھ جوڑ کے گذارش
کروں۔ مولا کل وہ آپ کی بیکسی تھی کہ بیٹا پانی مانگ رہا تھا مگر آپ انتظام
نہ کر سکے۔ علی اکبرؑ نے ایک لفظ کہا تھا کہ بابا کیا پانی کی کوئی سبیل ہے۔
آیئے مولا دیکھئے آج آپ کے نام پر جدھر دیکھئے ادھر سبیل ہے۔ ہر طرف
آپ کے نام پر پیاسوں کو سیراب کیا جا رہا ہے۔ آپ کے نام پر جتنے
پیاسے ہیں انکی سیرابی کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ مگر کل آپ کو ایک قطرہ
پانی نہ ملا۔ ہائے حسینؑ کیا کریں ایسے موقع پر باپ بیٹے کی پیاس بجھانے کا
کیا انتظام کرے۔ روایت کا فقرہ ہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا کہ بیٹا" اعط
لسانك فی فمی" بیٹا پانی کی تو کوئی سبیل نہیں ہے البتہ اپنی زبان
میرے دہن میں رکھ دو شاید کچھ تسکین ہو جائے۔ روایت کہتی ہے کہ علی اکبرؑ
نے اپنی زبان باپ کے دہن میں رکھی اور فوراً کھینچ لی۔!! بیٹا یہ کیا کیا بابا
آپ کی زبان میں تو کانٹے پڑے ہیں۔ آپ کی پیاس تو مجھ سے زیادہ ہے۔
آپ کی زبان تو مجھ سے زیادہ خشک ہوگئی ہے حسینؑ نے کہا اچھا بیٹا اب
تو کوئی راستہ نہیں ہے رہ گیا ہے جاؤ راہ خدا میں جہاد کرو عنقریب دادا
تمہیں جام کوثر سے سیراب کریں گے۔ علی اکبرؑ کو اب یہ خیال تڑپا رہا ہے

کہ یہ میرے بابا کی مجبوری تھی کہ مجھے پانی نہ دے سکے۔ مگر یہ باپ ہی کا دل
جانتا ہے کہ اگر بیٹے کو پانی نہ دے سکے تو باپ کے دل کا کیا عالم ہوگا اس
نے جب گھوڑے سے گرنے لگے اور آواز دی بابا میرا آخری سلام لے
لیجئے اور حسینؑ گرتے پڑتے مقتل میں آگئے تو جیسے ہی علی اکبرؑ کے سرہانے
پہونچے، اکبرؑ نے کچھ نہ کہا بس ایک فقرہ کہا بابا گھبرائیگا نہیں۔ دادا آگئے
ہیں اب میں آپ سے پانی نہ مانگوں گا۔ اب میں آپ سے پانی کا مطالبہ
نہ کروں گا۔ دادا آگئے ہیں جام کوثر لئے ہوئے آپکا بھی انتظار کر رہے
ہیں۔ مگر میں کس سے فریاد کروں۔ یا علیؑ فریاد آپ مقتل میں پانی لئے
ہوئے حسینؑ کا انتظار کر رہے ہیں اور آپ کا بیٹا یہ کہہ رہا ہے کہ اے
شمر اگر ذبح کرنا ہی ہے تو کیا ایک قطرہ پانی نہ ملے گا اور جواب ملتا ہے
کہ اگر روئے زمین پانی پانی ہو جائے تو بھی تمھیں ایک قطرۂ آب نہ ملیگا
کوئی اس باپ کے دل سے پوچھے جسے اللہ نے ساقی کوثر بنایا ہو۔ کوئی
اس ماں کے دل سے پوچھے جس کے مہر میں فرات ہو اور اس کا بیٹا زیر
خنجر بھی پیاسا رہ جائے۔ ایک تشنگی وہ مسئلہ تاریخ کربلا ہے کہ بچوں کی
زبان پر ذکر آیا تو اسی پیاس کا آیا۔ علی اکبرؑ نے ذکر کیا تو اسی پیاس کا
ذکر کیا۔ حد یہ ہے کہ بیمار بیٹے نے بھی جب باپ کی قبر بنائی تو قبر حسینؑ بنانے
کے بعد اپنی انگلی سے قبر پر لکھنا شروع کیا "ھٰذا قبر حسین الذی



قتلوہ عطشانا" یہ اس حسینؑ مظلوم کی قبر ہے کہ جس کو پیاسا مارا گیا اور
اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ جب بیٹی باپ کو تلاش کرتی ہوئی مقتل
میں آئی تو حسینؑ کی کٹی ہوئی گردن سے یہی آواز آئی۔ اے میرے چاہنے
والو جب ٹھنڈا پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کر لینا (اجرکم علی اللہ) خدا آپ
کو کسی غم میں نہ رلائے سوائے غم آل محمدؐ کے۔ عزیزو کربلا والوں کی پیاس
یہ عجیب مصیبت ہے اور خاص طریقہ سے کڑیل جوان بیٹے کی فریاد۔ بابا پیاس
مارے ڈال رہی ہے، بابا پیاس مارے ڈال رہی ہے۔ یہ حسینؑ کا جوان یہ
زینبؑ کا ناز و نعم کا پالا ہوا۔ یہ ام لیلیٰ کی تمناؤں کا مرکز۔ حسینؑ جب مدینہ
سے چلے تو سارے انتظام کے ساتھ چلے۔ حسینؑ کا موذن حجاج بن مسروق
حسینؑ کے ساتھ کہ جب وقت اذان آئے گا حجاج اذان کہیں گے۔ مولانماز
پڑھائیں گے۔ مگر آج کی صبح جب عاشور کی سحر کا وقت آیا اور وقت اذان
قریب آیا تو ایک مرتبہ آپ نے فرمایا حجاج آج تم نہیں آج کی اذان میرا
کڑیل جوان دے گا۔ علی اکبرؑ آگے بڑھو۔ علی اکبرؑ آگے آئے۔ اذان شروع
کی۔ علی اکبرؑ کی آواز اذان فضائے کربلا میں گونج رہی تھی۔ زینبؑ نے
نانا کا لہجہ سنا، ام کلثوم نے نانا کی آواز سنی، حسینؑ نے نانا کی تصویر کو
دیکھا۔ سب کے کانوں میں علی اکبرؑ کی اذان کی آواز گونج رہی ہے
اس کے بعد پھر کوئی آواز نہ آئی۔ ایک مرتبہ مقتل سے آواز آئی۔ بابا

بیٹے کا آخری سلام۔ بابا آپ کے لال کا آخری سلام۔ حسینؑ سرہانے
پہونچے ہائے کون سہارا دے۔ کڑیل جوان کا لاشہ کون اٹھائے۔ آواز
دی بنی ہاشم کے بچوں آؤ جوان کا لاشہ زمین پر پڑا ہوا ہے اور ضعیف باپ
اٹھانے کے قابل نہیں ہے ایک مرتبہ حسینؑ نے دیکھا کہ کوئی پہلو میں
کھڑا ہے اور آواز آرہی ہے۔ بھیا گھبرائیگا نہیں میں آگئی۔ حسینؑ نے
مڑ کے دیکھا۔ زینبؑ تم کہاں؟ کہا بھیا

لاشہ ہے برابر کا بھیا سے نہ اٹھے گا!
میں پالنے والی ہوں گودی میں اٹھاؤنگی

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مجلس شام غریباں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ
الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ الَّذِیْنَ اَذْھَبَ اللّٰہُ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھَّرَھُمْ
تَطْھِیْرًا اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ
حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اللہ اسے دوست
رکھے جو میرے حسینؑ سے محبت کرے!! سرکار دو عالم کا یہ ارشاد گرامی
جس کے ذیل میں، میں اپنے معروضات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا
تھا اور اس سلسلہ کی یہ آخری مجلس ہے۔ مجلس شام غریباں پیغمبرؐ کے
اس ارشاد کی روشنی میں اگر انسان عظمت حسینؑ بن علیؑ کا اندازہ کرنا

چاہے تو اس کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ مالکِ کائنات نے جب اپنے حبیبؐ کی عظمت کا اعلان کیا تو ارشاد فرمایا: "لولاک لما خلقت الافلاک" اے پیغمبرؐ تم نہ ہوتے تو میں اس کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ یہ ساری کائنات یہ ارض و سما یہ شمس و قمر یہ عالم آفاق و انفس یہ سب صدقہ ہے وجودِ رسولِ اعظمؐ کا کہ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے سب پیغمبرِ اسلامؐ کے صدقہ میں پیدا کیا ہے یہ اور بات ہے کہ پیغمبرؐ کا وجودِ مقدس ایک نورِ مکمل تھا جس نور کو مالک نے مختلف حصوں میں تقسیم کرکے مختلف اوقات میں اس دنیا میں بھیجا اسی لئے جب حضورؐ کے سارے اجزاء ایک مقام پر جمع ہوگئے تو مالک نے پھر اسی حقیقت کا اعلان کیا جس کا اس کے پہلے پیغمبرِ اسلامؐ کے بارے میں اعلان ہوا تھا یہ تنہا ذاتِ مقدس سرورِ کائنات کا اعلان نہیں ہے بلکہ میرے اس اعلان میں وہ تمام اجزاء شامل ہیں جو نورِ اقدس پیغمبرِ اسلامؐ کے اجزاء ہیں۔ اسی لئے دوبارہ اعلان کر رہا ہوں" انی ماخلقت سماءً مبنیا ولا ارضاً مدحیہ" یہ آسمان یہ زمین یہ شمس و قمر یہ ساری کائنات یہ سب کچھ نہیں پیدا ہوا ہے۔ الا فی محبۃ ھولاء الخمسۃ" جو کچھ میں نے پیدا کیا ہے وہ سب انھیں پانچ کی محبت میں پیدا کیا ہے۔ یہ کائنات بنائی ہے تو انھیں کے واسطے بنائی ہے۔ اس کائنات کو میں نے انھیں کا صدقہ قرار دیا ہے اس



کے وجود کو انھیں کے وجود کا طفیل قرار دیا ہے۔ اس کائنات کو اگر پیغمبرؐ سے ملا کے دیکھا جائے تو آسمان کس کے دم سے ہے اسی پیغمبرؐ کے دم سے زمین کس کے باعث ہے اسی پیغمبرؐ کے باعث ہے یہ چاند سورج کس کے دم سے قائم ہیں؛ اسی پیغمبرؐ کے دم سے قائم ہیں۔ یہ کائنات کس سے ہے اسی پیغمبرؐ سے ہے۔ لیکن جب مالک نے اس حقیقت کا اعلان کر دیا کہ کل کائنات پیغمبرؐ سے ہے تو پیغمبرؐ نے اعلان کیا "انا من حسین" مگر میں حسینؑ سے ہوں۔ وجودِ کائنات میرے صدقہ میں ہے اور بقائے رسالت حسینؑ کے دم سے ہے۔ اگر حسینؑ نہ ہوتا تو میں نہ رہ جاتا۔ اگر حسینؑ نہ ہوتا تو اسلام نہ رہ جاتا۔ اسی لئے حسینؑ بن علیؑ نے اپنے کردار سے اس حقیقت کا اعلان کر دیا کہ اگر دنیا والے "انا من حسین" کے معنی نہیں پہچان سکے اور فقط یہ خیال کر لیا کہ شاید میرا رشتہ صرف ذاتِ پیغمبرؐ سے ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اب پہچان لیں کہ جس طرح کائنات کی تخلیق میرے نانا کا صدقہ ہے اسی طرح عالمِ شریعت و اسلام میں جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ سب میرے دم سے ہے۔ حسینؑ نے مدینہ چھوڑا حرمتِ مدینہ کے تحفظ کے لئے۔ حسینؑ نے حج کو عمرہ سے تبدیل کیا حرمتِ حرمِ الٰہی کے احترام کے لئے۔ حسینؑ نے کربلا میں فرات کا کنارہ چھوڑا۔ امتحانِ محبت میں کامیابی کے اظہار کے لئے۔ حسینؑ نے اپنا بھرا گھر چھوڑا دینِ مقدس

کی بقا کے لئے۔ حسینؑ نے نوکِ نیزہ سے تلاوت قرآن کی عظمت قرآن کی خاطر۔ اگر آج دنیا میں یہ سب کچھ باقی رہ گیا ہے تو ہر ایک کو اس حقیقت کا اقرار ہے کہ حرمت مدینہ حسینؑ سے ہے، حرمت حرم خدا حسینؑ سے ہے۔ حرمت کعبہ حسینؑ سے ہے، حرمت قرآن حسینؑ سے ہے، حرمت اسلام حسینؑ سے ہے جو کچھ باقی رہ گیا ہے سب حسینؑ بن علیؑ کے دم سے رہ گیا ہے۔ تو عزیزو! اگر نام پیغمبرؐ حسینؑ سے ہے۔ اگر کعبہ کا تقدس حسینؑ سے ہے۔ اگر قرآن کی عظمت حسینؑ سے ہے، اگر مدینہ کا احترام حسینؑ سے ہے، اگر شریعت پیغمبرؐ حسینؑ سے ہے، اگر حقائق اسلام حسینؑ سے ہیں تو بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی ہے کربلا کا منظر دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ زینبؑ کا سکون حسینؑ سے ہے، بچوں کا اطمینان حسینؑ سے ہے خیموں کی بقا حسینؑ سے ہے، ہر دل کی ڈھارس حسینؑ سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ سب قربان ہوتے رہے مگر جب تک ماں جایا سلامت رہا۔ زینبؑ کو ایک سہارا تھا، جب تک بھائی زندہ رہا زینبؑ کو ایک سہارا تھا، جب تک حسینؑ باقی رہے بچوں کو ایک سہارا تھا مگر جب آخر وقت میں۔ فرزند رسول نے میدان جہاد میں قدم رکھا تو سب کا سہارا ٹوٹ گیا اور سب پر اداسی چھا گئی۔ اب سب بے سہارا ہو رہے ہیں۔ مگر ایسے انتہائی سنگین لمحات میں بھی جبکہ سامنے چاہنے والوں کے لاشے تھے۔ دل کے ٹکڑوں اور



گود کے پالوں کے لاشے تھے۔ تین دن کی بھوک تین دن کی پیاس تھی۔ امام حسینؑ نے تین حملے کئے، جن میں آخری مرحلہ پر ایک حملہ وہ تھا جس میں حسینؑ کا رخ کوفہ کی طرف تھا اور حسینؑ نے فوجوں کو اتنی دور تک بھگا دیا تھا کہ فوجیں قادسیہ کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں اور الامان الامان کی آوازیں بلند تھیں۔ نبیؐ کا لال پلٹ کر آیا تھوڑی دیر دم لینا چاہتا تھا کہ دوسری طرف سے فوجوں نے حملہ کر دیا۔ حسینؑ نے فوجوں کو ڈھکیلا اور اتنی دور تک آگے بڑھ گئے کہ اب جو جھک کے دیکھا تو دیکھا کہ راہوار فرات میں ہے۔ ظالموں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جب تین دن کا پیاسا اس شان سے جنگ کر رہا ہے تو اگر حسینؑ کو ایک قطرہ پانی مل گیا تو کس میں دم ہوگا جو حیدر کرارؑ کے لال سے جنگ کر سکے۔ مگر حسینؑ کو کیسے روکا جائے پانی پینے سے۔ کیسے روکا جائے فرات سے؟ اب ظالموں کے پاس ایک ہی حربہ تھا کہ ایک ظالم نے بڑھ کے آواز دی حسینؑ تمھیں پانی کی فکر ہے خیمے جل رہے ہیں انکی فکر نہیں ہے۔ ظالم خیموں میں آگ لگا رہے ہیں تمھیں اسکی فکر نہیں ہے۔ بس جیسے ہی یہ آواز کان میں آئی گھوڑے کا رُخ موڑ دیا پکار کر کہا ظالموں اگر جنگ کرنے کا دم ہے تو آؤ اس ٹوٹی کمر سے جہاد کرو، آؤ مجھ سے جنگ کرو۔ ان بیبیوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔ ان عورتوں سے کیا تعلق ہے۔ یہ تم نے خیمہ گاہ کا رُخ

کیوں کر لیا ہے۔ یہ کہہ کر حسینؑ خیمہ گاہ کی طرف آگے بڑھے کہ خبردار کوئی خیمہ میں آگ نہ لگانے پائے۔ کوئی سیدانیوں کے خیموں تک جانے نہ پائے مگر جتنی دیر حسینؑ سلامت رہے خیموں کو بچاتے رہے جہاد چھوڑ دیا، فرات کو چھوڑ دیا مگر خیموں کا تحفظ کرتے رہے۔ میں کہوں گا مولا آپ نے فقط یہ سن لیا تھا کہ ظالم خیموں میں آگ لگانے جا رہے ہیں اور آپ بیقرار ہو کر فرات سے پلٹ آئے۔ آئیے اپنے لال کا دل سنبھالیئے۔ بیمار بیٹا غش کے عالم میں ہے۔ ثانی زہراؑ شانہ ہلا رہی ہیں عابدؑ بیمار آنکھیں کھولو پھوپھی اماں اب کیا خبر لیکے آئی ہیں؟ ابھی تو آپ نے سنایا کہ میرا بابا مارا گیا۔ ابھی تو آپ خبر سنا کے گئیں کہ میرا بابا مارا گیا۔ ابھی تو میں نے نیزہ پر بابا کے سر کو دیکھا۔ اب اس کے بعد کیا کوئی تازہ خبر لے آئی ہیں۔ فرمایا ہاں بیٹا اس سے زیادہ سخت خبر لے کے آئی ہوں۔ کہا پھوپھی اماں بتایئے اب کیا خبر لے کے آئی ہیں فرمایا بیٹا ذرا آنکھیں کھول کے دیکھو خیموں میں آگ لگی ہوئی ہے یہ لاوارث بیبیاں۔ یہ یتیم بچے ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں جا رہے ہیں۔ اب یہ آخری خیمہ رہ گیا ہے بتاؤ کیا کرنا ہوگا۔ انھیں خیموں میں جل کے مر جائیں یا خیموں سے باہر نکلیں۔ کہا پھوپھی اماں آپ کو تو معلوم ہے کہ جان بچانا واجب ہے۔ اب جلتے خیموں سے باہر نکلئے۔ سیدانیاں اس حالت میں نکلیں کہ سر کے بال بکھرے



ہوئے منھ پر طمانچے مارتی ہوئیں۔ وامحمدا۔ نانا آکے نواسیوں کو دیکھو۔ بابا آکے اپنی بیٹیوں کو دیکھو۔ اماں آپ بھی تو مقتل کربلا میں ہیں آپکا جنازہ تو رات کی تاریکی میں اٹھا تھا اب آپکی زینبؑ خیمہ سے باہر نکل رہی ہے یہ پہلا مرحلہ تھا عابدؑ بیمار کے لئے۔ سیدانیاں جلتے ہوئے خیموں سے باہر نکل آئیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک معظمہ بار بار جلتے خیمے میں جاتی ہیں اور نکل آتی ہیں۔ کوئی خیال آتا ہے جو خیمہ تک لے جاتا ہے اور جب آگ جلانے لگتی ہے تو واپس چلی آتی ہیں۔ میں سخت پریشان تھا کہ انکا کونسا قیمتی سامان رہ گیا ہے جس کے لئے جلتے خیمے میں چلی جاتی ہیں۔ میں نے پکار کے پوچھا بی بی خیمے جل رہے ہیں، آگ لگی ہوئی ہے اب کونسا سامان رہ گیا ہے کہ آپ جلتے خیمے میں بار بار چلی جاتی ہیں۔ آواز دی مال دنیا میں کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ میرے بھیا کی امانت رہ گئی ہے۔ اب جو شہزادی جلتے خیمے سے نکلی ہیں تو دیکھا کہ ہاتھوں پر بیمار کو اٹھائے ہوئے ہیں اور آواز دے رہی ہیں۔ میرے ماں جائے حسینؑ، میرے بھیا حسینؑ گواہ رہیگا میں نے آپکی امانت کو جلتے خیموں سے نکال لیا ہے۔ بیمار کو ثانی زہراؑ نے لاکر لٹا دیا ایک مقام پر بیبیاں آ کے بیٹھ گئیں۔ اب خیمے رہ گئے نہ کوئی سہارا رہ گیا۔ سیدانیاں ایک مقام پر بیٹھی ہوئی ہیں زینبؑ نے سارے منظر دیکھ لئے۔ گود کے پالے قربان ہو گئے، بھائی

ذبح ہوگیا، بھائی کا سر نوک نیزہ پر آگیا، خیمے جل گئے، بیمار کو اٹھا لائیں، ساری منزلیں تمام ہوگئیں مگر مقتل کربلا کہتا ہے کہ ایک مرتبہ فضہ دوڑ کر ثانی زہرا کی خدمت میں آئیں۔ بی بی بڑے غضب کی خبر لے کے آئی ہوں، شہزادی بڑی قیامت کی خبر لے کے آئی ہوں، کہا فضہ بتاؤ کیا خبر لے کے آئی ہو؟ کہا ذرا دل سنبھالے تو بتاؤں۔ کہا فضہ بتاؤ مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ جب میرا بھیا مارا گیا، جب میرا علمدار مارا گیا، جب میرا سارا گھر اجڑ گیا، جب ہمارے خیمے جل گئے تو ہمارے لئے اب کوئی خبر خبر نہیں ہے اب کسی خبر کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بتاؤ کیا خبر سنانا چاہتی ہو؟ کہا بی بی ابھی میں کھڑی سن رہی تھی کہ ابن سعد فوجوں کو پکار کے کہہ رہا تھا۔ کہ گھوڑوں کی نعل بندی کی جائے۔ اے شہزادی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید میرے شہزادے کا لاشہ پامال کیا جائے گا۔ بس یہ سننا تھا کہ ثانی زہرا کا دل تڑپ گیا۔ اے فضہ بتاؤ میں کیا کروں؟ کہا بی بی مجھے معلوم ہے میرے مولا نے بتایا ہے کہ اس جنگل میں ایک شیر رہتا ہے۔ اس پر میرے آقا کا احسان ہے شاید میں اسے پکاروں تو میرے شہزادے کے بچانے کا کوئی انتظام ہوجائے۔ کہا فضہ کوئی طریقہ ہو اگر میرے ماں جائے کا لاشہ بچ جائے تو کچھ کرو۔ ایک مرتبہ فضہ آگے بڑھی میدان کا رخ کیا۔ ابوالحارث۔ شیر کا نام لے کے پکارا تجھے کچھ خبر ہے حیدر کرار



کے بیٹے کا لاشہ پامال ہونے جا رہا ہے۔ اس جنگل میں تیرے رہنے کا فائدہ کیا ہوگا۔ فضہ کی آواز سنی۔ شیر سامنے آیا لاش حسینؑ کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ کس کی مجال جو میرے شہزادے کے لاشے کو پامال کر سکے: فوجیں پیچھے ہٹیں زینبؑ کا دل مطمئن ہوا۔ شیر نے اپنی زبان بے زبانی میں کہا بیبیو! میں نے شہزادہ کے لاشہ کو بچا لیا۔ اب میں جا رہا ہوں لیکن جیسے ہی شیر رخصت ہوا ایک مرتبہ اُدھر کے سوار اِدھر۔ اِدھر کے سوار اُدھر، درمیان میں زہرا کے لال کا لاشہ۔ لاشہ پامال ہوا۔ اور حسینؑ کو وہ اذیت ہوئی کہ بیٹی سے فرمایا تھا۔ میری سکینہ میرے چاہنے والوں سے بتا دینا کہ میں وہ نواسۂ رسولؐ ہوں جس کے لاشہ کو بے جرم و خطا پامال کیا گیا ہے۔ اجرکم علی اللہ۔ خدا آپ کو کسی غم میں نہ رلائے سوائے غم آل محمدؐ کے عزادارو یہ وہ منازل ہیں جو سننے میں بہت آسان معلوم ہوتے ہیں مگر جس کے دل پہ گذر رہی ہو، جو ان مصیبتوں کو برداشت کر رہا ہو اسی کا کلیجہ جانتا ہے کہ یہ مرحلہ کتنا سخت ہے۔ اسی عالم میں ایک مرتبہ عاشور کا سورج ڈوب گیا اور وہ شام آئی جو شہیدوں کی شام نہیں ہے غریبوں کی شام ہے، مجاہدوں کی شام نہیں ہے۔ بیکسوں اور یتیموں کی شام ہے۔ بیواؤں کی شام ہے۔ شام غم شام الم شام غریباں ہے یہ شام۔ ابھی چند خیمے جلے ہیں چراغاں ہے یہ شام۔ یا ثانی زہرا یتیم بچوں کو، بیبیوں کو ایک مقام پر

لاکر بٹھا رہی ہیں۔ بچو! بیبیوں! اب ہمارے پردے کا محافظ نہیں رہ گیا ہے۔ میرا شیر نہیں رہ گیا ہے۔ اب ساری ذمہ داری زینبؑ کی ہے لہٰذا آؤ اب میں تمہاری حفاظت کا انتظام کروں گی۔ ایک مقام پر سب کو جمع کرنا شروع کیا۔ دیکھا کہ کچھ بچے ہیں جو نظر نہیں آرہے ہیں۔ چلیں بچوں کی تلاش میں۔ چند قدم آگے بڑھی تھیں کہ دیکھا ایک سوار چلا آرہا ہے آواز دی اے سوار کیا ارادہ ہے؟ خبردار ادھر نہ آنا۔ یہ بچے یہ بیوائیں یہ یتیم اتنی مصیبت اٹھائے ہوئے ہیں کہ خیمے بھی جل گئے ہیں تھوڑی دیر تو بچوں کو آرام کر لینے دے۔ اب ہمارے پاس کیا رہ گیا ہے جسکو تو لینے کے لئے آرہا ہے۔ مگر سوار آگے بڑھتا چلا آرہا ہے۔ زینبؑ بار بار منع کر رہی ہیں مگر سوار رکتا نہیں ہے۔ ایک مرتبہ جب قریب آگیا تو حیدرؑ کرار کی بیٹی کو جلال آگیا۔ آواز دی آنے والے اگر میرا عباسؑ مارا گیا، اگر میرا حسینؑ مارا گیا تو کیا مجھے بالکل لاوارث سمجھ لیا ہے۔ میں حیدرِ کرار کی بیٹی ہوں۔ خبردار قدم آگے نہ بڑھانا۔ یہ کہہ کے لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا۔ سوار نے نقاب الٹ دیا۔ اے میری زینبؑ اے میری بیٹی تم بیٹھو میں آگیا پہرہ دینے کے لئے۔ ارے بابا! اب آئے جب خیمے جل گئے، چادریں چھن گئیں، میرے ماں جائے کا سر نوک نیزہ پر آگیا۔ اجرکم علی اللہ۔ خدا آپ کو کسی غم میں نہ رلائے سوائے غم آلِ محمدؐ کے (بس



عزیز و عشرہ کی یہ آخری مجلس ہے اور ابھی تھوڑی دیر کے بعد مجلس کے اختتام پر سلام آخر کے بعد چند لمحوں کے لئے بعض نوجوانوں کی خواہش ہے کہ الوداعی ماتم بھی ہو جائے) یہ مہمان جو ہمارے عزاخانے میں آئے تھے۔ یہ مہمان جو ہمارے گھروں میں آئے تھے یہ مہمان ہمارے گھروں سے نہیں آج تو دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ حسنؑ و حسینؑ کا یہ قافلہ ہمارے عزاخانوں کی رونق بڑھانے کے لئے آیا تھا۔ کیا رونق تھی کیا روشنی تھی کیا زیب و زینت اور کیا زیبائش و آرائش مگر جیسے ہی یہ قافلہ رخصت ہوا تو اب فرش بھی نہیں رہ گیا۔ یہ چاہنے والے خاک پر کیوں بیٹھے ہیں۔ اسی لئے کہ آج کی رات سیدانیاں خاک پر بیٹھی تھیں آج کی رات بچے خاک پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آج کی رات یتیم اور بیوائیں سب خاک پر بیٹھے تھے۔ ثانی زہراؑ ایک مرتبہ آگے بڑھیں بچوں کو جمع کرنے کے بعد دیکھا کہ سکینہؑ نہیں ہے۔ اے بہن ام کلثوم بھائی کے سینہ پر سونے والی سکینہؑ کہاں چلی گئی۔ بھیا نے چلتے چلتے کہا تھا کہ زینبؑ میری سکینہؑ سے ہوشیار رہنا۔ سکینہؑ نظر نہیں آرہی ہے۔ میں بھیا کو کیا جواب دوں گی۔ میں ماں جائے کو کیا جواب دونگی۔ کہا بہن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب رات آئی ہوگی بچی کو باپ کی یاد نے ستایا ہوگا تو کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ بچی باپ کی تلاش میں نکل گئی ہو چلو چل کے تلاش کریں۔

شہزادیاں چلیں مقتل کی طرف۔ بچی کو تلاش کرتے ہوئے چند قدم آگے بڑھیں۔ دیکھا ایک مقام پر خاک پر دو بچے لیٹے ہوئے ہیں۔ اے بہن دیکھو ان میں سکینہؑ تو نہیں ہے؟ شہزادی نے جھک کر دیکھا۔ کہا نہیں سکینہؑ تو نہیں ہے۔ مگر یہ بچے ہمارے ہی خیمے کے ہیں۔ یہ بچے تو ہمارے ہی قافلہ کے ہیں۔ شاید رات کی ٹھنڈی ہوا پاکر سو گئے ہیں۔ چلو انھیں جہاں بیبیاں بیٹھی ہوئی ہیں وہیں لیجا کے لٹا دیں۔ ایک بچے کو ثانیِ زہراؑ نے اٹھانا چاہا۔ ایک بچہ کو ام کلثومؑ نے اٹھانا چاہا مگر اب جو بچوں کو اٹھایا تو دیکھا کہ سینوں پر گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشانات ہیں۔ اے بہن غضب ہوگیا۔ ایسا لگتا ہے کہ جب خیموں میں آگ لگی تھی۔ اشقیا خیموں کو لوٹنے کے لئے آرہے تھے تو شاید یہ بچے گھوڑوں کی ٹاپوں کی زد میں آگئے۔ بچوں کی لاشوں کو لا کے سیدانیوں کے پاس رکھا اور اس کے بعد پھر چلیں سکینہؑ کو تلاش کرنے کے لئے۔ چند قدم آگے بڑھیں ایک آنے والا دکھائی دیا جو گھوڑے کی لگام پکڑے چلا آرہا تھا۔ آواز دی اے بھائی تو نے میدان میں کسی بچی کو تو نہیں دیکھا ہے۔ اس نے کہا میں نے کسی کو دیکھا تو نہیں ہے اس اندھیرے میں البتہ جب میں اپنے گھوڑے کو پانی پلانے فرات کے کنارے گیا تو ایک ایسی دردناک آواز آرہی تھی کہ میرے گھوڑے نے پانی نہیں پیا ہے۔ !! اے بھائی آواز کدھر سے آرہی تھی



کہا اسی نشیب کی طرف سے آرہی تھی۔ !! شہزادیوں نے نشیب کا رخ کیا اب جو آگے بڑھیں تو دیکھا کہ ایک لاشۂ بے سر سے بچی لپٹی ہوئی بین کر رہی ہے۔ کاش آپ کبھی سوچ سکیں آپ نے اپنے بچوں سے یقیناً پیار کیا ہے اور دیکھا ہے کہ جب بچے باپ کی گود میں آتے ہیں تو بچوں سے اظہار محبت کا طریقہ کیا ہوتا ہے کہ لبوں سے بوسے دیئے جاتے ہیں گلے سے لگایا جاتا ہے۔ مگر ہائے وہ بچی جو حسینؑ کے پاس آئی ہے۔ وہ کیا کرے جس کے جسم پر نہ سر رہ گیا ہو جس کے جسم میں تیر پیوست ہوں اس سے کیسے پیار کرے۔ بچی لاشہ سے لپٹی ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ آواز آئی۔ سکینہؑ یہ کس کا لاشہ ہے۔ کہا پھوپھی اماں یہ میرا بابا ہے کہا سکینہؑ تم نے لاشۂ بے سر کو کیسے پہچانا۔ کہا پھوپھی اماں میں مقتل میں آواز دیتی ہوئی آئی بابا۔ بابا۔ اندھیری رات میں کچھ نہیں دکھائی دے رہا ہے بابا بتاؤ سکینہؑ کدھر جائے آواز آئی آئی آئی۔ آ میری سکینہؑ آ۔ میں آکے بابا سے لپٹ گئی۔ !! فرمایا سکینہؑ تم نے بابا کو بتا دیا کہ تم پر کیا گزر گئی۔ کہا ہاں پھوپھی اماں میں نے بتا دیا ہے کہ خیمے جل گئے۔ چادریں چھن گئیں۔ آپ نے جو گوشوارے پہنائے تھے اتار لئے گئے۔ !! ظالموں نے مجھے طمانچے مارے۔ پھوپھیوں کے تازیانے لگائے۔ ہم اہل بیت بے کس و بے سہارا ہوگئے۔ اور اے پھوپھی اماں جب میں یہ کہہ

رہی تھی تو کٹی ہوئی گردن سے آواز آرہی تھی۔ سکینہ ٹھہرو ٹھہرو۔ کچھ میں بھی
کہنا چاہتا ہوں اے بیٹی اپنے بین سُنا چکی اب باپ کی بات تو سن لو
لے پھوپھی اماں اب جو میں چپ ہوئی۔ تو آواز آئی اے سکینہ میر
چاہنے والوں تک میرا سلام پہونچا دینا اور کہنا کہ چاہنے والو جب ٹھنڈا
پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کر لینا اور جب کسی غریب کا ذکر آئے تو
میرا ماتم کرنا۔ وَاحُسَیْنَاہُ وَاحُسَیْنَاہُ وَامَظْلُومَاْ وَامَظْلُومَاہُ

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ